مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا دوماہی
دینی و علمی مجلہ
زمزم
جلد ۹
محرم، صفر سنہ ۱۴۲۷
شمارہ ۱
مدیر مسئول مدیر التحریر
محمد ابوبکر غازیپوری
سالانہ چندہ ۷۰/ روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
پتہ
مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ غازیپور یوپی
پن کوڈ - ۲۳۳۰۰۱
فون نمبر ۰۵۴۸-۲۲۲۱۷۵۷

فہرست مضامین

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمزم کے بارے میں ادارۂ زمزم کا اہم اعلان

الحمدللہ زمزم اب اپنے نویں سال میں اس شمارہ سے داخل ہو رہا ہے۔ زمزم کے آٹھ سال بخیر و عافیت گزر گئے، اگرچہ راہ میں بڑی دشواریاں آئیں، خریداران زمزم کی ایک بڑی تعداد کی بے توجہی، اور زمزم کا زر سالانہ جو ان کے ذمہ کئی سال کا بقایا ہے نہ ادا کرنے کی وجہ سے ادارہ کو زبردست مالی نقصان ہوا، مگر ادارہ اس کو کسی طرح سہ لے گیا، اس میں ہمارے بعض کرم فرما اور بعض عزیز شاگردوں کا بڑا تعاون رہا ہے، اگر ان کا یہ تعاون نہ رہا ہوتا تو زمزم کا پابندیٔ وقت کے ساتھ بلاناغہ اس طرح نکلنا بہت دشوار تھا، اب بھی ان حضرات کے ذمہ زمزم کا کئی ہزار کا بقایا ہے، مگر بار بار کی توجہ دلانے کے باوجود یہ احباب ذرا بھی خیال نہیں فرما رہے ہیں، سال میں صرف ستر روپیہ کیا بڑی چیز ہے، مگر جب شعور میں بیداری نہ ہو، ذمہ داری کا احساس نہ ہو تو یہ معمولی رقم بھی آدمی کے لئے بھاری ہو جاتی ہے، یہ اللہ کے بندے اتنا بھی نہیں کرتے کہ ادارہ کو مطلع کر دیں کہ ان کے نام پرچہ بند کر دیا جائے۔

اب یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ چونکہ ہمارے ذمہ بہت سے خریداروں کی رقم ہے اس وجہ سے صرف ایک سال کیلئے اور زمزم جاری رہے گا پھر ہم نے اس کو بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، انشاء اللہ اس ایک سال میں ادارہ کے ذمہ جو خریداروں کی رقم ہے ہم اس سے فارغ ہو جائیں گے۔ اسلئے اب جو حضرات نئے خریدار بننے کے خواہشمند ہوں ان کو یہ

سوچ کر خریدار بننا چاہئے کہ زمزم صرف اسی ایک سال جاری رہے گا۔

الحمدللہ زمزم نے اپنا کام بہت حد تک پورا کر دیا ہے، اس لئے اس کا جاری رہنا اب بہت ضروری نہیں رہ گیا۔ خریدارانِ زمزم پھر ایک بار نوٹ کر لیں کہ بس ایک سال کیلئے زمزم جاری رہے گا، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ ہم اپنے اوپر قرض کے بوجھ سے نکل سکیں اور زمزم کا جاری رہنا آسان ہو۔

بعض احباب کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے

چونکہ زمزم کے بارے میں بدرجہ مجبوری یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ اگر اس کی راہ کی دشواریاں اسی طرح باقی رہیں تو زمزم کا یہ آخری سال ہوگا اسلئے اپنے بعض ان مخلصین کا شکریہ ادا کرنا ادارہ اپنا فرض سمجھتا ہے جن کے تعاون سے زمزم جاری رہا۔

ڈاکٹر سید محمود قادری صاحب بیجاپور

ڈاکٹر سید محمود قادری صاحب شروع ہی سے زمزم کے قدرداں رہے ہیں، ادارہ زمزم ان کا بے حد ممنون ہے، ڈاکٹر صاحب نے قدم قدم پر ادارہ کی مدد کی، انھوں نے ادارہ سے شائع ہونے والی کتابوں کی اشاعت میں بھی بڑا حصہ لیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ اصلاً انگریزی تعلیم حاصل کی ہے مگر آپ نے اپنی ذاتی دلچسپی سے عربی زبان سے بھی اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی ہے، آپ بلا تکلف حدیث قرآن کو اصل متن کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں، مشکوٰۃ شریف پر از اول تا آخر بڑی گہری نگاہ ہے، کئی سال سے قرآن اور حدیث پاک کا آپ بیجاپور کی مساجد میں بعد نماز عشاء اور بعد نماز فجر درس دیتے ہیں، آپ کے یہ دونوں دروس بیجاپور کے عوام میں بہت مقبول ہیں، ان دروس سے بیجاپور کے نوجوانوں کی بہت اصلاح ہوئی ہے۔ بیجاپور کے نوجوانوں کا ایک بڑا حلقہ آپ سے جڑا ہوا ہے، پورے گھرانے پر دینداری کا غلبہ ہے۔ آپ کا قلب بڑا حساس ہے، غیر مقلدیت اور جماعتِ اسلامی کے روزِ اول سے

آپ پورے طور پر واقف ہیں اور ان کے رد و ابطال کے لئے آپ کی مساعی جمیلہ بڑی قابل قدر ہیں، ان تمام صفات کے ساتھ آپ بہت متواضع ملنسار بزرگ ہیں، خاکسار ان کی دعوت پر دو مرتبہ بیجا پور جاچکا ہے ۔

برادرم محمد اشفاق کھو کر اندور

برادرم محمد اشفاق ابھی بالکل نوجوان ہیں، انگریزی تعلیم یافتہ ہیں، دو سال قبل وکالت کا امتحان پاس کیا ہے، اور اب وہ کسی سینیر وکیل کے ساتھ رہ کر اس لائن کا تجربہ حاصل کر رہے ہیں، اندور شہر کے ایک اچھے تاجر ہیں، ابتداء تبلیغی جماعت سے جڑے رہنے کی وجہ سے مزاج دیندارانہ ہے، دینی کاموں سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، ساتھ ہی قومی و ملی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں، ہندوستان کے بہت سے مشاہیر علماء سے ان کا ربط ہے، طبیعت میں بہت سادگی ہے، دل دردمند کے مالک ہیں، زمزم کی اشاعت میں ان کا بڑا ہاتھ رہا ہے، پچاس عدد زمزم ان کے ذریعہ سے اندور پہونچتا ہے اور معلوم ہوا کہ بیشتر کے پیسے اس نوجوان کو اپنے جیب سے ادا کرنا ہوتا ہے۔ مکتبہ اثریہ کی کتابوں کی اشاعت میں بھی ان کا بڑا حصہ ہے، غیر مقلدیت کے فتنہ سے پورے طور پر آگاہ ہیں اور اس کے دفع کرنے کیلئے ہمہ وقت تگ و دو میں رہتے ہیں، احقر کے ساتھ ان کا معاملہ بڑی خصوصیت کا ہے، ان کی دعوت پر متعدد بار اندور کا سفر ہوا ۔

عزیز گرامی مفتی سعید مِتار اسلمہ، جنوبی افریقہ

مفتی سعید متار اسلمہ میرے زمانہ ڈابھیل کے عزیز ترین شاگرد ہیں، زمانہ طالب علمی میں ہی اپنی نیکی شرافت، سنجیدگی، پڑھنے میں محنت، اساتذہ سے تعلق و محبت میں بہت مشہور تھے ۔ الحمد للہ اس وقت جنوبی افریقہ کی مشہور درسگاہ دارالعلوم آزادویل میں صدر مفتی کے عہدے پر فائز ہیں، احادیث پاک کی اونچی کتابوں کا درس بھی دیتے ہیں، انھیں کی دعوت پر جنوبی افریقہ کا میرا سفر ہوا تھا، بہترین

انگریزی وارددو کے مقرر ہیں، جنوبی افریقہ میں ان کی شخصیت بڑی نمایاں ہے اور ان کے فتاویٰ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

زمزم سے ان کی دلچسپی بہت بڑھی ہوئی ہے، زمزم کو ان کا بڑا تعاون حاصل رہا ہے، ایک دفعہ زمزم جب سخت مالی بحران میں گھر گیا تو انھیں کی توجہ سے اس پر قابو پا یا گیا۔ اللّٰھم زدہ علما وبرکۃ فی عمرہ وانفع بہ المسلمین۔

عزیز گرامی قاری محمد یوسف بھولا سلمہٗ امریکہ

عزیزم قاری محمد یوسف بھولا سلمہٗ بھی میرے بہت ہی عزیز شاگرد ہیں، ماشاءاللہ اچھے قاری ہیں، نعت خواں بھی بہت اچھے ہیں، میرے ساتھ بہت ہی اکرام واحترام اور محبت کا معاملہ فرماتے ہیں، عرصہ دراز سے امریکہ کے باشندہ ہو چکے ہیں، اور ان کا اپنا وہاں ایک حلقہ ہے، ایک مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اچھے مقرر ہیں تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق ہے، ہندوستان کے مشاہیر علماء سے ان کے مراسم ہیں، حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بھی گہرا تعلق ہے، طبیعت میں مزاح بہت ہے، ان کے پاس بیٹھ کر اٹھنے کو جی نہیں چاہتا، چٹکلے اور طرح طرح کے لطیفے ان کے پاس بہت ہیں، بہت دنوں کے بعد اس سال ان سے ڈابھیل میں ملاقات ہوئی تھی، ان کی شرافت، مروت اور خاکساری سے میں بہت متاثر ہوا، زمزم کی مدد کرنے میں پیش پیش رہے، ان کے تعاون سے زمزم نے اپنی مشکلات پر قابو پایا اور ادارہ کی بعض کتابیں چھپ سکیں۔ وقاہ اللّٰہ الشرور والفتن ونجاہ من کل محن وبارک فی حیاتہ واکتب لہ الخیر یا ارحم الراحمین۔

زمزم کے ہندو پاک اور سعودی عرب، برطانیہ میں اور بھی بہت سے قدرداں ہیں جن کا نام لینا بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے مناسب نہیں۔ دعا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ سب کے ساتھ بھلائی کا معاملہ فرمائے، اور ان کو ہر طرح کی آزمائشوں سے بچا دے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ کسی آدمی کے گھر میں گھر کے سوراخ سے دیکھے الایہ کہ وہ اس کی اس سے اجازت لے لے، اگر اس نے اس کے گھر میں سوراخ سے دیکھا تو گویا وہ بلا اجازت اسکے گھر میں گھس گیا۔

اور آپ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی قوم کی امامت کرے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ ان کو چھوڑ کر صرف اپنے لئے دعا کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو ان لوگوں کے ساتھ اس نے خیانت کی۔

اور آپؐ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس حال میں نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے کہ وہ پیشاب یا پیخانہ کو دبائے ہوئے ہو، پہلے اس سے فارغ ہو پھر نماز ادا کرے۔

(ابن ماجہ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے تین ہدایتیں ہیں۔

(۱) پہلی یہ ہے کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں باہر سے جھانکنا یہ حرام کام ہے، گھر میں عورتیں اپنے بدن کے چھپانے کا لحاظ کم رکھتی ہیں، تو اس کا امکان قوی رہتا ہے کہ جھانکنے والے کی نگاہ ان کے بدن کے اس حصہ پڑے جس کا دیکھنا اس کیلئے جائز نہیں ہے

نیز کبھی عورت گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی اس حالت میں میاں بیوی پر نظر پڑے جب دونوں ایک ساتھ ہوں، تو گھر کے اندر اس حال میں جھانکنا کتنی بری بات ہوگی۔

(۲) اس حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ہدایت یہ ہے کہ مصلیوں کے امام کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ نماز بعد جب وہ دعا کرے تو صرف اپنے لئے دعا کرے لوگوں نے جب اس کو اپنا امام بنایا ہے تو دیانت و امانت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں تمام نماز پڑھنے والے کو شریک کرے، اگر وہ صرف اپنے لئے دعا کرتا ہے تو وہ اپنے نمازیوں کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔

(۳) تیسری ہدایت اس حدیث میں یہ ہے کہ اگر آدمی کو پیشاب پیخانہ کا تقاضا ہو تو اس حالت میں نماز نہ پڑھے، پہلے اس تقاضا کو پورا کرے پھر نماز ادا کرے، جب آدمی اس حالت میں ہوتا ہے کہ اسے پیشاب پیخانہ کا تقاضا ہو تو اس کا نفس پریشان رہتا ہے، نماز میں دھیان نہیں لگتا، طبیعت میں بے سکونی ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ امام صاحب جلد نماز ختم کریں، یا وہ اگر تنہا نماز پڑھتا ہے تو رکوع و سجود کی ادائیگی ٹھیک سے نہیں ہو پاتی، غرض پریشان خاطری اور بے سکونی کی حالت ہوتی ہے اس وجہ سے اسطرح کی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، نماز وہ عبادت ہے کہ اس کو پوری دلجمعی، پورے سکون قلب کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ کر کے پڑھنا چاہیئے، پیشاب پیخانہ کے تقاضا کے وقت نہ سکون حاصل ہوتا ہے اور نہ قلب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے پیشاب پیخانہ سے فارغ ہو کر سکون حاصل کرو پھر نماز پڑھو۔

(۴) حضرت طہفہ الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں پیٹ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح سے لیٹنا اللہ کو ناپسند ہے، اور ایک روایت ہے کہ یہ جہنمیوں کا لیٹنا ہے۔

(تاریخ فسوی ج ۲ ص ۲۷۵)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کی پوری دیکھ بھال کیا کرتے تھے، انکی ایک ایک حرکت پر آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہوتی، چھوٹی سے چھوٹی بات پر ان کو آپ تنبیہ فرماتے۔ پیٹ کے بل لیٹنا پسندیدہ طریقہ نہیں ہے اس وجہ سے آپؐ نے منع فرمایا، پیٹ کے بل لیٹنے میں جانوروں سے مشابہت ہے، پھر یہ عمل قوم لوط کے عمل کے مشابہ ہے جن پر اللہ کا ان کی گندی حرکتوں کی وجہ سے عذاب نازل ہوا تھا، نیز اس طرح کے لیٹنے سے پیٹ کی متعدد بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، معدہ کا عمل اس سے متاثر ہوتا ہے، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے لیٹنے پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔

قربان جائیے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر، آپ کی نگاہ کیسی کیسی باریک باتوں پر تھی۔

(۳) ابو داؤد شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اس لئے انسان کو ہر ہر جوڑ کا صدقہ ادا کرنا چاہئے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی کس کو طاقت ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مسجد میں کسی کی ناک کی گندگی دیکھی اور اس پر مٹی ڈالدی تو یہ بھی ایک صدقہ ہے، راستہ میں کوئی ٹھوکر لگنے والی یا زخمی کرنے والی چیز دیکھا اور اسکو راستہ سے ہٹادیا یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر تسبیح ایک صدقہ ہے، ہر تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنا ایک صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر کہنا) ایک صدقہ ہے، امر بالمعروف ایک صدقہ ہے، نہی عن المنکر ایک صدقہ ہے، اور اگر آدمی یہ سب نہ کرسکے تو چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنا سارے جوڑوں کی طرف سے صدقہ کے برابر ہوجائے گا۔

یہ جو نکہ جوڑوں سے انسان کے بدن کی بندش رہتی ہے، ہر جوڑ دوسرے جوڑ سے ملا ہوا ہوتا ہے اس طرح پورا بدن ایک دوسرے سے جکڑا ہوا ہوتا ہے جس سے انسان

چلنا پھرنا آسان رہتا ہے، اور کسی کام میں اسے کوئی رکاوٹ نہیں رہتی ہے، تو یہ ساڑھے جوڑ جن کی تعداد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تین سو ساٹھ ہے، اللہ کی ایک بڑی نعمت ہیں، اسلئے ہر جوڑ کا بطور خدا کی شکر گذاری کے آدمی کو صدقہ دینا ہے، صحابہ کرام نے سمجھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی صدقہ سے مراد مال کا صدقہ دینا ہے تو ان کو تعجب ہوا کہ روزانہ اتنا مال صدقہ کون دے سکتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ صدقہ صرف مال ہی کا نہیں ہوتا ہے بلکہ ہر بھلا کام اور اللہ کا ہر ذکر، ہر بھلی بات یہ سب صدقہ ہے، اور انکی ادائگی کوئی مشکل بات نہیں ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی سے کچھ نہ ہو سکے تو چاشت کی دو رکعت نماز ادا کرنے وہ ان تمام جوڑوں کی طرف سے صدقہ بن جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ چاشت کی نماز کا شریعت میں کتنا بڑا درجہ ہے اور اس کا کتنا بڑا ثواب ہے۔

ص۵۸ کا بقیہ:۔

تو پھر ابوالہثیم نے حضرت عقبہ سے اپنی وہی بات دہرائی کہ میں پولیس کو بلا کر ان کو پکڑوانا چاہتا ہوں، تو حضرت عقبہ نے پھر ان کو اس سے روکا اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرمارہے تھے کہ جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کے کسی عیب کی پردہ پوشی کی تو اس کا ثواب ایسا ملے گا جیسے اس نے زندہ دفن کی ہوئی کسی بچی کو قبر سے زندہ نکالا۔ (تاریخ فسوی ص ۲۹۱/ج ۲)

قارئین زمزم سے گذارش

جن قارئین کرام کو ان کے چندہ ختم ہونے کی اطلاع دی جاچکی ہے براہ کرم وہ اپنا چندہ بھیج دیں، جو ان کے ذمہ سال گذشتہ کی بقایا رقم ہے اس کو بھی روانہ کردیں، ورنہ ادارہ مجبور ہوگا کہ اس شمارہ کے بعد ان تمام لوگوں کے نام پرچہ بند کردیا جائے۔

نعیم الظفر نعمانی ندوی
بن مولانا محمد حنیف ملی مالیگاؤں

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

پیغمبر اسلام نبی آخرالزماں جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رحمت ہونے کیلئے صرف قرآن پاک کی یہ آیت ہی سب سے بڑی دلیل ہے، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے۔

"ہم نے آپ کو سارے عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے" ترجمۂ آیت مـ ۱

مزید براں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، لعنت بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں"

اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی رحمت تھے، دنیا میں آنے کے بعد بھی رحمت اور رہتی دنیا تک رحمت رہیں گے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اخلاق واوصاف، عبادت و ریاضت، شریعت وطریقت، عدل وانصاف، تعلیم وتعلم، امانت ودیانت، خلوص وسچائی، تقویٰ وطہارت، بندگی وتعبدیت غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک چیز رحمت ہی رحمت تھی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتِ گرامی میں بھی رحمت تھے اور دوسروں کے لئے بھی رحمت تھے، جب دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو ان میں آسان کو اختیار فرماتے، خود آپؐ کا ارشاد ہے۔ جب تم دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ تو ان میں جو آسان ہو اسے اختیار کرو۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے احادیث و واقعات پیش

خدمت ہیں، جنھیں ہمارے بزرگوں نے بطور رحمت پیش کیا ہے۔

انسانیت پر سب سے بڑی رحمت بحیثیت رسول: یہ تھی کہ ساری انسانیت اس وقت کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی میں اٹی پڑی تھی اور جہنم کے دہانے پر کھڑی تھی، مذہب کے معاملے میں عام رجحان بت پرستی کی طرف تھا۔ ارواح خبیثہ سے لیکر چاند سورج تک کی پرستش کی جاتی تھی اور ان کے ناموں پر انسانوں تک کی قربانی کیجاتی تھی۔ خود خانہ کعبہ جو دنیا میں اللہ کا پہلا گھر ہے، تین سو ساٹھ دیوی دیوتاؤں کا استھان بنا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ان پر نظر رحمت فرمائی اور جام وحدت سے سرشار کر کے انھیں " أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ " کا مژدۂ جانفزا سنایا۔ بالفاظ دیگر قبیلہ قریش کی ہاشمی شاخ سے ایک آفتاب رسالت و رحمت طلوع ہوا جس نے آن کی آن میں تاریخ انسانی کی رات کو دن میں بدل دیا۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ پیادہ پا طائف تشریف لے گئے وہاں ظالموں نے آپ کے پاؤں میں اتنے پتھر مارے کہ خون جوتوں میں جم گیا ؎

خوں سے کفشِ مبارک میں تلوے جمے
ایسی شانِ رسالت پہ لاکھوں سلام

زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو وہ کھڑا کر دیتے اور پھر پتھراؤ کرتے، عاجز آ کر آپ ایک مکان میں پناہ لیتے ہیں، بدمعاشوں کا مجمع وہاں بھی پہونچ جاتا ہے اور اتنا مارتا ہے کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ ساتھ تھے افاقہ ہونے پر زبان رحمت پر یہ الفاظ تھے۔ " اے اللہ تو میری قوم کو ہدایت سے نواز دے یہ مجھے نہیں جانتے، میں ان کیلئے بددعا کیوں کروں اگر یہ ایمان نہیں لائے تو کیا ہوا ان کی آئندہ نسلیں انشاء اللہ خدائے واحد کی عبادت کرنے والی ہوں گی ؎

لہو کی چھینٹوں سے چہرہ گلاب ہے اس کا ۔۔۔ یہ میرا ظرف ہے قاتل کو بھی دعا دینا

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایمان لانے سے پہلے بارگاہ رسالت میں گرفتار کرکے پیش کئے گئے، ان کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی، وہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش بھی کرچکے تھے، درحقیقت ان کی ہر شرارت ان کے قتل کی دعویدار تھی، مگر عفو محمدی صلے اللہ علیہ وسلم جذبۂ انتقام پر غالب آیا آپ نے انھیں معاف کردیا، رحمت ورأفت کے اس سلوک کا ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر ایسا اثر پڑا کہ انھوں نے وہیں اسلام قبول کرلیا، فتح مکہ کے موقع پر تمام رؤسائے قریش مجرم کے کٹھرے میں کھڑے ہیں یہ وہی تھے جن کی گردنوں پر سیکڑوں مسلمانوں کا خون تھا، جنھوں نے سینکڑوں مسلمانوں کو سخت سے سخت اذیتیں پہونچائی تھیں اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا، بارہا مدینہ پر حملہ کیا تھا، غرضیکہ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو برباد کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور جو ارشاد فرمایا ان میں یہ جملے بھی تھے ۔ تمام مفاخر، تمام انتقامات، تمام خوں بہا میرے پاؤں کے نیچے ہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو اور تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں ہے ؎

برائی کا بدلہ برائی نہیں ہے
شرافت تو یہ ہے کہ بھلائی کرو تم

ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک بدوی آیا اتفاق سے اسے پیشاب کی حاجت ہوئی تو وہ وہیں مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دیکھ کر چاروں طرف سے اسے ڈانٹنا شروع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اور فرمایا کہ تم سختی کیلئے نہیں بلکہ نرمی کے لئے بھیجے گئے ہو، اس کے بعد اس بدوی کو سمجھایا کہ یہ مساجد عبادت کے گھر ہیں، یہاں نماز پڑھی جاتی ہے، یہ پیشاب پاخانہ کی جگہ نہیں ہے اور لوگوں سے فرمایا کہ اس پر پانی بہادو ۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش کے پروردہ تھے

ان کے بیان میں یہ بھی ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصّہ نہیں آیا نہ کسی سے انتقام لیا۔ (مسلم)

امام غزالی رحمہ اللہ کیمیائے سعادت میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیک مزاج، نرم خو، کشادہ دل، اور خندہ جبیں تھے"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "کنبہ اور خاندان والوں اور خادموں پر بہت مہربان تھے، زبان مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہیں آئی، کسی پر لعنت نہیں کرتے تھے، دوسروں کی ایذا رسانی پر صبر فرماتے تھے، کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر بہت توجہ فرماتے تھے"

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو خادم خاص تھے کہتے ہیں کہ میں نے دس برس تک آپ کی خدمت کی مگر آپؐ نے کبھی کسی معاملہ میں باز پرس نہیں فرمائی"۔ رحمت ورأفت کی صفت اتنی غالب تھی کہ سزا دینے میں آپ انتہائی احتیاط برتتے تھے اور جہاں تک گنجائش ہوتی درگذر کرنا چاہتے تھے۔

ایک صاحب نے آکر اقرار کیا کہ وہ زنا کے مرتکب ہو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا، وہ گھوم کر دوسری طرف حاضر ہوئے آپ نے پھر رخ موڑ لیا جب کئی بار ایسا ہی ہوا تو آپؐ نے پوچھا۔ تمہیں جنون تو نہیں ہو گیا ہے؟ انھوں نے کہا: جی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تمہاری شادی ہو چکی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم نے شاید صرف ہاتھ لگایا ہوگا، انھوں نے کہا جی نہیں، مجامعت کی ہے۔ ان ساری وضاحتوں کے بعد ناچار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سنگسار کئے جائیں۔

دیکھئے شانِ رحمت کس طرح چاہتی ہے کہ مجرم کی سزا میں تخفیف ہو جائے مگر تعزیراتِ اسلام کو نافذ ہی کرنا پڑا، مہر و الطاف سے دشمن اسی طرح فیضیاب

ہوتے تھے جیسے کہ دوست مکہ والوں کی دشمنی کے باعث ایک بار حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے نجد سے مکہ غلہ جانا روک دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو فوراً حکم دیا کہ غلہ نہ روکا جائے۔

اپنے جانی دشمن غوث بن الحراث پر قابو پانے کے باوجود معاف کر دیتے ہیں، جنگ کے میدان میں انسانی جانوں کے ساتھ رحمت و شفقت کے ایسے درخشندہ اصول چھوڑے ہیں اور ایسی اصلاحیں جاری فرمائیں کہ سفاکی، بے دردی اور درندگی کی جگہ عدل و رحم کے جذبات میدانِ جنگ کے بھی اوصاف بن گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں ضعیفوں، عورتوں، بچوں، ملازموں اور غلاموں کے قتل کرنے کی قطعی ممانعت کر دی تھی۔

مسلمانوں کو سب سے پہلے جنگِ بدر میں قیدی ہاتھ آئے، یہ لوگ اہل مکہ تھے اور ان کی اسلام دشمنی ظاہر تھی، ان میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے اپنے ہاتھ اور زبان سے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اکثر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف قسم کی اذیتیں پہنچائی تھیں، چنانچہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے مناسب جانا کہ ان کے معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کر لیا جائے، صحابہ میں رائے کا اختلاف ہوا، ایک گروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہم خیال تھا جن کی رائے تھی کہ قیدیوں کو جرمانہ لیکر آزاد کر دیا جائے، دوسرا گروہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس تجویز سے متفق تھا کہ کل قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور ان سے پورا پورا قصاص لیا جائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے چونکہ نرمی پر مبنی تھی اسلئے رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو وہی پسند آئی، آپؐ نے حکم دیا کہ قیدیوں میں سے جو جرمانہ ادا کر دیں وہ رہا کر دیئے جائیں اور جو مقدرت نہ رکھتے ہوں انھیں مدینہ لے چلا جائے۔

اسیرانِ جنگ پر ظلم کے پہاڑ توڑنا اس زمانہ کی تمام فوجوں میں ایک معمولی بات تھی اور آج بھی ہے، عرب بھی اس میں کسی سے پیچھے نہ تھے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے ان کی بابت تاکید کی کہ عزت وعافیت کے ساتھ رکھے جائیں، ان کو کھانے پینے اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

غزوۂ حنین میں غالباً چھ ہزار اسیر مسلمانوں کے قبضے میں آئے تھے، آپؐ نے ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا اور ان کو پہننے کے لئے چھ ہزار جوڑے عنایت فرمائے۔

ع کیا رحمت ورأفت ہے سرکار دوعالم کی

رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے لئے رحمت نہ تھے بلکہ جن وانس شمس وقمر، شجر وحجر، بر وبحر، حیوانات وجمادات، زمین وآسمان اور دنیا وآخرت کی ہر ہر شئے پر آپ کی رحمت محیط تھی۔

عرب کی جاہل قومیں جانوروں کے حق میں بلا کی بے درد تھی، زندہ اونٹ کی پیٹھ پر سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیا کرتے تھے، جانوروں کو کھڑا کر کے تیراندازی کی مشق کرتے تھے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے ان باتوں کو حرام قرار دیا۔

ایک دفعہ ایک اونٹ نظر سے گذرا جو بھوک سے بہت لاغر ہو گیا تھا، آپؐ کی ذات رحمت نے دیکھ کر تکلیف محسوس کی اور فرمایا "ان بے زبان جانوروں کی بابت خدا سے ڈرو" اسی طرح ایک گدھے کو دیکھ کر جس کا چہرا داغا گیا تھا، زبانِ مبارک سے بطور رحم یہ الفاظ نکلے۔ "جس نے اسے داغاہے اس پر خدا کی لعنت ہو" (مقالاتِ سیرت) ڈاکٹر محمد آصف قدوائی)

دیکھئے ایک جانور کی تکلیف کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح تڑپ اٹھتے ہیں ذرا ان ارشادات پر عمیق نظر ڈالیں جو بطور ہمدردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوئے ہیں تو ان میں ہمیں رحمت وشفقت کے پہلو نظر آئیں گے۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

۔ جو کوئی اپنے غلام پر تہمت لگائے جب کہ وہ بے گناہ ہو تو قیامت کے روز اس کی پیٹھ پر کوڑے پڑیں گے ،، یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت ہی ہے کہ جو غیبت و بہتان سے روک رہی ہے تاکہ ایک امتی سزا سے بچ جائے ۔

۲ ۔ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم بھی نہیں کیا جاتا ۔

۳ ۔ بہترین توشہ تقویٰ ہے ، شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے ۔

۴ ۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ۔

۵ ۔ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی غیبت نہ کرے ۔

۶ ۔ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا ۔

۷ ۔ اپنے زرومال کی زکوٰۃ نہایت خوشی کے ساتھ دیا کرو

۸ ۔ تم اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے) اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو اس میں مبتلا کر دے ۔

۹ ۔ تم میں کوئی سوراخ یا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے ۔

۱۰ ۔ رات میں (اپنے) چراغ بجھا دیا کرو ۔

اس طرح کے بیشمار چھوٹے چھوٹے جملے ہیں جن سے رحمت ہی رحمت جھلکتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ زبان رسالت سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ سے صادر ہونے والے افعال تمام کے تمام امت کے حق میں بالخصوص اور ساری کائنات کے حق میں بالعموم رحمت ہی رحمت ہیں تو بیجا نہیں ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بَر لانے والا

تاج الدین اشعر رام نگری

گستاخی معاف

راقم الحروف کو مسلم مذہبی جماعتوں کے مابین گروہی جنگوں اور عقائدی اور فقہی موشگافیوں کو نے کر ٹکراؤ سے کبھی دلچسپی نہیں رہی بلکہ انھیں وحشت اور افسوس کی نظر سے دیکھتا رہا۔ اور یہ بھی خیال آتا ہے کہ کاش ہماری یہی توانائی عام ملت اسلامیہ کی فلاح و تعمیر کی کوششوں میں صرف ہوتی، کاش ہم ایک دوسرے میں کیڑے نکالنے کی جگہ اس بات پر نظر کرتے کہ ہم سب کا مشترکہ دین حق آج دنیا میں باطل اور معاند طاقتوں کے چوطرفہ حملوں کا کس طرح نشانہ بنا ہوا ہے، کیسی غربت، بیکسی اور کسمپرسی کا شکار ہے، یہاں غربت کا لفظ اجنبیت اور بیگانگی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، میرا اشارہ اس حدیث پاک کی طرف ہے کہ اسلام ابتدا میں بھی اجنبی تھا اور مستقبل میں پھر اجنبی ہو جائے گا۔ آج بیگانے ہی نہیں اپنے بھی حقیقی اسلام سے عملاً اجنبیت کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں، چند ظاہری رسم و رواج ہی کو اسلام کا نام دے دیا گیا ہے، سنت نبوی کا درجہ بدعتوں کو حاصل ہے، سچ پوچھیے تو ہر مذہبی گروہ نے کچھ چیزوں کو اپنی شناخت بنا لیا ہے، اور سارا زور انھیں کے اثبات پر صرف کرتے ہیں، ایک گروہ میلاد، قیام، فاتحہ، ہر موقع پر صلوٰۃ و سلام کے التزام، علم غیب رسول، ندائے غائب مسجدوں میں مصافحہ بعد العصر، اور حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے پر اتنا مصر ہے کہ ان پر عمل نہ کرنے والوں کو مسجدوں سے نکال دیتا ہے، قوالی، عرس، قبروں کے بوسہ چادر گاگریں اچھا

ہوا ہے، ایک دوسرا گروہ اس پہ مصر ہے کہ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر کے بغیر کسی نے نماز پڑھ لی تو نماز ہی نہ ہوگی، سیکڑوں برس سے ان کو لیکر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، سیکڑوں مناظرے ہو چکے، حق ناحق کا کوئی فیصلہ نہ ہوسکا، کوئی اپنے مسلک اور عمل سے بال برابر ہٹنے کو تیار نہیں ہوا، بلکہ عناد و عداوت کی تہیں اور دبیز ہوتی گئیں، تب قرآن مجید کی یہ آیت ذہن میں گونجتی ہے کہ کل حزب بما لدیھم فرحون ہر گروہ کے ہاتھ میں (کھلونے کی شکل میں) چند چیزیں ہیں جن کو لیکر وہ مگن ہیں۔ ہر ایک کو اپنی شناخت کی چیزوں میں اتنا انہماک اور شغف ہے کہ وہ یہ بھی دیکھنے سے قاصر ہے کہ فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین کے مسائل کا تعلق تو اس مسلمان سے ہے جو نمازی ہو، جب سے ہم ان مسئلوں کے برحق ہونے کی جنگ لڑ رہے ہیں تب سے بتدریج یہ امت اسلام کی اس مہتم بالشان عبادت اور ارکان اسلام میں اولین درجہ رکھنے والے فرض کو چھوڑتے چھوڑتے اس حال کو پہونچ چکی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کی کسی مجموعی آبادی کا پانچ فیصد بھی نمازی نہیں ہے تو شاید غلط نہ ہوگا، کتنی حیرت اور بوالعجبی کی بلکہ مجنونانہ صورت حال ہے کہ ہمیں امت مسلمہ کی دین سے اس دوری اور بیگانگی کا جو غم ہونا چاہئے وہ کسی گروہ کو نہیں ہے اور یہ بھی ہوش نہیں ہے کہ جب نمازہی باقی نہیں رہ گئی ہے تو ہم کیوں آمین رفع یدین فاتحہ خلف الامام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ہماری پہلی کوشش ان مسئلوں کو لے کر بحث و مناظرہ کرنے کی نہیں بلکہ مسلمانوں کو مسجدوں میں لانے کی ہونی چاہئے۔ جب مساجد مسلمانوں سے آباد ہو جائیں تب ان کو یہ بتایا جائے کہ نماز کا کون سا طریقہ صحیح ہے اور کون سا نہیں۔

ہم نے تحزّب اور گروہبندی کی مئے مردافگن کے نشے میں سرشار ہو کر چاہے ایک دوسرے سے جتنی دوری بنا رکھی ہو، اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہم کو عالمی پیمانے پر ایک ہی گروہ اور فرقہ سمجھتے ہیں، ایک ہی ملت سمجھ کر ہمارے مٹانے کی سازشیں اور منصوبے بناتے ہیں، ان کی فوجیں ایک ہی طیارے سے ہماری بستیوں پر بم گرا کر زندہ

انسانوں کو لاشوں کے ڈھیر میں بدلتی اور ہمارے آباد شہروں کو ویران کرتی ہیں، کیا ان شہروں میں مسلمانوں کے ہر عقیدے اور مذہبی گروہ کے مسلمان نہیں بستے؟ ہم ہلاک و تباہ ہو جاتے ہیں لیکن اپنی خانہ بندیاں اور ان کو لیکر آویزش کا رویہ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ فیاعتبرتاہ۔

ایک اور اعتبار سے غور کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے مذہبی ڈیرے، خیمے لاکھ الگ الگ ہوں اللہ رب العالمین ہفت افلاک کی بلندیوں سے ہم پر کس اعتبار سے نظر فرماتا ہے۔

ان ھذہٖ امتکم امۃ واحدۃ — بے شک یہ تمہاری امت ایک امت واحد
وانا ربکم فاعبدون۔ — ہے اور میں تم سب کا رب ہوں پس سب مل کر
(سورہ انبیاء پ۱۷ آیت ۹۲) — میری عبادت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہی امت قرار دیا ہے جس کی دعا بانی کعبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے کعبہ کی دیواریں اٹھاتے وقت مانگی تھی، اور جس کی تشکیل سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی کے آتشیں دور میں اور مدینہ آنے پر مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے تلواروں کی چھاؤں میں کی تھی، ہم وہی امت ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ، امتِ واحدہ، خیر امت، امت وسط وغیرہ کے شاندار خطابات سے نوازا۔ اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کے موقع پر قرآن کی اس آخری آیت میں فرمایا گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم — آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو
واتممت علیکم نعمتی ورضیت — مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تم
لکم الاسلام دیناً ط — سے اس حیثیت سے راضی ہو گیا کہ تم دین اسلام کو ماننے والے ہو۔

تو اللہ بھی ہم سب کو اپنے محبوب رسول اور آخری نبی کی امت کی حیثیت سے دنیا میں خدائی دین کی داعی امتوں میں سب سے آخری کڑی کی حیثیت سے دیکھتا ہے، اس

نے ہمیں قیامت تک کیلئے اسلام کی امانت سونپ کر اسے اپنے تمام بندوں تک پہونچانے کی ذمہ داری سونپی ہے، ہم اپنی اہمیت، مقام اور ذمہ داری سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں خیر امۃ اخرجت للناس فرمایا ہے یعنی تم دنیا کے تمام انسانوں (کو خدا پرستی کی سچی راہ کی طرف رہنمائی) کیلئے بھیجے گئے ہو، ہم اپنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی بلغوا عنی ولو آیۃ کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں، ہمیں دنیا کے سامنے محض قولی تبلیغ نہیں کرنی ہے، اسلام کا نمونہ بن کر عملی تبلیغ کرنی ہے۔

کہاں اتنی گراں بار ذمہ داریاں اور تمام عالم انسانیت کی ہدایت کا فریضہ لیکر بھیجی گئی امت کا مقام، اور کہاں آج کی ہماری یہ حالت زار کہ دنیا کو اسلام کا، توحید کا درس دینے کے بجائے آپس ہی میں چھوٹی چھوٹی فروعی باتوں کو لیکر دست و گریباں ہیں، یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے، لیکن میرا روئے سخن مسلم عوام سے کم اور محترم علمائے کرام کی طرف زیادہ ہے، جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے، کیا ہر گروہ کے علمائے کرام ان حقائق سے بے خبر ہیں۔

میں ان حضرات سے معذرت خواہ ہوں کہ اپنے درد دل کو کاغذ پر اتارنے کیلئے دل کے تقاضے کو رد نہ کر سکا، میرا ایمان ہے کہ کوئی مسلمان جو نماز بھی اخلاص کے ساتھ ادا کریگا روز محشر اسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے شرف قبولیت عطا فرمائے گا چاہے اس نے آمین آہستہ سے کہی ہو یا زور سے، ہاتھ سینے پر باندھا ہو یا ناف پر، ہاتھ اٹھائے ہوں یا نہ اٹھائے ہوں چاہے اس نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل کیا ہو یا امام شافعی، امام مالک اور امام حنبل رحمہم اللہ کے مسلک پر، یہاں تک کہ وہ نمازیں بھی قبول ہو جائیں گی جو ان ائمہ کرام کی عظمت کے منکرین براہ راست کسی حدیث رسول پر عمل کرتے ہوئے پڑھیں گے، اللہ کا دامن رحمت اتنا وسیع ہے جتنی اس کی کرسی، قدرت و حکومت جو آسمان و زمین پر حاوی ہے، ان میں سے کوئی بھی نماز صلوا کما رأیتمونی اصلی کی ہدایت نبوی کے خلاف نہیں ہے، پس ان جزئیات کو لے کر مناقشات کو موقوف کر کے اس بھولی بھٹکی امت کو دین کے قریب لانے کی فکر کیجئے، اس امت کا فرض صرف اتنے سے بھی ادا نہیں ہوگا، ساری انسانیت کو اسلام کی

راہ پر اور خدا کی توحید اور بندگی کے دائرے میں لانے کا کٹھن فریضہ بھی انجام دینا باقی ہے جس کی طرف ارباب تبلیغ کا بھی دھیان نہیں ہے، آپ اگر پوری امت کو ایک وحدت سمجھ کر اس کی ہدایت کی فکر نہیں کر سکتے تو خدارا اپنے اپنے گھر ہی کی فکر کیجئے، اپنے گروہ کی ذمہ داری سنبھال لیجئے، یہ ذمہ داری محض نذرانہ اور فیس لے کر جلسوں میں تقریریں کرنے سے ادا نہ ہو سکے گی، اس کیلئے وہ پیغمبرانہ سوز و گداز، فکر مندی اور دردمند دل درکار ہے جس کو دیکھ کر اللہ رب العزت کو اپنے محبوب نبیؐ سے فرمانا پڑا تھا کہ:

طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ ○ اور — اے نبی! ہم نے اسلئے آپ پر قرآن نہیں اتارا ہے کہ آپ امت کے غم میں مشقت میں پڑ جائیں

لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین ○ — آپ تو شاید اس غم میں اپنی جان ہلاک کر لیں گے کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔

اور خود نبی کریمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدُ وَاَخَوَاتُھَا — مجھے سورۂ ہود اور اس کی جیسی دیگر سورتوں نے بوڑھا کر دیا (جنمیں پیغمبروں اور انکی امتوں کا ذکر ہے)

میں سنیوں کی مسجدوں میں جب یہ دیکھ کر اداس ہوتا ہوں کہ چند بڑی عمر کے ادھیڑ اور بوڑھے ہی نماز ادا کر کے اسلام کا بوجھ سنبھالے ہوئے ہیں، نوجوان نسل غائب ہے اور سوچتا ہوں کہ کیا خدا کا دین نوجوانوں کیلئے نہیں آیا ہے، کیا اسلام اب صرف بوڑھوں کا دین رہ گیا ہے، کیا اسلام خود بوڑھا ہو گیا ہے، تو کبھی کبھی کسی اہلحدیث مسجد میں یہ امید لے کر چلا جاتا ہوں کہ یہ حضرات دین کے معاملے میں ہم سے زیادہ مستعد ہوں گے تو وہاں حالت اور بھی ابتر نظر آتی ہے، تو فکر ہوتی ہے کہ اس امت کو کیا ہو گیا ہے، جو حال عین کا ہے وہی حال بلکہ اس سے گئی گذری حالت غین کی ہے، کسی تیسرے گروہ کا جائزہ یہاں نظر انداز کرتا ہوں، جو بزبان خود اصلی سنی ہیں، ابتدائے اسلام میں اہلسنت والجماعت کی جو اصطلاح وضع ہوئی اس کے مطابق سب سنی ہیں کہ قرآن اور نبیؐ اور صحابہؓ کی سنت پر

چلنے کے مدعی ہیں۔

کس گروہ اور جماعت کا دین سے کتنا تعلق اور کیسا رشتہ ہے اس کا سب سے صحیح پیمانہ ان کی مساجد ہیں، ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کی زندگی میں نماز ہی نہیں ہے تو اس سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کی زندگی میں دین کے دوسرے شعائر و اعمال کتنے پائے جاتے ہوں گے، حیرت اس وقت ہوتی ہے جب اہلحدیث جماعت کے ایک سرکاری آرگن میں شائع شدہ مملکت سعودیہ کے مفتی کے فتاویٰ میں واضح طور پر کہا جاتا ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے، معلوم ہوا کہ برصغیر کے اہلحدیث علماء و مفتیوں کا بھی یہی فتویٰ ہے، اس فتویٰ کی بنیاد اس حدیث پاک پر ہے کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا، بے شک حدیث کے الفاظ کا یہی ترجمہ ہے، چونکہ اہلحدیث برادران حدیث رسول پر لفظاً و معناً عمل کے مدعی ہیں وہ اس حدیث کا سیدھے وہی مطلب لیتے ہیں جو ظاہری الفاظ سے مترشح ہوتا ہے، برخلاف احناف کے جو اس حدیث کی تاویل کر کے اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ نماز کی فرضیت کا منکر کافر ہے، لیکن محض ترک نماز سے وہ کافر نہ ہوگا، البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس کا یہ عمل کفر کے جیسا یا اس کے قریب ہے۔

ایک سعودی مستفتی نے پوچھا تھا کہ میرے والد نماز نہیں پڑھتے تھے، میری والدہ ان کو بڑی نصیحت کرتی تھیں اس کا بھی کوئی اثر ان پر نہ ہوا وہ انتقال کر چکے ہیں، کیا میں ان کے لئے دعائے مغفرت کر سکتا ہوں یا اور کوئی نیک عمل ان کی نجات و بخشش کے لئے کر سکتا ہوں، سعودی مفتی نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ تمہارے والد عملاً ترک نماز کے سبب کافر مرے، اور کافر و مشرک کے لئے استغفار سے قرآن میں ممانعت آئی ہے، لہذا استغفار کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس پر میں نے اخبار قومی مورچہ بنارس میں۔ بنارس کے سلفی طبقے سے ایک سوال۔ کے عنوان سے ایک اداریہ لکھ کر عرض کیا تھا کہ فتویٰ کے معنی دین کے حکم اور فیصلہ کے ہوتے ہیں، فتویٰ اسلئے پوچھا جاتا ہے اور اسلئے دیا جاتا ہے کہ اس کا نفاذ ہو، اگر مکہ سے لیکر دہلی اور بنارس تک کے سلفی علماء

کا وہی قطعی اور سوچا سمجھا فیصلہ ہے جو اس سعودی فتویٰ میں ہے تو پوری امت کو چھوڑ دیجئے
کیا اہلحدیث فرقہ کا اس پر ایک فیصد بھی عمل ہے ؟ اور عمل نہیں ہے تو کیوں ؟ کیا اپنے
فرقہ کے متعمداً تارکین صلوٰۃ کو سچ مچ آپ کافر مانتے ہیں ، اور کیا ان کے ساتھ آپ کا وہی
عمل ہے جو کافر کے ساتھ ہونا چاہیئے ؟ کیا آپ اپنی بیٹی کا رشتہ جب بے نمازی نوجوان
کے ساتھ لگاتے ہیں تو یہ شادی کافر کے ساتھ ہوتی ہے یا مسلمان کے ساتھ ؟ یہ ایک موٹا
سا سوال ذہن میں آیا جو میں نے پورے طبقے سے بالاعلان کیا ، اس کا کسی نے مثبت یا منفی
کوئی جواب نہیں دیا ، حقیقت یہ ہے کہ بے نمازیوں کی ایک بہت بڑی تعداد اہلحدیث
میں بھی پائی جاتی ہے ——— تو صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اس معاملے
میں عملاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو مان لیا چاہے زبان سے اعتراف
نہ کریں ۔ لہذا آپ کو بھی ایمانداری سے امام اعظمؒ کا مشکور ہونا چاہیئے جن کے
بے مثال تفقہ نے سینیوں ہی کو نہیں پوری اہلحدیث امت کو بھی کافر ہونے سے بچا لیا ،
میرا یہ اداریہ کم و بیش دس سال قبل شائع ہوا تھا ، وہ اس وقت سے لے کر اب تک
محتاج جواب ہے ۔"

ص ۴۴ کا بقیہ :۔

(۱۳) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام آمین کہتا ہے تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور
جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہوتا ہے اس کے گناہ معاف کر دیئے
جاتے ہیں ، اور آمین کہنے میں فرشتوں سے موافقت سراً کہنے میں ہوتی ہے نہ کہ جہراً کہنے میں ۔
ان امور کے پیش نظر سراً آمین کہنا ہی اولیٰ اور افضل ہوگا ، ہاں آمین میں بوقت
مصلحت و ضرورت جہر کی بھی اجازت ہے اور جن روایتوں کو غیر مقلدین آمین کو جہراً کہنے
کیلئے پیش کرتے ہیں اگر ان کو کسی درجہ میں صحیح بھی مان لیا جائے تو ان کا محمل یہی مواقع ہیں ۔

نورالدین نوراللہ الاعظمی

آمین کا مسئلہ
کتاب و سنت اور عقل کی روشنی میں

غیر مقلدین اور منکرین سنت کے مابین بہت سی وجوہ اشتراک ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ منکرین سنت کہتے ہیں کہ ہم سنت کو نہیں مانتے، ہمارے لئے قرآن کافی ہے، اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جو چیز سنت میں آگئی ہے تو اب قرآن کی کیا ضرورت ہے، البتہ دونوں فریق میں فرق یہ ہے کہ منکرین سنت تو سنت کا انکار ببانگ دہل کرتے ہیں، لیکن غیر مقلدین قرآن کا انکار عملاً کرتے ہیں، زبان سے نہیں، منکرین سنت کے نزدیک قرآن اصل ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک قرآن کے مقابلہ میں سنت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

منکرین سنت کا، سنت کا منکر ہونا تو ایک طے شدہ بات ہے، البتہ غیر مقلدین چونکہ نفاق سے کام لیتے ہیں اس وجہ سے ان کا مذہب و عقیدہ سمجھنے کیلئے ان کے عمل کا جائزہ لینا پڑے گا۔

غیر مقلدین کے قرآن سے عملاً انحراف کی چند مثالیں عرض کروں گا۔

(۱) قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں خدا کا یہ حکم ناطق ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو۔ ارشاد باری ہے۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون۔	یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر خدا کی رحمت ہو۔

امام احمد بن تیمیہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے سلسلہ کی ہے،[1] جس کا صاف مطلب ہے کہ مقتدی کو نماز میں خاموش رہ کر امام کی قرأت کو سننا چاہیے، مگر غیر مقلدین کا عمل یہ ہے کہ وہ اس آیت کو مانتے نہیں اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

(۲) قرآن کا واضح ارشاد ہے۔

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان۔ — طلاق (جس کے بعد رجعت ہو) دو مرتبہ ہے پھر چاہے تو بیوی کو روک لے اور چاہے اچھے طریقہ پر چھوڑ دے۔

پھر فرمایا گیا۔

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ — یعنی اگر (دو طلاق کے بعد) بیوی کو تیسری طلاق دے تو بیوی بلا دوسرے شوہر سے نکاح کئے ہوئے پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دے گا خواہ مجموعاً خواہ متفرقاً اس کی طلاق پڑجائے گی اور عورت اس کے لئے حرام ہوجائے گی، اور قرآن کے اس حکم کو سوائے چند لوگوں کے تمام امت نے تسلیم کیا مگر غیر مقلدین ان کے ساتھ ہوگئے جو قرآن کے اس حکم کے منکر ہیں یا اس کی بعید از فہم تاویل کرتے ہیں۔

(۳) قرآن کا واضح حکم ہے :

---

(۱) ابن تیمیہ فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ وذکر احمد بن حنبل الاجماع علی انھا نزلت فی ذلك. (فتاویٰ ص ۲۶۹ ج ۲۳) یعنی امام احمد فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں ہے —— نیز ابن تیمیہ فرماتے ہیں : وقد استفاض من السلف انھا نزلت فی القراءۃ فی الصلوٰۃ۔ (ایضاً) یعنی سلف سے یہ بات بطور شہرت کے منقول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرآن پڑھنے کے بارے میں اُتری ہے۔

واتبع سبیل من اناب الی

اس آیت سے صراحۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے فرماں برداروں کی اتباع کیجائیگی[1] اوران کا راستہ اختیار کیا جائے گا، خواہ وہ اللہ والا ایک ہو یا چند ہوں، اس آیت سے تقلید ائمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ منیبین کی جو فہرست تیار ہوگی اس میں ائمہ اربعہ کا مقام اعلیٰ ترین ہوگا۔ مگر غیر مقلدوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید واتباع کا صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس کو شرک تک کہا، اور اس طرح عملاً وعقیدۃً انھوں نے قرآن کے اس حکم کو ٹھکرادیا۔

قرآن کا ارشاد ہے۔

الفتنۃ اشد من القتل

جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ فتنہ کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر کا اختیار کرنا واجب ہے، اور فتنوں میں سے بہت بڑا فتنہ یہ بھی ہے کہ انسان دین سے گمراہ ہوجائے، خواہشات کا بندہ بن کر اپنی من چاہی زندگی گذارے، خدا کے جس حکم کو جب چاہے ٹھکرادے اور جس کو جب چاہے لے لے، کتاب وسنت کو اپنی خواہش کا پابند بنالے اور ان کی تشریحات اپنے علم وعقل کے بل بوتے پر کرنے لگے، یہ بہت بڑا دینی فتنہ ہے جو پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے اور ہر زمانہ میں رہے گا۔

اور اسی فتنہ کے سدباب کے لئے امت کے ارباب حل وعقد نے جب یہ فتنہ بہت سر اٹھانے لگا تھا تو تقلید ائمہ کو واجب قرار دیا، بلکہ مزید اس فتنہ کی جڑ اکھاڑ دینے کے لئے

---

(۱) اتباع اور تقلید دونوں کا مفہوم ایک ہے، یعنی کسی کے علم وفضل پر اعتماد کر کے اس کی بات کو اختیار کرلیا جائے، جس طرح کسی کی اتباع کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اس سے ہر ہر بات کیلئے دلیل طلب کی جائے، اسی طرح تقلید کا بھی یہی مفہوم ہے کہ بلا طلب دلیل جس کے علم وفضل وورع وتقویٰ پر اعتماد ہو اس کی بات قبول کرلی جائے ۔

ایک ہی امام کی تقلید کو واجب قرار دیا، اور ساری امت نے اس فیصلہ کو قبول کر لیا، مگر غیر مقلدوں نے کہا کہ ہمیں امت کے سواد اعظم کا یہ فیصلہ خواہ قرآن کی روشنی ہی میں کیوں نہ ہو تسلیم نہیں۔

کچھ اسی قسم کا رویہ غیر مقلدین نے "آمین" والے مسئلہ کے بارے میں اختیار کیا ہے۔

"آمین" دعا ہے البخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ آمین دعا ہے۔ (قال عطاء آمین دعاء بخاری) آمین کے معنی ہے۔ یا اللہ ہماری دعا قبول فرمائیے، قرآن میں بھی آمین کو دعا کہا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے، آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام ان کے ساتھ آمین کہہ رہے تھے، ان کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا۔

قال قد اجیبت دعوتکما ۔ یعنی اللہ نے کہا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی

قرآن نے حضرت ہارون کے آمین کہنے کو دعا ہی سے تعبیر کیا، اور امت کا سواد اعظم آمین کو دعا ہی کہتا ہے، اور دعا کے سلسلے میں جو قرآن کی تعلیم اور ہدایت ہے وہ یہ ہے۔

ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ یعنی تم اپنے پروردگار کو عاجزی اور چپکے سے پکارو

اس کا کھلا مطلب ہے کہ دعاؤں میں اصل یہی ہے کہ وہ بلند آواز سے نہ ہو آہستہ سے ہو (کسی وقتی ضرورت یا مصلحت کے تحت بلند آواز سے دعا کرنے کی بات الگ ہے) اور چونکہ آمین دعا ہی ہے اس وجہ سے اس میں بھی قرآن کے اس ناطق اور منصوص حکم کی روشنی میں اصل یہی ہوگی کہ آمین کو آہستہ کہا جائے (۱)

لیکن غیر مقلدوں نے قرآن کے اس حکم پر دھیان نہیں دیا نہ اسے قابل عمل جانا اور قرآنی احکام سے انحراف کی جو انکی قدیم روش ہے اس پر یہاں بھی قائم رہے اور کہا تو یہی کہا کہ ہم تو آمین زور ہی سے کہیں گے، اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ آمین زور سے کہو،

---

(۱) البتہ تعلیم و تعلم کی غرض سے یا اس وجہ سے کہ لوگ آمین کہنے کو بدعت قرار دیں یا زور سے کہنے کو جائز ہی نہ سمجھیں تو زور سے آمین کہنا اس اصل کے خلاف نہیں قرار پائے گا۔

سنت یہی طریقہ ہے ۔

اور جب ان سے کہا گیا کہ صرف ایک حدیث صحیح پیش کرو جس میں آنحضورؐ کا یہ ارشاد موجود ہو کہ امام و مقتدی آمین جہراً و با آواز بلند کہیں تو یہ لگے دائیں بائیں جھانکنے اور آنحضورؐ کا یہ حکم کسی صحیح سے تو کیا ضعیف حدیث سے بھی نہیں دکھا سکے ، اس تہی دامنی کے باوجود حوصلہ وہمت یہی ہے کہ وہ قرآن کی بات نہیں مانیں گے جس میں خدا کا یہ حکم موجود ہے کہ ۔ اللہ سے دعا تضرع واخفا سے کرو ۔

اور لطف تو یہ ہے کہ جن احادیث سے آمین بالجہر پر وہ استدلال کرتے ہیں اس میں بھی نہ عقل کو کام میں لائے اور نہ صحیح نقل ہی پیش کر سکے بلکہ ہوا یہ کہ اپنے اصول موضوعہ ومقررہ کی بھی انھوں نے نفی کر دی ، آئیے ذرا ان کے دلائل کا جائزہ لیں ۔

غیر مقلدین آمین بالجہر پر حضرت ابوہریرہ کی ایک اس روایت سے استدلال کرتے ہیں ۔

عن ابی هریرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من قرأة ام القرآن رفع صوته وقال آمین ۔	یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز بلند کرتے اور آمین کہتے ۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن عثمان ہے ، اور جس سے وہ اس کو روایت کرتا ہے اس کا نام اسحاق زبیدی ہے ، اور استاذ و شاگرد دونوں ہی ضعیف و متکلم فیہ مجروح ہیں ، یحییٰ بن عثمان کے بارے میں ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی روایتیں منکر بھی ہوتی ہیں اور اس کے استاذ کے بارے میں ابوداؤد فرماتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں ہے ، نسائی فرماتے ہیں وہ ثقہ نہیں ہیں ، محمد بن عوف کہتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے ، نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے نہ اس روایت کو بخاری نے روایت کیا ہے اور نہ مسلم نے نہ ابوداؤد ، نہ ترمذی ، نسائی اور ابن ماجہ نے ۔ غرض صحاح ستہ میں اس روایت کا وجود ہی نہیں ، اور روایت ضعیف ہے

مگر اس ضعیف روایت کو جس کو اصحاب صحاح ستہ نے رد کر دیا ہے، غیر مقلدین چند محدثین کے اقوال کی بنیاد پر صحیح قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس کو قرآن کے حکم منصوص کے رد کرنے کی بنیاد بناتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ہی کی ایک دوسری حدیث ہے جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس سے بھی غیر مقلدین استدلال کرتے ہیں، وہ روایت یہ ہے۔

عن ابی هريرة قال: ترك الناس التامين وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين حتى يسمع اهل الصف الاول فيرتج به المسجد۔

یعنی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کو ترک کر دیا ہے حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتے تو آمین کہتے جس کو صف اول کے لوگ سن لیتے اور مسجد گونج جاتی۔

اولاً تو یہ حدیث بھی ضعیف ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی بشر بن رافع ہے جس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں، اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی، اور امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، اور امام الجرح والتعدیل ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ منکر حدیثیں روایت کرتا تھا، اور نسائی فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہے، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں وہ ضعیف ہے اور محدثین کے نزدیک وہ منکر الحدیث ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی حدیث قبول نہیں کی جائیگی، غرض یہ حدیث سند کے لحاظ سے بالکل ضعیف ہے۔

اس حدیث کا حال تو یہ ہے مگر غیر مقلدین اس سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

پھر اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین صرف صف اول کے لوگ سنتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ مسجد بھی گونج جاتی تھی، کیا غیر مقلدین غور فرمائیں گے

کہ یہ دونوں باتیں صحیح ہو سکتی ہیں؟ (۱)

پھر ذرا اس پر بھی آپ دھیان دیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی کچی تھی، دیواریں بھی کچی تھیں اور چھت بھی، چھت کھجور کی شاخیں ڈال کر بنائی گئی تھی۔ کیا اس شکل میں گونج والی کیفیت مسجد نبوی میں پیدا ہو سکتی تھی، کاش غیر مقلدین عقل سے بھی کام لیتے۔

اور پھر غیر مقلدین نے اس پر بھی قطعاً توجہ نہیں دی کہ یہ حدیث تو صراحۃً اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں اجماعاً آمین بالجہر نہیں کہی جاتی تھی، خود حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ ۔ ترك الناس التامين ۔ یعنی لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا ہے، اگر جہراً آمین کہنا ہی مسنون ہوتا تو لوگ وہ بھی صحابہ کرام نماز کی اس سنت کو بالاتفاق بقول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چھوڑ کیوں دیتے۔ کیا کسی مسلمان کی عقل یہ باور کر سکتی ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ثابت شدہ سنت کو صحابہ کرام اجماعی طور پر ترک کر دیں۔

غرض یہ حدیث جو غیر مقلدین کا اہم مستدل ہے نہ عقلاً لائق قبول ہے اور نہ نقلاً۔

مسند اسحاق بن راہویہ کی اس روایت سے بھی غیر مقلدین آمین بالجہر پر استدلال کرتے ہیں، حضرت ام حصین کی روایت ہے۔

انها صلت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قال ولا الضالين قال آمين فسمعته وهي في صف النساء	یعنی ام حصین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی تو جب آپ نے ولا الضالین کہا تو انھوں نے باوجودیکہ وہ عورتوں کی صف میں تھیں سنا کہ آپؐ نے آمین کہا۔

مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی ہے، عام طور پر محدثین اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے ہیں، امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے، امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے، ابن مدینی استاذ امام بخاری فرماتے

---

(۱) اگر غیر مقلدین یہ کہیں کہ آنحضورؐ کی آمین سن کر لوگ آمین کہتے تھے اس وجہ سے مسجد گونج جاتی تھی تو عرض یہ ہے کہ حدیث میں اس کا کہیں، دور دور نشان نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابوہریرہ اس کا ذکر ضرور کرتے۔

ہیں کہ وہ ایک حدیث کو تین تین طرح سے بیان کرتا تھا، یحییٰ ابن معین فرماتے تھے کہ وہ کوئی چیز نہیں ہے، علی ابن مدینی کا اس کے بارے میں یہ قول بھی ہے کہ اس کی حدیث لکھی نہیں جائیگی، سعدی فرماتے ہیں کہ وہ بہت کمزور ہے۔

جی ہاں جو روایت بہت کمزور متروک اور منکر الحدیث راوی کی سند سے ہے وہ بھی آمین بالجہر کے سلسلہ میں غیر مقلدین کا اہم مستدل ہے، اور تعجب تو یہ ہے کہ غیر مقلدین شاخ نازک پر آشیانہ قائم کرنے کے باوجود میدان میں اس دم خم سے کود پڑیں گے کہ دنیا انکی لن ترانیوں سے مرعوب ہو جائے۔

غیر مقلدین کا اس مسئلہ میں جو سب سے اہم مستدل ہے وہ ترمذی کی یہ روایت ہے جو بطریق سفیان ثوری ہے۔

عن وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین وقال آمین ومدبھا صوتہ۔

یعنی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آمین کہا اور اپنی آواز کو کھینچا۔

غیر مقلدین اس روایت کو آمین بالجہر کے سلسلہ میں صریح قرار دیتے ہیں، مگر کوئی غیر مقلد آپ کو یہ نہیں بتلائے گا کہ امام ترمذی نے انھیں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بطریق امام شعبہ ایک اور حدیث روایت کی ہے جس میں صراحۃً یہ لفظ موجود ہے " وخفض بھا صوتہ " یعنی آپ نے بلند آواز سے آمین نہیں کہا، حضرت وائل بن حجر کی وہ دوسری روایت یہ ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقال آمین وخفض بھا صوتہ۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا اور آمین کہا تو جہراً اور بلند آواز سے آمین نہیں کہا۔

حضرت وائل کی یہ دو روایتیں ہیں، امام ترمذی نے ان دونوں کو روایت کیا ہے

پہلی روایت حضرت امام سفیان ثوری کی ہے اور دوسری روایت امام شعبہ کی سند سے ہے، اور یہ دونوں محدث ایک مرتبہ کے اور ہم پلہ ہیں، امام سفیان ثوری کو بھی امیرالمومنین فی الحدیث کہا گیا ہے، اور امام شعبہ بھی امیرالمومنین فی الحدیث ہیں، امام سفیان ثوری کو سند کے حفظ کا بہت زیادہ اہتمام تھا اور امام شعبہ کی توجہ حدیث کے متن کو محفوظ رکھنے کی طرف زیادہ تھی، اور ظاہر بات ہے کہ یہ بات زیادہ اہم ہے کہ حدیث کا متن محفوظ رکھا جائے اس سے کہ حدیث کی سند کے حفظ کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اور بات ہے کہ ان دونوں ہی چیزوں پر حدیث کی حفاظت کا مدار ہے۔

اب ان دونوں حدیثوں کے بارے میں ایک طریقہ تو احناف کا ہے کہ انھوں نے کہا کہ یہ دونوں حدیثیں اگرچہ مختلف المعنی ہیں مگر دونوں صحیح ہیں اسلئے کہ خواہ امام سفیان ثوری ہوں خواہ امام شعبہ دونوں کی جلالت قدر اس کا تقاضا کرتی ہے کہ نہ سفیان ثوری کی روایت رد کریں اور نہ امام شعبہ کی، اور اسی بنا پر احناف نے ان دونوں روایت کو قبول کر لیا اور کہا کہ اگرچہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستمر عادت یہی تھی کہ آپ آمین آہستہ آواز سے کہتے تھے مگر کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تعلیم کی غرض سے بلند آواز سے بھی کہتے تھے، چنانچہ وائل بن حجر جو ملک یمن کے رہنے والے تھے اور آنحضورؐ کی خدمت میں ان کی حاضری کبھی کبھار ہوا کرتی تھی، انھوں نے کبھی آپ کو بلند آواز سے آمین کہتے سنا اور کبھی انھوں نے دیکھا کہ آپ نے بلند آواز سے آمین نہیں کہی، یہ تو اس شکل میں ہے جب کہ مد بہا صوتہ کا ترجمہ آواز بلند کرنا کیا جائے، لیکن اگر اس کا ترجمہ آمین کو قصر کے ساتھ ادا نہیں کیا بلکہ مد کے ساتھ ادا کیا ہو تو پھر تو دونوں حدیث میں کسی طرح کا تعارض باقی نہیں رہے گا، اور مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو آہستہ کہا اور بالمد اس کی ادائیگی فرمائی۔

احناف کے اس طریق پر نہ سفیان ثوری والی حدیث کا ترک لازم آتا ہے اور نہ امام شعبہ کی حدیث کو متروک کہنا پڑتا ہے، اور دونوں حدیثیں قابل عمل رہتی ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ کسی حدیث کو ترک کرنے سے احتراز کرتے تھے اور دو مختلف المعنی احادیث کے درمیان تطبیق دینے کو آپ زیادہ پسند فرماتے تھے، یہ حدیث کے بارے میں انتہائی درجہ تورع، تقویٰ اور احتیاط کی بات ہے۔

مگر غیر مقلدین نے اس معقول طریقہ کو چھوڑ کر اپنی ساری توانائی اس پر صرف کر دی کہ شعبہ والی حدیث کو غلط قرار دیں، اور اس غیر معقول رویہ کو اختیار کرنے پر بھی وہ احناف کو تارک حدیث کہہ کر مطعون کریں گے اور اپنے کو اہل حدیث کہیں گے ۔

اب رہی یہ بات کہ آپ کا کبھی کبھی جہراً آمین کہنا بغرض تعلیم تھا، اس کی دلیل کیا ہے تو وائل بن حجر ہی سے روایت ہے فرماتے ہیں ۔

رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین فرغ من الصلوٰۃ حتی رأیت خدہ من ھذا الجانب ومن ھذا الجانب وقرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقال آمین ۔ یمد بھا صوتہ ما أراہ الا لیعلمنا ۔ اخرجہ الحافظ ابوبشر الدولابی	میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد دیکھا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار کو دونوں جانب سے دیکھا، اور آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو اپنی آواز کو آمین کہکر کھینچا، اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا آمین کا مد کرنا ہماری تعلیم کے لیے تھا ۔

(فی کتاب الاسماء والکنی اعلاء السنن)

اگرچہ سنداً یہ روایت کمزور ہے مگر اس سے یہ شہادت حاصل کی جا سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آمین کو کھینچ کر کہنا بغرض تعلیم تھا، اس لئے کہ ہر ضعیف حدیث قابل رد نہیں ہوتی ہے، خود غیر مقلدین نے بہت سے مسائل میں اور خود اس مسئلہ میں ضعیف حدیثوں سے استدلال کیا ہے[1]

اور یہ بات میں ہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ غیر مقلدین کے مستند و معتبر ممدوح حافظ ابن قیم بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جہراً آمین کہنا بغرض تعلیم تھا، چنانچہ ابن قیم زاد المعاد میں قنوت النوازل کی بحث میں فرماتے ہیں ۔

---

(۱) اس کیلئے آپ میری کتاب " غیر مقلدین کیلئے لمحۂ فکریہ " دیکھیں ۔

فاذا جهر به الامام ليعلم به المامومين فلاباس بذالك فقد جهر عمر بالافتتاح ليعلم المامومين وجهر ابن عباس بقرأة الفاتحة فی صلاة الجنازة ليعلمهم انها سنة ومن هذا ايضا جهر الامام بالتامين ۔	یعنی اگر قنوت کو امام مقتدیوں کی تعلیم کیلئے جہراً پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ، اسلئے کہ مقتدیوں کی تعلیم کیلئے حضرت عمرؓ نے ثنا کو جہراً پڑھانا ، اور حضرت ابن عباس نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ جہراً پڑھا تھا تاکہ لوگوں کو بتلائیں کہ یہ سنت ہے ، اور اسی طرح امام کا آمین کو بھی جہراً کہنے کا مسئلہ ہے (کہ یہ بھی بغرض تعلیم اور یہ بتلانے کیلئے ہے کہ آمین بھی سنت ہے)

غرض اگر سفیان والی حدیث کو تعلیم پر محمول کر لیا جائے تو دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک کا ترک کرنا لازم نہیں آتا ہے ، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو ترک کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کو معمول بہ بنایا جائے ۔ پس اب مسئلہ یہ ہوگا کہ آمین میں اخفاء تو آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ تھی کہ آمین دعا ہے اور دعا میں قرآن کے حکم کے مطابق اخفا ہی اصل ہے مگر تعلیماً و بیانا للسنۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی آمین کو زور سے بھی کہا ہے ۔

مگر غیر مقلدین نے اس معقول راستہ کو چھوڑ کر امام شعبہ والی روایت کو غلط قرار دینے پر اپنے اصرار کو باقی رکھا ، اور صرف مد والی روایت ہی کو قبول کیا ، اور امام شعبہ پر مختلف وجوہ سے کلام کرکے ان کی حیثیت گھٹانے کا نیک کام انجام دیا ۔

غیر مقلدین جب شعبہ پر سفیان والی حدیث کو مقدم قرار دیتے ہیں اور اس کی وجوہ ترجیح ذکر کرتے ہیں تو دیانت وانصاف کا خون کرتے ہوئے وہ اصل بات چھپا جاتے ہیں ، اور وہ بات جو غیر مقلدین کی ساری دھماچوکڑی ختم کے لئے تنہا کافی ہے یہ ہے کہ وہ یہ نہیں بتلاتے کہ حضرت سفیان ثوری جنھوں نے آمین بالجہر والی حدیث روایت کی ہے خود ان کا مذہب کیا تھا ؟ کیا سفیان ثوری جہراً آمین کہتے تھے یا ان کا مذہب آمین کے اخفاء کا تھا ۔

تمام اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ حضرت سفیان ثوری اگرچہ مد والی حدیث کے راوی ہیں لیکن خود ان کا عمل اس روایت پر نہیں تھا، ان کا مذہب یہ تھا کہ آمین سراً کہی جائےگی نہ کہ جہراً، اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت مستمرہ تھی اور حضرت سفیان کے زمانہ میں عام طور پر لوگوں کا معمول یہی تھا اور جہراً آمین کہنے کو معمول بنانا ان کی تحقیق میں درست نہیں تھا۔

اب آپ از راہ عقل خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اگر جہراً آمین کہنا ہی اولیٰ اور افضل اور آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ ہوتی تو امام سفیان جو خود جہر والی روایت کے راوی ہیں اس پر عمل کیوں چھوڑتے؟ کیا حضرت سفیان کے بارے میں جو امیر المومنین فی الحدیث تھے اور زبردست فقیہ بھی تھے یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ جو چیز ان کے نزدیک ثابت ہو اس کو چھوڑ کر غیر افضل اور غیر اولیٰ کو اختیار کریں گے؟ اگر آدمی عقل سے کام لے اور صرف سندوں کی ادھیڑ بن میں نہ رہے تو تنہا یہی ایک بات کافی ہے کہ آمین میں اصل سنت اخفاء ہے، اور اس طرح شعبہ والی روایت کو امام سفیان والی روایت پر اگر سنداً تقدم بھی حاصل نہ ہو تو بھی معنی اسے تقدم حاصل ہوگا۔

اور پھر ذرا آپ اس پر بھی غور کریں کہ اگر آمین میں جہر ہی اصل ہوتا تو جو نماز دن میں پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے اور ہر نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے جس کے بعد آمین کہا جاتا ہے اس جہری آمین کے راوی صرف ایک صاحب ہیں جو یمن کے باشندہ تھے کسی اور صحابی سے جہر کی کوئی صحیح حدیث کیوں نہیں منقول ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں آمین کے جہراً کہنے کا باب ضرور باندھا ہے مگر وہ کسی ایسی حدیث کو نہیں پیش کر سکے جس سے کہ آمین کا جہراً کہنا صراحۃً ثابت ہو، وہ اپنی صحیح میں جو حدیث لائے ہیں وہ یہ ہے کہ "اذا امن الامام فامنوا" یعنی جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، ظاہر ہے کہ اس کو بذریعہ تاویل ہی جہر پر فٹ کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس حدیث میں نہ جہر کا لفظ نہ رفع کا لفظ نہ مد کا لفظ ہے جن سے آمین کا جہراً کہنا ثابت ہوتا ہے۔

بہرحال یہ بات بہت قابل توجہ ہے کہ سوائے وائل بن حجر کے کسی اور صحابی سے جہراً آمین کی کوئی صحیح وصریح روایت ثابت نہیں ہے، اگر آمین کا جہراً کہنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہوتا اور یہی اصل سنت ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ متعدد صحابہ سے اسے نقل نہ کیا جاتا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد سب سے زیادہ خیر و برکت کا زمانہ خلفاء راشدین کا زمانہ تھا مگر نہ خلفائے راشدین سے اور نہ ان کے زمانہ کے کسی اور صحابی سے جہراً آمین کہنا ثابت ہے۔

مگر اس پر بھی غیر مقلدین کا اصرار یہی ہے کہ آمین میں اصل جہر ہی ہے۔

غیر مقلدین حضرات کا ایک مستدل آمین کے جہراً کہنے کے سلسلہ میں یہ بھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر اپنے زمانہ میں نماز میں جہراً آمین کہتے تھے اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوتے وہ بھی زور سے آمین کہتے تھے۔

ہمیں غیر مقلدین کے بے اصولے پن پر حد درجہ تعجب ہوتا ہے، کبھی تو وہ اپنا اصول یہ بنائیں گے کہ در فعل صحابہ حجت نیست، کہ صحابہ کرام کے فعل سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ اور اسی بناپر وہ کبار صحابہ بلکہ خلفائے راشدین تک کے عمل کو بلکہ صحابہ کرام کے اجماع تک کو رد کر دیتے ہیں، اور جب کبھی گاڑی پھنستی ہے تو وہ صحابہ کے فعل سے حجت پکڑتے ہیں، آخر انکی یہ دورنگی پالیسی کیوں، کیا ان کا یہ اضطراب ان کے دلائل کی حقانیت سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے؟

پھر ان کو خلفائے راشدین کے زمانہ کا کوئی عمل ہاتھ نہیں آیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں پہونچ گئے، سوال یہ ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کسی کے عمل کے مقابلہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا عمل کیسے ترجیح پا سکتا ہے۔ (ناظرین ابھی معلوم کرلیں گے کہ کبار صحابہ وخلیفہ راشد حضرت عمر کا معمول آمین کے سلسلہ میں کیا تھا) اور پھر ہم احناف تو کہتے ہی آرہے ہیں کہ زور سے آمین کہنا نہ حرام ہے نہ بدعت بلکہ مصلحت کا تقاضا ہو تو کبھی ضروری ہوجاتا ہے مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ آمین زور ہی سے کہنا اولی

اور افضل اور آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت مستمرہ تھی۔

غیر مقلدین حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بطور دلیل پیش کرتے ہوئے غالباً یہ بھول جاتے ہیں یا تجاہل برتتے ہیں کہ ان کا آمین کو جہراً کہنا اس وجہ سے تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے آمین کہنا ہی ترک کر دیا تھا، اور اسکو بدعت سمجھنے لگے تھے اس لئے حضرت عبداللہ بن زبیر نے اس کو زور سے کہنا شروع کر دیا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آمین کہنا بدعت نہیں بلکہ سنت ہے، غیر مقلدین حضرت عبداللہ بن زبیر کے زور سے آمین کہنے کی جو اصل وجہ تھی اس کو ظاہر نہیں کرتے، کیا یہی اہلحدیث لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے!؟[1]

غیر مقلدین حضرات کا ایک مستدل حضرت عطا کا یہ قول بھی ہے، فرماتے ہیں کہ

ادرکت مأتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لھم رجۃ بآمین ـ (بیہقی)	عطا کا یہ قول بھی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد میں دو سو صحابہ کرام کو پایا جب امام ولا الضالین کہتا تو میں ان کی آمین کی گونج سنتا ـ

مگر یہ حضرت عطاء کی مرسل روایت ہے، اور مرسل روایت کا اعتبار غیر مقلدین نہیں کرتے، پھر یہ کہ محدثین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت عطا کی مرسل روایتیں

---

(۱) یہ تمام گفتگو تو اس روایت کو صحیح مان کر ہے لیکن فی الحقیقت یہ روایت جس سند سے مروی ہے وہ انتہائی کمزور ہے، امام بخاری نے اسکو بلا سند نقل کیا ہے، بلا سند قول کسی کا بھی معتبر نہیں ہے۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں اس کی سند ذکر کی ہے، جو انتہائی درجہ کمزور ہے، تعجب ہے کہ ایسی واہی تباہی سند والی روایت سے اہلحدیث نام کے لوگ استدلال کرتے ہیں، اور دوسروں سے صحیح سند کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

مرسل روایتوں میں سب سے زیادہ کمزور شمار کی گئی ہیں، حافظ سیوطی نے تدریب میں اس کی تصریح کی ہے، اور دوسری سب سے بڑی علت جو اس روایت کو ناقابلِ اعتبار بنادیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں حضرت عطار کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے یہ فرمایا کہ میں نے دو سو اصحاب رسول کو اس مسجد میں پایا، حالانکہ یہ بات قطعاً غلط اور خلاف واقعہ ہے، حضرت حسن بصری عطار سے عمر میں بڑے تھے، ان کی ملاقات صرف ایک سو بیس صحابہ سے ثابت ہے تو حضرت عطار کی ملاقات دو سو صحابہ سے کیسے ثابت ہوجائے گی۔؟

آمین بالجہر کے سلسلہ میں غیر مقلدین کے دلائل کا ہم نے یہ مختصر جائزہ لیا ہے، اور آپ نے دیکھا کہ کتاب وسنت اور علم وعقل درایت وفقہ کی کسوٹی پر غیر مقلدین کا مذہب بہت کمزور ثابت ہو رہا ہے اور جہراً آمین کو عادت مستمرہ بنالینے پر جن دلائل سے وہ استدلال کرتے ہیں وہ تحقیق کی نگاہ میں بہت کمزور اور ناقابلِ التفات ہیں۔

اس بحث کو مکمل کرنے کے لئے اب ہم ایک نگاہ احناف کے دلائل پر بھی ڈالیں گے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ احناف کا آمین کے سلسلہ میں معمول بہ مذہب یہ ہے کہ اگرچہ آمین جہراً کہنا بھی ضرورۃً ومصلحۃً جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ سراً آمین کہی جائے اور اسی کو عادت مستمرہ بنایا جائے، اور احناف کے دلائل اس سلسلہ میں درج ذیل ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ آمین دعا ہے، اور قرآن کا ارشاد جیسا کہ گذرا دعا کے بارے میں یہ ہے کہ وہ آہستہ کہی جائے۔

(۲) حدیث میں بھی دعا کا ادب یہی بتلایا گیا ہے کہ وہ چپکے چپکے ہو، حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے۔

قال رفع الناس اصواتھم	یعنی لوگوں نے بلند آواز سے دعا مانگی تو
بالدعاء فقال رسول اللہ صلی اللہ	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اربعوا علیٰ
علیہ وسلم ایھا الناس اربعوا علےٰ	انفسکم یعنی درمیانہ روی اختیار کرو، تم کسی
انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا	بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، جس کو

ان الذی تدعونه سمیع قریب۔ تم پکار رہے ہو وہ سننے والا اور قریب ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۰ ج ۲)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دعا میں اصل یہی ہے کہ آہستہ آواز سے ہو اور بلا ضرورت آواز نہ بلند کی جائے۔

(۴) بخاری کی روایت ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اسلئے کہ

فانه من وافق تامینه تامین الملائکة غفرله ما تقدم من ذنبه۔ جس کا آمین کہنا ملائکہ کے آمین کہنے کے موافق ہو جاتا ہے اس کی گزشتہ گناہ معاف کر دی جاتی ہے۔

اور ملائکہ کا آمین خاموش طریقہ سے ہوتا ہے نہ کہ جہراً اور بلند آواز سے اس لئے ملائکہ کے آمین کہنے کے ساتھ موافقت سراً آمین کہنے میں ہے نہ کہ جہراً کہنے میں۔

(۵) امام مسلم کی ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری ہیں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین یحبکم الله۔ یعنی جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ولا الضالین کے بعد آمین کہنا سراً ہے، اگر جہراً ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ جب وہ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہے اس وقت آمین کہو۔ بلکہ یہ فرماتے کہ جب تم امام کی آمین سنو تو آمین کہو۔

(۶) امام ترمذی نے حضرت وائل بن حجر کی امام سفیان کے طریق سے حدیث روایت کی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اس میں یہ ہے کہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ولا الضالین کے بعد آمین کو آواز کھینچ کر کہا تھا۔

اس سے غیر مقلدین جیسا کہ عرض کیا گیا اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں، اور اسکو آمین بالجہر کی صریح دلیل قرار دیتے ہیں۔

لیکن میں بتلا چکا ہوں کہ خود حضرت سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا مذہب آمین بالجہر کا نہیں تھا بلکہ وہ سراً آمین کہنے کے قائل تھے، اور حضرت سفیان کا اس حدیث کی روایت کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا یہ اس کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آمین سراً کہی جائے گی جہراً نہیں۔ یا پھر ان کے نزدیک مد کا معنی جہراً نہیں ہے بلکہ آواز کھینچ کر آمین کہنا ہے۔

رہا غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ اعتبار راوی کی روایت کا ہوتا ہے نہ کہ اس کے عمل کا یہ بالکل خلافِ عقل بات ہے، اگر راوی کے نزدیک (اور وہ بھی راوی حضرت سفیان جیسا محدثؒ جس کو فقاہت میں درجہ امامت کے ساتھ ساتھ حدیث میں بھی) امامت کا درجہ حاصل تھا) روایت میں کوئی علت ایسی نہ ہو جس کی وجہ سے وہ حدیث قابل ترک قرار پائے تو وہ راوی اس حدیث کو قطعاً متروک نہیں قرار دے گا، اگر وہ صحیح اور ثابت شدہ روایت پر بلا کسی معقول وجہ کے عمل چھوڑتا ہے تو اس سے اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

بہرحال حضرت سفیان کی یہ حدیث جس میں "مد بہا صوتہ" کا لفظ ہے اور اس کے باوجود ان کا عمل اس کے خلاف ہے تو یہ اس کی صریح دلیل ہے کہ آمین میں اصل سراً ہے نہ کہ جہر، اس لئے یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کیلئے واضح دلیل ہے۔

(۲) ترمذی ہی میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی شعبہ کی طرق سے یہ حدیث بھی صحیح سند سے مذکور ہے۔

ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقال آمین وخفض بہا صوتہ۔	یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا اور جب آمین کہا تو آہستہ سے کہا۔

یہ حنفیہ کے مذہب صریح دلیل ہے۔ اور غیر مقلدین کا بعض محدثین کی تقلید میں یہ بنا کر س میں حضرت شعبہ امیر المومنین فی الحدیث سے غلطی ہو گئی ہے، حضرت شعبہ کی

جلالت قدر، عظمتِ شان اور مقام بلند اور علم حدیث میں ان کے رسوخ اور امامت پر زبردست حملہ ہے۔

دوسری بڑی وجہ شعبہ کی حدیث کی ترجیح یہ ہے کہ شعبہ کی روایت قرآن کے حکم "ادعوا ربکم تضرعًا وخفیۃ" کے مطابق ہے، اور جن روایات کی تائید خود قرآن سے ہوتی ہو اس کا راجح ہونا بالکل بدیہی امر ہے، قارئین خود انصاف فرمائیں کہ شعبہ کی روایت قرآن کے حکم کے عین مطابق ہے، سفیان ثوری نے اپنی روایت پر خود عمل نہیں کیا تو ایسی شکل میں شعبہ کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی یا سفیان والی روایت پر عمل کرنا راجح ہوگا؟

کاش غیر مقلدین تقلیدی ذہنیت سے ہٹ کر تحقیق سے کام لیتے اور عقل کو کام میں لاتے تو خود ان کا فیصلہ بھی یہی ہوتا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مستمر عمل اور عمومی عادت شریفہ آمین کو سرًا ہی کہنے کی تھی نہ کہ جہرًا، اگر آپ نے آمین کبھی جہرًا کہی بھی تو یہ ایک وقتی اور عارضی امر تھا نہ کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل عادت شریفہ تھی۔

(۸) ابو وائل کی روایت جس کو طبرانی نے صحیح سند سے نقل کیا ہے اس میں ہے۔

کان علی و عبد اللہ لا یجہران بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتامین۔	یعنی حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نہ جہرًا بسم اللہ کہتے تھے نہ اعوذ باللہ اور نہ یہ دونوں حضرات آمین کو جہرًا کہتے تھے۔

(۹) ابو وائل ہی کی روایت ہے جس کو طبری نے تہذیب الآثار میں صحیح سند سے نقل کیا ہے۔

لم یکن عمر و علی یجہران بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا بآمین۔	یعنی حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما نہ جہرًا بسم اللہ کہتے تھے اور نہ آمین۔

(۱۰) محلی ابن حزم میں ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال یخفی الامام ثلاثا الاستعاذۃ	یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ امام تین چیز کو سرًا کہے گا۔ بسم اللہ

وبسم الله الرحمن الرحيم وآمين

الرحمٰن الرحیم، اعوذ باللہ اور آمین ۔

(ج ۳ ص ۱۰۷)

(۱۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر کنز العمال ص۲۴۹ ج۴ میں ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اربع یخفیھن الامام التعوذ وبسم الله الرحمٰن الرحیم وآمین واللّٰھم ربنا لك الحمد

یعنی چار چیز سرًا امام کہے گا، اعوذ باللہ بسم اللہ، آمین اور اللّٰھم ربنا لک الحمد ۔

(۱۲) مصنف عبد الرزاق جلد ۲ ص۸۷ میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے ۔

باب ما یخفی الامام، یعنی اس کا بیان کہ امام نماز میں کن چیزوں کو اخفاء (بلا آواز) کہے گا ۔

اس میں پہلی روایت حماد عن ابراھیم کی سند سے ہے اور دوسری روایت عن الثوری عن منصور عن ابراھیم کی سند سے ہے، پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں ۔

اربع یخفیھن الامام بسم الله الرحمٰن الرحیم والاستعاذة وآمین واذا قال سمع الله لمن حمده قال ربنا لك الحمد ۔

یعنی چار چیزوں کو امام آہستہ سے کہے گا، بسم اللہ، اعوذ باللہ، آمین اور ربنا لک الحمد ۔

اور دوسری روایت عن الثوری عن منصور عن ابراھیم ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ۔

خمس یخفیھن الامام، سبحانك اللّٰھم وبحمدك والتعوذ وبسم الله الرحمٰن الرحیم وآمین واللّٰھم ربنا لك الحمد ۔

یعنی پانچ چیزوں کو امام آہستہ سے کہے گا ثناء، تعوذ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی جو جلیل القدر فقیہ و محدث و تابعی، حضرت عمر فاروق حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے علوم کے حامل تھے۔ ان کے زمانہ میں جہراً آمین کہنے کا کوئی معمول ہی نہیں تھا۔

اب تک کی ان گذارشات کی روشنی میں جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

(۱) چونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل یہ ہے کہ اخفاء ہو جیسا کہ حکم ربانی ہے۔ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً (تم اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے پکارو) اس وجہ سے آمین کو بھی آہستہ کہنا افضل اور بہتر ہوگا۔

(۲) قرآن سے غیر مقلدین کے پاس جہراً آمین کہنے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۳) خلفائے راشدین سے جہراً آمین کہنا ثابت نہیں ہے۔

(۴) حضرت عمر اور حضرت علی کا ارشاد یہ تھا کہ آمین کو سراً کہا جائے گا۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا کہ آمین کو سراً کہا جائے۔

(۶) غیر مقلدین بخاری کی جس روایت سے استدلال کرتے ہیں اس سے آمین بالجہر ثابت نہیں ہوتا۔

(۷) امام ترمذی کی جس روایت سے غیر مقلدین آمین بالجہر پر استدلال کرتے ہیں وہ اس اعتبار سے معلول ہے کہ اس روایت کے راوی حضرت سفیان ثوری کا خود اس پر عمل نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ روایت آمین بالجہر کی دلیل نہیں بن سکتی۔

(۸) وائل بن حجر کی حضرت شعبہ کے طریق والی روایت سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ آمین کو سراً کہنا چاہئے۔

(۹) غیر مقلدین حضرات بقیہ جتنی روایات سے استدلال کرتے ہیں سب ضعیف ہیں۔

(۱۰) آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی جہراً آمین کہنا بھی تعلیم کی غرض سے ثابت ہے۔

(۱۱) آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہراً آمین کہنا بطور عادت مستمرہ کے ثابت نہیں ہے۔

(۱۲) آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا خود فرمان تھا کہ دعا میں اخفاء کرو۔

بقیہ ص۲۴ پر

از مولانا عبد الرشید فریدی
تراج ، گجرات

ایصال ثواب اور اس کیلئے اجتماعی تلاوت کا حکم

میت کو کسی عمل صالح سے نفع پہونچانا اور میت کا منتفع ہونا زندوں کے اعمال سے فقہاء و محدثین و مفسرین کے یہاں متفق علیہ ہے۔ قرآن و حدیث، اجماع و اصول شرع سے ثابت ہے، خواہ میت عمل خیر کا ذریعہ و سبب بنا ہو یا بغیر سبب کے زندوں نے اجر و ثواب کا ہدیہ کیا ہو یا انہی کی طرف سے اس عمل صالح کو انجام دیا ہو۔ یہ نفع رسانی ایک مقصد شرعی ہے جس کو عرف میں ایصال ثواب کہا جاتا ہے، اس کا منشا کبھی تو دفع عذاب یا تخفیف عذاب ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ میت سے عذاب میں تخفیف کر دیتے ہیں، جب اس کے پاس اجر و ثواب کا ہدیہ آتا ہے۔ کبھی اس کا منشاء والدین کی طاعت و بر ہوتا ہے جیسے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے والدین تھے میں ان کی زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا، اب مرنے کے بعد کس طرح حسن سلوک کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان من البر بعد الموت ان تصلی لهما مع صلوٰتك وان تصوم لهما مع صومك (شامی ج ۲ ص ۱۲ طبع بیروت)

کبھی ادائے حق میت جزائے احسان ہوتا ہے جیسے ایک قبیلہ جہینہ کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی لیکن کیا نہیں اور مرگئی تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی طرف سے حج کرو، بتلاؤ اگر تمہاری ماں پر دین ہوتا تو تم ادا کرتی یا نہیں؟ پس اللہ کا حق بھی

ادا کرو ۔ (الروح عن البخاری) کبھی رفع درجات اور قرب الی النبی ہوتا ہے، جیسے حضرت ابن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرہ کرتے تھے ۔ ابن موفق ؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ستر حج کیا، ابن السراجؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دس ہزار سے زائد قرآن ختم کیا اور اسی کے قریب قربانی بھی کی ہے ۔ (شامی ج ۱ ص ۱۵۱) کبھی شفقت وترحم ہوتا ہے، جیسے مشہور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے کی قربانی کی ایک اپنی طرف سے دوسری امت کی طرف سے جنھوں نے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا اقرار کیا ہے، ایک منشا یہ بھی ہوتا ہے کہ ایصال ثواب کرنے والا خود بھی کثیر اجر کا مستحق ہوتا ہے جیسے روایت میں ہے من دخل المقابر فقرأ یس خفف اللہ عنھم یومئذ وکان لہ بعدد من فیھا حسنات (شامی) اور یہ سب منشأ اور ثمرہ ہے ایصال ثواب کا جو شرعًا مطلوب ہے ۔ پس ایصال ثواب مقصد شرعی ہے جس کے حصول کے مختلف طریقے ہیں اور وہ اعمال صالحہ وافعال خیر ہیں (یعنی عبادات وقربات)

ایصال ثواب خواہ کسی عبادت مالی کے ذریعہ ہو جیسے زکوٰۃ، صدقات، اطعام مساکین وغیرہ، یا عبادت بدنی ہو ۔ جیسے نماز، روزہ، تلاوت، ذکر وغیرہ یا دونوں سے مشترک ہو جیسے حج اور قربانی، یا ایسا عمل ہو جس سے مخلوقِ خدا کو نفع پہنچا کر اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے، جیسے کنواں کھدوانا، نہر بنوانا، پل بنوانا وغیرہ، مثلاً روایت میں ہے ۔ سبع یجری علی العبد اجرھن وھو فی قبرہ بعد موتہ من علم علمًا، او اکری نھرا، او حفر بئرا، او غرس نخلا، او بنی مسجدًا او ورث مصحفا، او ترک ولدا صالحًا یستغفر لہ بعد موتہ (الروح) ایک روایت میں ہے حضرت انسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ۔ یا رسول اللہ ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کیلئے دعا کرتے ہیں، کیا ان چیزوں کا ثواب ان کو پہنچتا ہے، فرمایا۔ ہاں انھیں پہنچتا ہے

اور وہ اس سے اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح سے تم میں سے کوئی کھانے کے طباق سے جب اسے ہدیہ کیا جائے تو خوش ہوتا ہے، پس ہر عمل صالح سے چاہے کرتے وقت مردوں کی طرف سے نیت کی جائے یا کر کے اس کا ثواب بخشا جائے اور خواہ ثواب کسی خاص میت کو بخشے یا عام مومنین کو، دوسروں کو نفع پہنچانا ہر طرح درست اور ثابت ہے چاہے عمل کرنے والا تنہا کرے یا چند افراد مل کر انجام دیں، اس لئے کہ عقلی طور پر چند صورتیں ہیں (۱) ایک آدمی ایک میت کو بخشے (۲) ایک آدمی چند میت کو بخشے (۳) چند افراد مل کر ایک میت کو بخشیں (۴) چند افراد چند میت کو بخشیں۔ اس میں سے کسی صورت کی ممانعت نہیں ہے بلکہ سبھی جائز اور درست ہیں۔ (الاصل ان کل من اتی بعبادة ما ای سواء کانت صلوٰة او صوما او صدقة او قرأة او ذکرا او طوافا او حجا او عمرة ..... جمیع انواع البر الخ شامی ص۱۲ج۲) الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانہا تصل الیہم ولا ینقص من بصرہ شئ ھو مذھب اھل السنة والجماعة ۔ (شامی ص۱۵۱ طبع بیروت)

اجتماعی تضحیہ عن الغیر پر مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے فتاویٰ میں جواز بتلایا ہے جب طلبہ دورۂ حدیث دیوبند نے اجتماعی قربانی کی تھی۔ (فتاویٰ نظامیہ ص۳۴۱)

صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمامؒ اس موضوع پر قدرے تفصیل سے بحث کر کے لکھتے ہیں۔ فہذہ الآثار وما قبلہا وما فی السنة ایضاً من نحوھا عن کثیر قد ترکناہ لحال الطول یبلغ القدر المشترک بین الکل و ھو من جعل شیئا من الصالحات لغیرہ نفعہ اللہ بہ مبلغ التواتر۔ فتح القدیر ص۱۴۲ج۳ ۔ اجمع العلماء علی ان الدعا للاموات ینفعھم ویصلھم ثوابہ ۔ (اذکار ص۱۹۱)

اس موضوع پر عمدہ بحث علامہ ابن القیم جوزیؒ نے اپنی کتاب "الروح" میں کی ہے۔ دیکھئے الروح المسئلہ السادسة عشرة۔

سابق مضمون سے یہ بات متحقق ہوچکی کہ قرآن کی تلاوت اجتماعاً عقل ونقل دونوں اعتبار سے درست ہے بلکہ باعثِ رحمت وسکینت ہے، اور قرأت قرآن کا اصل مقصد تو رضائے الٰہی ہے اور وہی مقصود ہونا چاہیئے لیکن اس کے علاوہ مقاصد کیلئے بھی قرآن مجید کا پڑھنا (کل یا مخصوص حصہ) احادیث وآثار سے ثابت ہے (جیسے نماز سے مقصود رضائے الٰہی ہے اور اسی کیلئے پڑھی جاتی ہے لیکن دوسرے مقاصد خیر کے لئے بھی پڑھنا ثابت ہے، جیسے استخارہ، استسقاء، حاجت وغیرہ یہ رضائے الٰہی کے منافی نہیں ہے) البتہ اغراض دنیویہ کیلئے پڑھنا درست وجائز نہیں ہے۔ مقاصد حسنہ میں سے ایک مقصد ایصال ثواب ہے جو خیر القرون کے زمانہ سے اس پر مختلف راہوں سے عمل ہوتا چلا آرہاہے اور اب ایک طویل زمانہ سے برائے ایصال ثواب قرأت قرآن کے لئے لوگ جمع ہوتے چلے آرہے ہیں جس کو قرآن خوانی کہتے ہیں جو موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا معمول ہے اور ایصال ثواب کے دوسرے طریقے بھی رائج ہیں، پس موجودہ قرآن خوانی جس پر اہل اسلام کا ایک بڑا طبقہ عمل پیرا ہے جس میں عوام کے علاوہ علمائے حق بھی ہیں، آیا اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں، اگر ہے تو جتنا ثابت وصحیح ہو اسے باقی رکھا جائے اور جتنا حصہ غلط شامل ہوگیاہے اس سے پرہیز کیا جائے۔ پہلے میت کیلئے اس کے مختلف حالات میں بالترتیب قرأت قرآن کا نظم شریعت نے کس درجہ کیا ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مامن میت یموت فیقرأ عندہ یٰسٓ الاھوّن اللہ علیہ (اتقان ص۲۱۱) جو شخص قریب الموت ہو اس کے پاس یٰس شریف پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر آسان کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے۔ لکل شیٔ قلب وقلب القرآن یٰسٓ فاقرء وھا علی موتاکم ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے قرآن کا دل یٰس شریف ہے پس اسے مردوں پر پڑھو۔ اس طرح کی احادیث کی وجہ سے علماء نے میت کے قریب قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اس لئے کہ میت کا لفظ حقیقت میں مرنے کے بعد ہی بولا جاتا ہے۔ (دیکھئے فتح القدیر باب الجنائز) اور میت کے پاس مرنے سے پہلے اور بعد میں عموماً

ایک سے زائد آدمی ہوا کرتے ہیں جو انتقال کی خبر پاکر آتے ہیں یا پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔
ویقرأ عندہ القرآن الی ان یرفع الغسل (درمختار) پس اگر چند آدمی یٰس شریف یا کوئی دوسرا حصہ قرآن پڑھیں تو یہ صورت اجتماعی تلاوت کی بن جاتی ہے لیکن کسی فقہ کی کتاب میں شاید ایسا نہ ہو کہ حاضرین کو قرآن پڑھنے سے اسلئے منع کیا جائے کہ اجتماعی صورت ممنوع ہے، البتہ غسل سے پہلے میت چونکہ ناپاک ہے اس کے قریب رہ کر پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور اگر پڑھنے والا دور ہے تو پھر یہ کراہت بھی نہیں ہے۔ محل الکراھۃ اذا کان قریبًا منہ اما اذا ابعد عنہ بالقرأۃ فلا کراھۃ (شامی ص۵۷۵ ج۱) اس سلسلہ میں انصار مدینہ کا ایک معمولؔ امام نووی نے نقل کیا ہے۔ کانت الانصار اذا حضروا عند المیت قرءوا سورۃ البقرۃ (التبیان) یعنی انصار جب میت کے پاس حاضر ہوتے تو سب سورہ بقرہ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، صلاۃ جنازہ کی حقیقت اہل علم جانتے ہیں کہ دعا ہے۔ لیست بصلاۃ حقیقۃ انما ھی دعاء واستغفار للمیت (بدائع ص۳۱۴ ج۱) چنانچہ شرکائے جماعت کا ہر فرد اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا الخ کی دعا پڑھتا ہے یعنی سب مل کر میت کیلئے بلکہ غیر میت کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر اور بخشش کی دعا مانگتے ہیں یہ ایک منصوص اجتماعی دعا ہے، پھر میت کو دفن کیا جاتا ہے، دفن کے بعد حضرت ابن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ ولیقرأ عند رأسہ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ (مشکوٰۃ) ..... میت کے سرہانے (سورہ فاتحہ کما فی روایۃ اور) ابتداء سورہ بقرہ اور پائنتانے آخر بقرہ پڑھی جائے۔ اس سے فقہاء نے دفن کے بعد قرآن پڑھنے کو جائز اور مذکورہ عمل کو مستحب قرار دیا ہے

ؔ ابن القیم جوزی نے بھی امام شعبی سے نقل کیا ہے۔ قال: کانت الانصار اذا مات بھم المیت، اختلفوا الی قبرہ ویقرءون عندہ القرآن (الروح ص۹۲)

اور قبر کے پاس پڑھنے کا جواز بھی معلوم ہوا۔ ولا تکرہ عند محمد وبقوله اخذ المشائخ لورود الآثار به منها ماروی البیهقی ان ابن عمر استحب ان یقرأ بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها (کبیری ص۲۹۶) اس کے بعد کچھ دیر قبر کے پاس ٹھہرنا اور میت کیلئے ثبات کی دعا کرنا مستحب ہے اور قرآن کی تلاوت بھی درست ہے۔ ویستحب اذا دفن المیت ان یجلسوا ساعة عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها یتلون القرآن ویدعون للمیت کذا فی الجوهرة النیرة (عالمگیری ص۱۶۲)

اس کے بعد بھی میت کو اجر کا ہدیہ کرنا اور ثواب کا تحفہ بھیجکر نفع پہنچاتے رہنا جہاں دوسرے اعمال کے ذریعہ ثابت ہے، قرأت قرآن اور دعا کے ذریعہ بھی بہرحال ثابت ہے۔ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے۔ من مر علی المقابر وقرأ قل هو الله احد احدی عشر مرة ثم وهب اجرها لاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات۔ جو شخص قبرستان سے گذرے اور قل هو الله احد گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس کا اجر قبرستان کے مردوں کو بخشے تو پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر اجر ملے گا۔ ابوداؤد میں ہے۔ اقرءوا علی موتاکم یٰسٓ اپنے مردوں پر یٰسٓ شریف پڑھا کرو (فتح القدیر ص۱۳۴) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص فاتحہ، اخلاص اور تکاثر پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے گا تو مردے قیامت کے دن اس کے شفیع ہوں گے۔ (مالابد منہ فارسی)

وفی شرح اللباب ویقرأ من القرآن ماتیسر له من الفاتحة واول البقرة الی المفلحون وآیة الکرسی وآمن الرسول الخ وسورة یٰسٓ وتبارک الملک وسورة التکاثر والاخلاص ثم یقول اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الی فلان اوالیهم۔ (شامی ص۱۵۲) اور کتب حدیث وفقہ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے آٹھ سال بعد یعنی انتقال سے چند ماہ قبل احد تشریف لے گئے اور شہدائے احد کیلئے دعا فرمائی (بدائع ص۳۱۵) مسلم شریف میں ہے۔

عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو میں نے آپ کی یہ دعا ذہن نشین کر لی اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ واوسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج البرد ونقہ من الخطاء کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار ۔ دعا کا ذکر بہت سی روایتوں میں ہے، اور دعا دفن کے بعد بھی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بقیع تشریف لے گئے فقال: السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ما توعدون غدا موٴجلون وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ۔ اللّٰھم اغفر لاھل بقیع الغرقد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مردوں کے لئے دعا کرنا اور آپ کے بعد صحابہ وتابعین ودیگر مسلمانوں کا دعا کرنا اتنی کثرت سے ہے کہ احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا ۔ وھذا کثیر فی الاحادیث بل ھو المقصود بالصلوٰۃ عن المیت وکذلک الدعاء لہ بعد الدفن ۔۔۔ ودعاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم للاموات فعلا وتعلیما ودعاء الصحابۃ والتابعین والمسلمین عصرا بعد عصر اکثر من ان یذکر واشھر من ان ینکر وقد جاء من اللہ تعالیٰ یرفع درجۃ العبد فی الجنۃ فیقول: انی لی ھذا فیقال بدعاء ولدک لک ۔ (الروح ص۱۱۶)

بہرحال میت کے انتقال کے وقت سے لے کر دفن کے بعد تک میت کے قریب یا دور سے قبر کے پاس یا دور رہ کر قرأت قرآن اور دعا سے نفع پہنچانا دفن کے فوراً بعد یا کچھ زمانہ کے بعد سب ثابت ہے۔ مولانا سید زوار حسین نقشبندیؒ لکھتے ہیں ۔ قبرستان میں قرآن شریف دیکھ کر یا حفظ، پکار کر یا آہستہ سب طرح پڑھنا درست و بلا کراہت جائز ہے ...... اور قرأت قرآن کے لئے قبر کے پاس بیٹھنا تاکہ تلاوت اچھی طرح ہو خوب سمجھ میں آئے اور باعث عبرت ہو. مختار قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے پس قبر کے پاس

قرآن شریف پڑھنے کیلئے حافظوں اور قرآن خوانوں کو بٹھانا بھی بلا کراہت جائز ہے جبکہ پڑھنے والے اجرت پر نہ پڑھتے ہوں اور پڑھوانے والوں کو بھی اجرت کا خیال نہ ہو ....
اور یہی حکم مکان پر یا کسی دوسری جگہ مسجد وغیرہ میں پڑھوانے کا بھی ہے۔ (عمدۃ الفقہ ص ۵۲۶/۲)
مرجع العلماء مفتی گجرات مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری "ایصال ثواب کے لئے اکٹھے ہو کر ختم قرآن کرنے" کے جواب میں رقمطراز ہیں:

"رسم و رواج کی پابندی اور برادری مروت اور دباؤ بغیر اور کوئی مخصوص تاریخ اور دن معین کئے بغیر اور دعوت کا اہتمام اور اجتماعی التزام کے بغیر میت کے متعلقین خیر خواہ اور عزیز و اقرباء ایصالِ ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں تو یہ جائز ہے ممنوع نہیں ہے (عینی شرح ہدایہ اول) البتہ جمع ہو کر زور سے پڑھنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے ...... بعض علماء محققین چند شرائط کے ساتھ جائز مانتے ہیں اور یہی قول زیادہ راجح اور صحیح ہے۔
اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃ فی المسجد وغیرہ من غیر نکیر الا ان یشوش جھرھم بالذکر علی نائم او مصل او قارئ۔ علماء متقدمین و متأخرین نے مسجدوں وغیرہ میں جمع ہو کر ذکر اللہ (تلاوت قرآن وغیرہ) کے مستحب ہونے پر بلا اعتراض کے اجماع کیا ہے اس شرط سے کہ کسی سونے والے یا نمازی یا تلاوت کرنیوالے کو زور سے پڑھنے کی وجہ سے تشویش نہ ہو (شرح حموی للاشباہ والنظائر، شامی)

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۸۹/۱)

مولانا ظفر احمد تھانوی ؒ سے کسی نے سوال کیا۔ بعض جگہ بغرض ایصال ثواب میت کی تجہیز و تکفین سے قبل گٹھلیوں پر ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھواتے ہیں اور تکمیل کے واسطے دوسرے شخصوں کے واسطے بُلا دیے بھی جاتے ہیں۔ نیز ختم کلام مجید کا بھی اسی طریقہ سے اہتمام کیا جاتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟" اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

۔ حضرات صحابہ و تابعین کے زمانہ میں یہ دستور نہ تھا لیکن فی نفسہٖ یہ دستور جائز ہے لکون المقصود ایصال الثواب الی المیت ولہ اصل فی الشرع ،، (امداد الاحکام صفحہ ۱۹۵/۱)

مطلب یہ ہوا کہ ایصال ثواب شرعاً مقصود ہے اور جس عمل سے کیا جائیگا اس کا طریقہ بھی مطلوب ہوگا، لیکن جس امر شرعی کی کوئی ہیئت شارع نے متعین نہیں کی ہے اس میں گنجائش ہے جس طرح بھی انجام دیا جائے درست و جائز کہلائیگا بشرطیکہ اس میں خلافِ شرع کوئی چیز نہ پائی جائے اور نہ اسی طریق کو سنت یا لازم سمجھا جائے۔

پس جب کہ مسئلہ زیر بحث میں ایصال ثواب کیلئے قرآن پاک کا پڑھنا بھی ثابت ہے اور ختم قرآن اور دعا کے لئے جمع ہونا بلکہ جمع کرنا بھی ثابت اور اجتماع مسلمین کا سبب نزول برکت و رحمت ہونا بھی ثابت ۔ بلکہ فی نفسہٖ اجتماعی تلاوت بھی ثابت اور انصار مدینہ کا معمول بھی معلوم ہو چکا اگرچہ اس میں اجتماع کی صراحت نہیں ہے لیکن نفی بھی نہیں ہے تو پھر برائے ایصال ثواب مسجد یا مکان میں اکٹھے ہو کر قرآن پڑھنے کے جواز میں کونسی چیز مانع ہے ۔ ہاں ترک استماع و انصات ہو سکتا ہے مگر فقہاء نے اس کے بھی جوابات دیئے ہیں۔ ویکرہ للقوم ان یقرءوا القرآن جملۃ لتضمنھا ترک الاستماع والانصات۔ وقیل لاباس بہ (کبیری ص ۴۹۷) پھر شارح نے ترک استماع کے اعذار بیان کئے ہیں۔ اور آیت واذا قرئ القرآن الخ سے اشکال و جواب سابق مضمون میں گذر چکا ہے۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ تلاوت کے لئے جب لوگ کسی مکان یا مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو چونکہ تلاوت بدنی عبادت ہے اسلئے ہر شخص اپنی تلاوت کرتا ہے اور ہر ایک اپنی ہی تلاوت کا ثواب پہنچائے گا زیادہ سے زیادہ ہیئت اجتماعی ہوتی ہے اور یہ خلافِ شرع نہیں ہے اس لئے کہ حقیقی اجتماعی تلاوت وہ ہے جس میں آواز سے آواز ملا کر پڑھا جائے ،

جیسے فن تجوید میں مشق کرائی جاتی ہے اور وہ جائز و درست ہے لہذا تلاوتِ قرآن کے لئے محض اکٹھا ہونا خواہ کسی مقصد شرعی کے لئے کیوں نا جائز ہوگا ۔ جیسے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کے ثبوتِ صریح میں کلام ہے لیکن چونکہ نفس دعا اور دعا بعد الصلوٰۃ المکتوبہ اور رفع الیدین فی الدعا یہ سب سنت سے ثابت ہے پس جب ہر مصلی فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرے گا تو ایک اجتماعی ہیئت پیدا ہو جائے گی اور اس سے نہی وارد نہیں ہوئی ہے اس لئے یہ صورت جائز ہے ممنوع نہیں ہے ، پس قرأت قرآن کے لئے کسی جگہ مجتمع ہونے پر اتنی دلیل کافی ہے کہ اجتماع کی ممانعت نہیں ہے چہ جائے کہ مطلق قرآن کی تلاوت پر جمع ہونے کی فضیلت وارد ہے جیسا کہ سابق مضمون میں گذر چکا ہے ۔ البتہ انتقال کے بعد اکٹھا ہو کر قرآن پڑھنے کا عام معمول نہ تھا ۔ جب کہ امام نووی نے انصار مدینہ کا ایک معمول نقل کیا ہے اگرچہ وہ قبل الدفن ہے ، لیکن ابن قیم کے نقل کے مطابق انصار مدینہ کا یہ معمول بعد الدفن معلوم ہوتا ہے ۔ اور معمول کا نہ ہونا علی الاطلاق عدم جواز کی دلیل نہیں ہے ۔ ورنہ تو امت میں بہت سے افعال جاری ہیں مگر ان کا کوئی معمول بلکہ ان کا ثبوت بھی مشکل ہے لیکن پھر بھی جائز ہے مثلاً کسی شخصیت کی شفاء صحت کے لئے ختم قرآن کر کے دعا کی جائے تو کیا یہ ناجائز ہوگا ، آخر ایک طویل زمانہ سے اکابر علماء میں یہ معمول چلا آرہا ہے کہ کسی بزرگ شخص کی طلب شفاء کے لئے بطور تدبیر بخاری شریف کا ختم کرایا جاتا ہے خواہ پارۂ بخاری پڑھنے والے مجتمع ہوں یا متفرق کسی نے اس عمل کو ناجائز یا بدعت نہیں کہا ۔ پس اجتماع خود وجہ ممانعت یا کراہت نہیں ہے بلکہ کسی امر خلافِ شرع کا ارتکاب ممانعت و کراہت یا عدم جواز کی وجہ ہے ۔

تیسری چیز ۔ جب چند افراد یکجا ہو کر قرآن پڑھیں گے تو اولاً یہ اجتماع للذکر ہے جو باعثِ نزول رحمت ہے ، ثانیاً محل قرأت میں بھی رحمت و برکت نازل ہوتی ہے ۔ ثالثاً ، قرأت قرآن یا ختم قرآن کے بعد دعا اقرب الی القبول اور اجتماعی دعا ، ارجی للقبول ہوتی ہے محل القرأۃ تنزل الرحمۃ والبرکۃ والدعا عقبها ارجی للقبول ۔
(شامی ، کنز العمال)

پس ایسی مجلس میں شرکت عین سعادت اور شرکت کی اطلاع دینا تعاون علی البر اور دلالت علی الخیر میں شامل ہے ۔ اور بعض صحابہ اور تابعین سے ختم قرآن کی مجلس میں جمع ہونا اور جمع کرنا بہرحال روایت سے ثابت ہے ۔

تداعی ۔ کا لغوی معنی ایک دوسرے کو بلانا ہے (مُغرِب) علامہ دانی نے اس کی تفسیر "کثرت" سے کی ہے جو تداعی کا لازمی معنی ہے (شامی)

اعلام الاجتماع وہ تداعی نہیں ہے جس کی وجہ سے نفل کی جماعت کو فقہا نے مکروہ بتایا ہے اسلئے کہ فرائض وواجبات اور بعض مخصوص نوافل میں شریعت نے جماعت مشروع کی اور بقیہ نوافل میں فرادی فرادی پڑھنے کو افضل قرار دے کر نوافل کے درمیان ایک امتیاز قائم کیا ہے چونکہ مشروعیت جماعت سے شعار اسلام کا اظہار مقصود ہے اسلئے جماعت میں کثرت[1] مطلوب شرعی ہے جس کی ابتدا[2] چار سے ہوتی ہے اور فقہا نے ہم[3] کو تداعی میں شمار کیا ہے پس باعتبار جماعت تداعی سے نفل کی جماعت کا فرض کی جماعت کے مشابہ ہونا لازم آتا ہے جس سے فرق مذکور باقی نہیں رہے گا اور یہ خلافِ شرع ہے ۔ جب کہ تلاوتِ قرآن میں نہ اس طرح کی کوئی تقسیم ہے اور نہ اعلام سے کوئی امر خلاف شرع لازم آتا ہے بلکہ یہاں تو مطلق اجتماعی تلاوت پر فضیلت وارد ہے جس میں کثرت مزاج شریعت سے ہم آہنگ ہے ، اور اگر اعلام کو ناجائز یا مکروہ کہا جائے تو پھر قرأت قرآن کی نسبت سے جتنی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور اور اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے کیا ان سب کو بھی مکروہ یا ناجائز قرار دیں گے غالباً اس کا کوئی قائل نہ ہو ۔

مگر جواز کی یہ وجوہات اسی وقت مفید ہیں جب قرآن خوانی کسی مفسدہ یا خلافِ شرع امر کو متضمن نہ ہو ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی سوال ۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی میں قرآن شریف زور سے پڑھنے چاہئے یا آہستہ سے ۔ کے

---

[1] ہدایہ وغیرہ [2] ہدایہ حجیت حدیث حکیم الاسلام قاری طیبؒ ۔ [3] شامی ص

جواب میں لکھتے ہیں ۔ الجواب حامداً و مصلیاً، افضل تو یہی ہے کہ جب ایک جگہ مجمع قرآن شریف پڑھے تو سب آہستہ پڑھیں لیکن زور سے پڑھیں تب بھی گنجائش ہے "
(فتاوی ص ۲۵/۱) ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں ۔ ایصال ثواب میں نہ تاریخ کی قید ہے کہ شب برأت ۱۴ ر محرم ۱۰ ر ربیع الاول ۱۲ ر ہو ۔ نہ دنوں کا حساب ہے کہ ۳ ر تیسرا ۱۰ ر دسواں ۴۰ ر چہلم دن ہو ۔ نہ کسی چیز کی قید ہے کہ حلوہ، کھچڑا، شربت، پانی ہو نہ ہیئت کی قید ہے کہ چنوں پر کلمۂ طیبہ پڑھا جائے، یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دی جائے ۔ نہ سورتوں و آیتوں کی تخصیص کہ قل اور پنج آیات ہو ، نہ اور کسی قسم کی قید ہے ، یہ سب قید ختم کر دیا جائے کہ یہ شرعاً ہے اصل ہے صحابہ نے بغیران قیدوں کے ثواب پہنچایا ہے۔

(فتاوی محمودیہ ص ۲۰۶-۱۷)

مذکورہ بالا احادیث اور فتاوی کی روشنی میں یہ بات منقح ہو جاتی ہے کہ اجتماعی قرأت قرآن برائے ایصال ثواب کے صحیح ہونے کے لئے کچھ قیدیں اور شرطیں ہیں یہ شرائط ہوں تو درست ورنہ نہیں (۱) تلاوت پر اجرت مقرر نہ کی جائے اور نہ بغیر اس کے اجرت لی جائے یا دی جائے اور نہ ایسا ہدیہ ہو جس کا دینا معروف ہو ۔ (۲) شہرت ، ریا کاری ، یا تفاخر کے طریق پر تلاوت نہ کی جائے (۳) رسم و رواج کی پابندی یا برادری مروت کے دباؤ یا بدنامی کے ڈر سے نہ ہو (۴) شرکت نہ کرنیوالوں پر کوئی طعن و ملامت نہ ہو (۵) تلاوت کے لئے دنوں کی تخصیص نہ ہو یعنی تیجہ، دسواں چہلم اور برسی (۶) تاریخ متعین نہ ہو یعنی شب برات ۱۴ ر محرم ۱۰ ر ربیع الاول ۱۲ ر وغیرہ (۷) کسی ہیئت کا التزام نہ ہو جیسے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھا جائے یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دی جائے (۸) سورتوں اور آیتوں کی تخصیص نہ ہو یعنی قل اور پنج آیات (۹) تلاوت کا مقصد کسی دنیوی غرض کا حصول نہ ہو (۱۰) تلاوت اتنی بلند آواز سے نہ ہو کہ دوسرے کو اذیت اور پڑھنے میں خلل ہو (۱۱) تلاوت کے بعد اطعام طعام یعنی کھلانے پلانے کا اہتمام نہ ہو (۱۲) تلاوت کے بعد شیرینی کی تقسیم کا التزام نہ ہو (۱۳) برائے ایصال

ثواب خود قرآن خوانی کا بھی التزام نہ ہو یعنی اس طریقہ عمل کو سنت یا ضروری سمجھ کر نہ کیا جائے۔

پس اگر قرآن خوانی میں کوئی منکر یا مفسدہ ہے تو ایسی تلاوت ممنوع و مکروہ کہلائے گی خواہ انفراداً ہی ہو اور جب ہر طرح کی خرابیوں سے پاک ہو تو تلاوت جائز و پسندیدہ ہے خواہ اجتماعاً کی جائے۔ مولانا ظفر احمد تھانوی کے الفاظ ہیں۔

" البتہ جہاں ان مفاسد کا ارتفاع مظنون اور لوگوں کا اشتیاق محسوس ہو وہاں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسکو رواج نہ دیا جائے گاہے کیا جائے گاہے ترک کر دیا جائے "

(امداد الاحکام ص ۱۹۶/۱) حاصل یہ نکلا جو قرآن خوانی کسی مفسدہ کو شامل ہو وہ قابل اصلاح یا قابل ترک ہے، ایسی مجلس میں شرکت سے احتراز کرنا چاہئے، اور اگر کسی قسم کا کوئی التزام نہیں ہے تو وہ صحیح اور درست ہے، چاہے خواص میں ہو یا عوام میں۔ البتہ جہاں تک راقم کو معلوم ہے کہ علمائے حق کے یہاں جو قرآن خوانی ایصال ثواب کیلئے ہوتی ہے اس میں کوئی مفسدہ یا التزام نہیں ہوتا کہ قابل ترک یا واجب الترک کہا جائے چہ جائے کہ ناجائز یا بدعت کہہ کر دائم الترک قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ سنت پہ گامزن رکھے اور بدعات و رسومات سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

نزهام : صاحب مقالہ میرے عزیز شاگرد ہیں، موصوف نے بڑی محنت سے یہ تحریر مرتب کی ہے بلاشبہ مردوں کو ایصال ثواب کرنا ہر عمل صالح سے جائز ہے لیکن جن شرائط کے ساتھ جائز ہے ان کا التزام عوام سے بہت مشکل ہے، اس وجہ سے میری اپنی رائے یہ ہے کہ اولیٰ اور انسب یہی ہے کہ انفرادی طور پر آدمی ایصال ثواب کیلئے قرآن پڑھے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

اسلاف کرام کی معاشرتی زندگی ایسی تھی

(۱) محمد بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے اسلاف کے زمانہ میں دیکھا کہ ایک ہی گھر میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ کئی کئی خاندان رہتے تھے، کبھی ایسا ہوتا کہ کسی گھر میں کھانا پک رہا ہوتا اور چولھے پر ہانڈی چڑھی ہوتی اسی وقت کسی دوسرے خاندان کا کوئی مہمان آجاتا، تو جسکے گھر میں مہمان آتا وہ آدمی اپنے پڑوسی کی وہ ہانڈی اس کی غیر موجودگی میں اتار کر اسی کھانے سے اپنے مہمان کو کھلا دیتا، جب وہ پڑوسی آتا اور اسے اپنی ہانڈی نظر نہ آتی تو وہ پوچھتا، میری ہنڈیا کون لے گیا تو مہمان والا کہتا کہ میں نے تمہاری ہنڈیا سے اپنے مہمان کی ضیافت کی ہے، تو پڑوسی کہتا بارك الله لكم فيها، اللہ تم کو اس میں برکت دے۔

(تاریخ فسوی ص ۲۰۶ ج ۲)

(۲) بشر بن صالح کہتے ہیں کہ ابن محریز ایک دوکان میں کپڑا خریدنے کیلئے گئے، دوکاندار سے کسی نے کہا کہ دیکھو یہ ابن محریز ہیں کپڑا دینے میں ان کا خیال رکھنا، یہ سن کر ابن محریز کو غصہ آگیا یہ کہتے ہوئے دوکان سے نکل گئے کہ ہم پیسے کے عوض کپڑا خریدتے ہیں دینداری دکھلا کر سامان نہیں خریدتے۔ (الفصاص ص ۲۱۲)

(۳) دخین بن ابی الہثیم حضرت عقبہ بن عامر سے کہتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عقبہ سے کہا کہ میرے کچھ پڑوسی ہیں جو شراب پیتے ہیں، میں پولیس کو لانے والا ہوں تاکہ وہ ان کو پکڑ کر لے جائیں، تو حضرت عقبہ نے منع فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ ان کو سمجھاؤ اور دھمکی دو، ابوالہثیم نے ایسا ہی کیا مگر وہ شرابی شراب پینے سے باز نہیں آئے

بقیہ ص۱ پر

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

دو فیصد نے وہ کارنامے انجام دیئے ہیں جن سے اٹھانوے فیصد والے عاجز رہے

ڈاکٹر مقتدیٰ ازہری کی تحقیق

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی محدث پرچہ اکتوبر، نومبر کا آیا تھا، کہاں ہے ۔

باپ ۔ بیٹا وہ تمہاری ممی کے مطالعہ میں ہے، ان سے مانگ لو ۔

بیٹا ۔ اباجی آپ نے اس کا مطالعہ کر لیا ہے ؟

باپ ۔ جی بیٹا، میں اس سے فارغ ہو چکا ہوں، اب وہ تمہاری ممی کے پاس ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی ان کے پاس تو خاتون مشرق، اور پاکیزہ آنچل ہے، محدث پرچہ نہیں ہے

باپ ۔ ہے وہ انھیں کے پاس، اس کو انھوں نے کسی کونے میں ڈال دیا ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی، کیوں وہ تو ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کی ایک ایک تحریر کو حرز جاں بناتی ہیں، اس شمارہ کو انھوں نے ایک کونہ میں کیوں ڈال دیا ہے ؟

باپ ۔ وہ صبح سے غصہ سے بھری ہیں جب سے اس شمارہ کا انھوں نے مطالعہ کیا ہے، ان کا پارہ چڑھا ہوا ہے، مقتدیٰ ازہری پر برس رہی ہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی، ڈاکٹر صاحب تو بڑے محقق عالم ہیں انھوں نے اس شمارہ میں کیا لکھ دیا ہے کہ ممی اس قدر غصہ میں ہیں ۔

باپ ۔ بیٹا، مصیبت تو یہی ہے کہ ہمارے جماعت کا ہر فرد محقق ہوتا ہے، ہر جاہل عالم ہوتا ہے، ہر بونا قد آور ہوتا ہے، ہر مکھی مار تیس مارخاں ہوتا ہے، ہر لفنگا شریف ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر مقتدیٰ ازہری بھی ہماری جماعت کے ہیں تو ان کا محقق ہونا کسی بڑے حادثہ کی اطلاع نہیں ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی، آپ بھی کچھ اکھڑے اکھڑے سے نظر آرہے ہیں، ڈاکٹر صاحب پر ممی کا غصہ آپ کی طرف بھی منتقل ہو گیا ہے کیا ؟

باپ ۔ ڈاکٹر مقتدیٰ ازہری نے بات ہی ایسی لکھی ہے کہ غصہ آئے ۔ ہماری جماعت کی بدنامی ہو ۔

بیٹا ۔ اباجی، ڈاکٹر صاحب نے کیا لکھ دیا ہے کہ ہماری جماعت کی بدنامی ہو گی ۔

باپ ۔ بیٹا، انھوں نے لکھا ہے کہ :

"مسلم آبادی دو فیصد نے (یعنی اہلحدیثوں نے) وہ کارنامے انجام دیئے ہیں جن سے اٹھانوے فیصد والے عاجز رہے ۔"

یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ جس کا سر ہے نہ پیر ہے، تمہاری ممی کہتی ہیں اور سچ کہتی ہیں کہ ہماری جماعت کی اٹھانوے فی صد اپنی طاقت تو مقلدین کے خلاف ہمیشہ سے لگی رہی ہے اور آج بھی لگی ہے، دو فیصد طاقت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں لگی ہے، یا اس کو ریزرو فورس کی مد میں رکھا گیا ہے ہماری جماعت کا جب سے وجود ہوا ہے ہم نے مقلدین کو مشرک بنانے، تقلید کو شرک کہنے، اور اہلحدیث مذہب حق بقیہ مذاہب باطل، ہم موحد باقی مسلمان مشرک

اسی محاذ پر قائم کیا ہے، مولانا مقتدیٰ حسن ازہری بھی یہی کارنامہ انجام دیتے رہے ہیں اور انھوں نے اس شمارہ کے اپنے مضمون میں یہی راگ پھر دہرایا ہے، وہ لکھتے ہیں :

" جماعت اہلحدیث کی دعوت جن بنیادوں پر قائم ہے وہ اصل اسلام ہے "

اب بتلاؤ کہ جب اسلام اہلحدیث میں سمٹ کر رہ گیا تو بقیہ مسلمان جو جماعت اہلحدیث سے باہر ہیں وہ غیر اصل اسلام والے ہوئے یعنی اصلی مسلمان تو صرف اہلحدیث ہوئے اور بقیہ مسلمان نقلی مسلمان ہوئے، یعنی دو فیصد والے تو اصلی مسلمان اور اٹھانوے فیصد والے نقلی مسلمان، ڈاکٹر مقتدیٰ کی یہی تحقیق ہے، یہ تحقیق ہے یا مسلمانوں کو اسلام سے خارج کرنا ہے، یہ اسلامیت ہے یا خارجیت، خوارج بھی صرف اپنے کو اصلی اسلام والا کہتے رہے ہیں، اور اب ہماری جماعت پر بھی اسی خارجیت نے چڑھائی کر دی ہے، اور ہم انھیں خارجیوں والا کارنامہ یعنی مسلمان کو اسلام سے خارج کرنے کا کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔

بیٹا - اباجی - ڈاکٹر مقتدیٰ تو بڑے سنجیدہ آدمی تھے، وہ اس طرح کی بہکی بہکی باتیں کب سے کرنے لگے ہیں۔

باپ - بیٹا، ہمارے جامعہ میں ایک خارش زدہ محقق پیدا ہو گیا ہے، جس کی تحقیق اسی قسم کی ہوتی ہے، اسی کا چھوت ڈاکٹر مقتدیٰ کو لگ گیا ہے، سنا ہے کہ آجکل ڈاکٹر صاحب کی اس خارج زدہ محقق کے ساتھ صحبت طویل ہو رہی ہے۔

بیٹا - اباجی، اباجی کو غصہ اس کے علاوہ ایک اور بات پر بھی ہے۔

باپ - وہ کیا ہے بیٹا۔

بیٹا - اباجی، اماں جی نے جب یہ شمارہ پڑھا تو ڈاکٹر مقتدیٰ کے مضمون میں انھوں نے یہ پڑھا۔

" اہل تقلید جس طرح طنز و تعریض بلکہ سب و شتم پر اتر آتے ہیں اس کا

کوئی جواز نہیں ہے۔

پہلے تو وہ مسکرائیں کہ ڈاکٹر صاحب نے کیا اچھی بات کہی ہے، مقلدوں کو بڑی پاکیزہ نصیحت کی ہے، لیکن جب انھوں نے اسی صفحہ میں چند سطر بعد یہ پڑھا :

" یہ جماعتِ اہلحدیث کی خوش قسمتی ہے کہ سعودی عرب میں اگر کچھ ہوتا ہے تو اس کی بازگشت جماعتِ اہلحدیث کے تعلق سے ہندوستان میں ضرور سنی جاتی ہے اور اس بہانہ سے سعودی حکومت کے ساتھ ساتھ جماعتِ اہلحدیث کو بھی صلوات سنائی جاتی ہیں حالانکہ ادھر سے کوئی فائدہ (جائز یا ناجائز) حاصل ہوتا ہے تو " اھلاً و مرحبا " کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی، اگر کوئی کچھ بولنا بھی چاہتا ہے تو آنکھ کے اشارے منع کر دیا جاتا ہے، کتاب الحیل کی گردان کا کوئی فائدہ تو ہونا چاہئے۔

اباجی، اماں جی کو غصہ اس بات پر ہے کہ ابھی ابھی جس طنز و تعریض کو ڈاکٹر صاحب ناجائز بتلا رہے تھے مندرجہ بالا عبارت میں وہ خود اس میں مبتلا ہو گئے۔ وہی طنز و تعریض جو دوسروں کے لئے حرام تھا وہ ان کے لئے جائز ہو گیا، یعنی خود را نصیحت دیگراں را نصیحت "

باپ ۔ بیٹا، تمہاری اماں جی پڑھی لکھی سمجھدار عورت ہیں، ان کا غصہ برحق ، انکی بر ہمی سو امر درست، واقعۃً ڈاکٹر صاحب سنجیدگی کی پٹری سے اتر گئے ہیں۔

بیٹا ۔ اباجی ڈاکٹر صاحب ازہری ہیں، یعنی جامعہ ازہر میں انھوں نے پڑھا ہے، غالباً پی ایچ ڈی بھی وہیں سے کر کے ڈاکٹر بن گئے ہیں، اباجی ایسے پڑھے لکھے لوگ کیسے پٹری سے اتر جاتے ہیں ؟ عدم تقلید آدمی کو پٹری سے اتار دیتا ہے کیا ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

ربن الحسن عباسی

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

مولانا مملوک علیؒ کے نواسے، دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے اور حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف کی بے نظیر شرح "بذل المجہود" کے مصنف مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ صفر ۱۲۶۹ھ دسمبر ۱۸۵۲ء کو نانوتہ کی اس مردم خیز سرزمین میں پیدا ہوئے جس کو بڑے بڑے علماء اور یگانہ روزگار کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

تعلیم کے چند دن دارالعلوم دیوبند میں گزارے، باقی تعلیم و تکمیل کا شرف سہارنپور میں واقع برصغیر کے مشہور مدرسہ "مظاہر علوم" کو حاصل ہوا۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے آپ کی سوانح حیات پر "تذکرۃ الخلیل" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، وقت اور نظام الاوقات کی پابندی اور اپنے معمولات کی ادائیگی کا حیران کن درجے تک آپ کو اہتمام تھا، آخری شب اٹھ کر تہجد میں قرآن شریف کی تلاوت کا زندگی بھر معمول رہا، سفر کی صعوبتیں اور حضر کے حادثے اس معمول کی ادائیگی کے لئے کبھی رکاوٹ نہ بن سکے، مولانا عاشق الٰہی آپ کے ساتھ اپنے ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضرتؒ جیپور کے سفر میں تھے اور بندہ ہمرکاب تھا، گاڑی عشاء کے بعد پہنچی، میزبان نے ایک سرائے میں ہم کو لا اتارا، جس کی

تنگ و تاریک کوٹھریوں میں نہ روشنی کا سامان تھا نہ کھانے پینے کا، رفیق سفر میزبان روشنی اور کھانے کا انتظام کرنے کیلئے سرائے سے باہر نکلے . . . . . .
دکھم سکھم چراغ جلایا . . . . ہر چند کہ مجھے حضرت کے ساتھ بارہا سفر کا اتفاق ہوا، اور خوب جانتا تھا کہ آپ اپنے معمولات کے بہت ہی زیادہ پابند ہیں مگر آج شب کی کوفت اور کلفت محسوس کر کے اس کا وہم بھی نہ ہوا کہ آپ تہجد کیلئے اٹھیں گے، چراغ جس نے کھانے کا ساتھ بھی ٹمٹما کر بمشکل دیا تھا، سلام کر گیا اور بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ پڑ کر سو رہیں . . . . . صبح صادق سے گھنٹہ بھر پہلے دفعتاً آنکھ کھلی تو دیکھا ہوں کہ آپ کی چارپائی خالی ہے، گھبرا کر اٹھا اور باہر ادھر ادھر دیکھا کہ کہاں تشریف لیگئے۔
. . . . . تاروں کی جھلملاہٹ میں ذرا دور ایک مسجد نظر آئی اور میں اس طرف چل دیا، صحن میں قدم رکھا تو حضرت کی آواز کانوں میں پڑی کہ اندر گوشہ میں کھڑے ہوئے تلاوت فرما رہے اور اپنے معبود کے سامنے غلامانہ حاضری کا معمول بجا لا رہے ہیں، آواز میں گریہ اور رقت تھا اور لہجہ میں خوف و خشیہ ملا ہوا۔
مجھے شرم کے مارے پسینہ آگیا کہ تف تیری جوانی پر حضرت اس بڑھاپے اور ضعیفی میں اتنے مستعد، اور تو عالم شباب میں اتنا کاہل اور کم ہمت "

آگے لکھتے ہیں :

" زمانے نے کروٹیں لیں، گردش افلاک نے تغیرات ظاہر کئے، موسم بدلے، عمر کے اوقات نے بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کی صورتیں پلٹیں، سب کچھ ہوا، مگر بر ہو یا بحر، حضر ہو یا سفر، ریل ہوئی یا جہاز، عسر ہو یا یسر، صحت ہوئی یا مرض، کسی بھی حال میں آپ کے انضباط اوقات اور پابندئ معمولات میں تغیر نہ دیکھا، اس استقامت پر ہزاروں حسی کرامات قربان کہ اسی کو اہل دل نے فوق الکرامہ لکھا ہے "

انھوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ سرزمین حجاز میں بجوار رسول صلے اللہ علیہ وسلم وہ دفن ہوں، اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو وصال فرمایا، اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونے والا دو ماہی دینی و علمی مجلہ

جلد ۹

شمارہ ۲

۱۴۲۷ھ

ربیع الاول، ربیع الثانی

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ـــــ ۶۰/ روپے

پاکستان کے لئے

پاکستانی ایک سو بیس روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ

غیر ممالک دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ

قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور ـ یوپی

پن کوڈ: ۲۳۳۰۰۱ - فون نمبر ۲۲۲۵۳۳/۲۲۲۱۷۵۷-۰۵۴۸

محمد اجمل مفتاحی

فہرست مضامین

کتبہ
شمس الحسن اعظمی

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا سانحہ ارتحال
ملت اسلامیہ کیلئے حادثہ فاجعہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

یہ آیت کریمہ خدا کا وہ پاک ارشاد ہے جس کی صداقت کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا انسان کا جب سے اس دھرتی پر وجود ہوا ہے، اس ارشاد پاک کی صداقت وسچائی انسان دیکھتا چلا آرہا ہے، اور اس کا مشاہدہ تاریخ انسانی تاقیامت کرتی رہے گی۔

اس فرمان الٰہی کی صداقت وسچائی کا ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں اس کی صداقت پر ہمارا پختہ ایمان اور یقین بھی ہے، اس کارگہ ہستی میں جو بھی آیا ہے اسکو بہرحال یہاں سے جانا ہے، کوئی انسان اس دنیا میں ابدی زندگی لے کر نہیں آیا ہے، ان تمام حقائق پر ایمان ویقین کے باوجود بعض انسان کا اس دنیا سے جانا ہمارے لئے ایسا حادثہ بن جاتا ہے جو ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے، جس کا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے اور جس کا واقع ہونا گویا قیامت کا سر پر گذرنا ہوتا ہے۔

گزشتہ ماہ ماہ محرم الحرام میں مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا حادثہ وفات اسی نوع کا تھا، آپ کا اس دار فانی سے کوچ کرجانا ایسا حادثہ تھا کہ ملت اسلامیہ

کا با شعور طبقہ ہوش وحواس کھو بیٹھا، اور سب نے زبانِ حال سے گویا یوں کہا کہ جس کے ہاتھ میں ملتِ اسلامیہ کی کشتی کا پتوار تھا وہ اس جہاں سے چلا گیا، ملت کا امیر کارواں رخصت ہوا، اسلام کے مردِ مجاہد کو ہم نے الوداع کہا ؎

جس کے دم سے زندگی تھی قوم کی تابندہ تر

از میانِ قوم، میر کارواں جاتا رہا

حضرت مولانا مدنی تین ماہ سے مسلسل بے ہوشی کے عالم میں تھے، دہلی کے گراں ترین ہاسپٹل اپولو میں عمدہ سے عمدہ علاج ہوتا رہا، ماہر ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم مولانا کی دیکھ بھال میں لگی رہی، مگر جب "اجل مسمیٰ" آ گئی تو رحمت کے فرشتوں نے انکی روح کو اپنے قبضہ میں کر ہی لیا اور اس دنیا سے ان کا رشتہ و ناطہ بظاہر ختم ہو گیا جہاں انھوں نے اپنے سالہائے زندگی کی اٹھتر بہاریں دیکھی تھیں۔

مولانا کی پوری زندگی ایک جہد مسلسل تھی، ملتِ اسلامیہ کے لئے آپ کے دل میں جو تڑپ تھی، جو خلوص تھا آج اس کا شائبہ بھی دوسرے قائدین میں نظر نہیں آتا، مدعیانِ قیادت و سیادت تو بہت ہیں مگر ملتِ اسلامیہ کے لئے جو دھڑکتا ہوا دل بن جائے اس کا نمونہ اس زمانہ میں کم از کم برصغیر میں صرف مولانا اسعد مدنی کی ذات تھی۔

ایک سچا اور مخلص قائد کا تعلق سب سے پہلے اپنے رب سے ہوتا ہے، مولانا مدنی کی زندگی عبادت و تقویٰ خشیت انابت کا ایک نادر نمونہ تھی، مولانا کی نماز ایک عبدِ مومن کی نماز ہوتی تھی، سنت و نوافل کے پورے اہتمام کے ساتھ اتنی سکون سے نماز پڑھنے والا طبقہ علماء میں کم از کم مجھے کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آیا، سفر ہو، حضر ہو، خلوت ہو، جلوت ہو آپ کی نماز ہمیشہ خضوع و خشوع والی ہوتی تھی، سجدہ میں جب جاتے تو اتنی دیر میں سر اٹھاتے کہ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اتنی دیر میں وہ چار رکعتیں نماز کی ادا کر لیتے ہیں۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، ایک ایسا آدمی جس کی پوری زندگی معروف ترین زندگی رہی ہو، جس کی عمر کا بیشتر حصہ سفر میں کٹا ہو، وہ نماز کی ادائیگی اس خشوع کے ساتھ کرے اسکو

کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔ بیماری کے عالم میں بھی ہم نے مولانا کی نماز کو دیکھا ہے، خدا کی قسم رشک آتا تھا ان کی نماز کو دیکھ کر۔

نماز میں خشوع وخضوع کی یہ کیفیت اس بات کی بین دلیل تھی کہ خدا کے نزدیک مولانا اسعد مدنی "مفلح" تھے۔ قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون وہ اہل ایمان کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

مولانا مدنی کو اللہ نے قیادت، سیادت کی تمام صفات سے نوازا تھا، ظاہری رعب و وجاہت کے علاوہ اللہ نے آپ کو جس وقعت اور جس عظمت سے نوازا تھا، محبوبیت کی آپ میں جو شان دلربائی تھی ملت کے دوسرے قائدین میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ جرأت وشجاعت میں مولانا مدنی اپنی نظیر آپ تھے، حق بات کہنا آپ کا شیوہ تھا، نازک وقت میں ملت کی دست گیری کرنے میں آپ سب سے آگے تھے، سخاوت وفیاضی کے بادشاہ تھے۔

مولانا اسعد مدنی کا حلقہ بڑا وسیع تھا، ہندوپاک و بنگلہ دیش کے علاوہ یورپ و امریکہ اور ساؤتھ افریقہ میں بھی آپ سے تعلق خاطر رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے ان ممالک میں حضرت مدنی کا فیض جاری تھا۔

مولانا مدنی کی پوری زندگی حرکت اور مسلسل حرکت سے عبارت تھی، ٹھہراؤ اور استقرار کا آپ کی زندگی میں نام ونشان نہیں تھا۔ مولانا مدنی عزم وہمت کے پہاڑ تھے، جس بات پر ڈٹ جاتے تو اس جگہ سے ان کو کوئی ہلانے والا نہیں تھا، اس کا نمونہ ہم نے مولانا کی زندگی میں بار بار دیکھا، طوفان اور آندھیاں مولانا مدنی کا نہیں مولانا مدنی طوفان اور آندھیوں کا رخ پھیر دیا کرتے تھے، بڑھاپے میں بھی ان کا جوش عمل ہزار ہزار نوجوانوں سے بڑھا ہوا تھا، سفر اور طول طویل سفر مولانا کی زندگی کا جزء لاینفک بن گیا تھا، شدید بیماری اور انتہائی ضعف ونقاہت میں بھی ان کا سفر جاری رہتا۔

مولانا صبر وعزیمت کی ایک نادر الوجود مثال تھے، ان کی زندگی میں مخالفتوں

کے نہ معلوم کتنے طوفان اٹھے، بہت سے اپنے بیگانے بن گئے، مگر مولانا کی زندگی پر ان مخالفتوں کا کوئی اثر نہیں دیکھا گیا، جس سمت انھوں نے قدم بڑھایا پھر اس کو پیچھے نہیں کیا، اور پھر جو جو مخالفین تھے خود ان کی ہمت نے مولانا کے صبر و عزیمت کے سامنے دم توڑ دیا، مخالفین کے ساتھ مولانا مدنی کا معاملہ عفو، درگزر کا تھا، ان کا ذکر بہت کم ان کی زبان پر آتا، اور کبھی آتا بھی تو ان کا نام ہمیشہ احترام سے لیتے، اگر ان کا شدید مخالف بھی کسی حادثہ کا شکار ہوتا یا بیمار ہوتا تو حضرت مولانا اسعد صاحب اس کی مدد کو پہونچتے، اس کی عیادت کو جاتے، مولانا کا یہ عمل مخالفین کو بھی پانی پانی کر دیتا۔

حضرت مولانا اسعد مدنی کے سینہ میں ایک تڑپتا ہوا دل تھا، ملت کے مسائل انھیں بے چین کئے رہتے تھے۔ مولانا مدنی مغربی طاقتوں کی اسلام دشمنی سے خوب واقف تھے اور اس کے بارے میں ان کی فکر مندی انتہا کو پہونچی ہوئی تھی، مولانا مدنی مسلمان نوجوان نسل کو ان اسلام دشمن طاقتوں کا شکار بننے سے بچانے کیلئے یورپ اور امریکہ میں اسلامی مدارس اور دینی مکاتب قائم کرنے کی زبردست تحریک چلا رکھی تھی، ان کی کوششوں کے نتیجہ میں نہ معلوم یورپ اور امریکہ میں کتنے دینی مدارس قائم ہوگئے، لندن کی مساجد گواہ ہیں کہ ان مساجد میں مولانا مدنی نے بار بار یہ کہا اور مسلمانوں کو للکارا کہ یہ جو تم شاندار مساجد بناتے ہو اور ان مساجد میں قیمتی قالینیں بچھاتے ہو اس پر تمہارا پیسہ خرچ کرنا حرام ہے، تمہارے بچے سرکاری اسکولوں میں پڑھ کر دین سے بیگانا ہو رہے ہیں، تم کو ان کی فکر کرنی چاہئے اور مسجدوں کی خوبصورت بنانے اور ان میں قیمتی قالینیں بچھانے والا پیسہ تم کو اپنا کالج اور اسکول کھولنے میں لگانا چاہئے جہاں تمہارے بچے سرکاری نصاب بھی پڑھیں جو ان کیلئے لازم اور ضروری ہے اور اپنے دین کی باتیں بھی سیکھیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کا سامان بھی کریں۔

مولانا کی کوششوں اور ان کی ترغیب سے میں نے برطانیہ میں خود دیکھا ہے کہ متعدد مدارس کھل گئے، یورپ اور مغربی ممالک میں اس طرح کے دینی مدارس کھلوانا

اور اس پر وہاں کے مسلمانوں کو آمادہ کرنا مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کا خاص مرکز تھا، اس سے مولانا کے دل کی اس بے چینی اور اضطراب کا پتہ چلتا ہے جو ملت کے ان نوجوانوں مغربی تہذیب وتمدن کا شکار ہونے کے نتیجہ میں انکے اندر پائی جاتی تھی۔

حضرت مولانا نے ایک عرصہ دراز تک جمعیۃ علماء کے صدر کے عہدہ کی ذمہ داری سنبھالی، مولانا کی صدارت کا زمانہ جمعیۃ علماء کی ترقی کا بڑا سنہرا دور رہا ہے، جمعیۃ کے وقار کو مولانا نے بہت بلند کیا اور اس کے کام کی متعدد جہتیں سامنے آئیں، فرقہ پرست طاقتیں بھی اور حکومت بھی جمعیۃ کی طاقت اور مسلمانوں میں اس کے اثر کی گہرائی کو محسوس کرتی رہی ہے، جب بھی فرقہ پرستوں نے اپنا پر پرزہ نکالا مسلمانوں نے اپنے نڈر اور بے خوف قائد کی رہنمائی میں ان طاقتوں سے آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کی، حکومت نے اگر مسلمانوں کے مصالح کو نظر انداز کر کے کوئی قدم اٹھایا تو حضرت مولانا نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے حکومت کو للکارا جس سے ایوان حکومت میں زلزلہ سا پیدا ہو گیا، ایسی متعدد مثالیں ہیں کہ حکومت کو مولانا مدنی کے میدان میں آجانے کے بعد اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا، حکومت اگر کسی کا دباؤ محسوس کرتی تھی تو وہ جمعیۃ علماء اور حضرت مدنی کی ذات تھی۔

حضرت مولانا کی پوری زندگی گواہ ہے کہ وہ حکومت کے سامنے کبھی جھکے نہیں اور نہ اپنی ذاتی مفاد کیلئے مسلمانوں کی مصلحتوں کو نظر انداز کر کے حکومت سے کبھی کوئی سودا کیا، ارباب حکومت سے مولانا مدنی کس طرح آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرتے تھے اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوگا، بھاجپا کی حکومت تھی اسی زمانہ میں طالبان کی حکومت پر امریکہ اپنی بے پناہ طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا، حضرت مولانا حکومتِ امریکہ کے سخت مخالف تھے، جب کہ ہندوستان کی حکومت امریکہ کا ساتھ دے رہی تھی، اس موقع پر اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر باجپائی نے کسی بات پر مولانا مدنی کو دھمکی دی تھی کہ وہ مولانا مدنی کو سمجھ لیں گے، تو مولانا نے باجپائی کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ مسٹر باجپائی اسعد مدنی کو سمجھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، انگریز تو ہمیں سمجھ نہیں سکا مسٹر باجپائی میں کیا ہمت ہے کہ وہ ہم کو سمجھیں گے

اور پھر گرج کر یہ شعر پڑھا ؎

اِدھر آ ستمگر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

حکومت وقت کے سامنے اگر بات دین کی، شریعت کی اور مسلمانوں کی آجاتی تو مولانا کا لب و لہجہ اسی قسم کا ہوتا، آج کون ہے جو کسی حکومت کے پرائم منسٹر سے اس لب و لہجہ میں مخاطب ہو سکے، جرأت و بہادری و حق گوئی کی یہ مثال مولانا کے ساتھ ختم ہو گئی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف فسادات کا ایک سلسلہ ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا، حضرت مولانا کی زندگی میں جب بھی کہیں فساد پھوٹا تو مولانا مدنی اپنی جان پر کھیل کر فسادات کے مواقع پر پہونچتے، مظلومین کے زخم پر مرہم رکھتے، مظلوموں کی امداد کیلئے شب و روز ایک کر دیتے، ظالموں اور فسادیوں کو ان کے کیفر کردار تک پہونچانے کے لئے ان کے بس میں جو کچھ ہوتا وہ سب کر گزرتے، کتنی اجڑی بستیوں کو انھوں نے دوبارہ رونق دی، اس بارے میں مولانا کے جو کارنامے ہیں ملت اسلامیہ اسے فراموش نہیں کر سکتی۔

حضرت مدنی کی جو بہت خاص بات تھی جو کسی دوسرے مسلمان قائد میں دیکھنے کو نہیں ملتی وہ یہ کہ دینی و ملی مسائل میں مولانا کے جذبات بڑے نازک تھے، اس بارے میں کسی طرح کی رواداری کے وہ قائل نہیں تھے، دین و ایمان پر اگر کہیں سے بھی آنچ آنے کو وہ محسوس کر لیتے تو اس کا مقابلہ سر دھڑ کی بازی لگا کر کرتے اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے اور ہر طرح کا جوکھم اٹھانے کیلئے تیار رہتے، وہ اس بارے میں کسی طرح کی مصلحت کو رکاوٹ بننے کا موقع دینے کو تیار نہ ہوتے۔

حضرت مولانا مدنی کی تین خاص بات جو میرے نزدیک ان کی کرامت تھی اسے ذکر کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔

پہلی تو یہ کہ مولانا کو اپنے جذبات پر بڑا کنٹرول تھا، ان کا ہر اقدام بہت سوچ

سمجھ کر ہوتا، جذبات کی رو میں بہ کر وہ کام نہیں کرتے تھے، سوچتے استخارہ کرتے تب اپنا قدم آگے بڑھاتے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے فیصلے سے بہت کم پیچھے ہٹتے تھے اور پھر دوسروں کو بھی ان کے فیصلہ کی صحت پر ایمان لانا ہی پڑتا۔

دوسری بات یہ کہ مولانا اپنے مخالفوں کی بات کو بھی بڑے ٹھنڈے دل سے سنتے، مخالفت پر بھڑکتے ہوئے ان کو میں نے کبھی نہیں دیکھا، بہت غور سے وہ بات کو سنتے اور پھر بڑے ٹھنڈے اور مدلل انداز میں اس کا اس طرح جواب دیتے کہ ان کا مخالف چپ سادھ لیتا۔

تیسری بات یہ کہ مولانا کو اپنے غصے اور اپنی نیند پر پورا کنٹرول تھا، میں نے بار بار اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ ابھی مولانا کسی بات پر بہت خفا ہیں اور جب دوسری طرف رخ کر کے دوسرے سے بات کرتے ہیں تو اس غصہ کا نام ونشان نہیں ملتا۔

نیند پر کنٹرول کا عالم یہ تھا کہ مولانا سید احمد ہاشمی کے ساتھ آسام کے سفر سے ہوائی جہاز سے واپس ہو رہے تھے، جہاز طوفان میں گھر کر ہچکولے کھانے لگا، سارے مسافر پریشان، سب کو اپنی جان کی فکر ستائے ہوئے ہے، موت کا نقشہ سامنے ہے، اس حالت میں مولانا ہاشمی فرماتے تھے کہ مولانا نے چادر سے چہرہ ڈھانکا اور خراٹے کی نیند میں پہونچ گئے، جب طوفان رکا تو بیدار ہو گئے۔ یہ اگر کرامت نہیں ہے تو آخر کرامت کیا ہے؟

حضرت مدنی کی وفات سے جماعتِ دیوبند کو جو نقصان پہونچا ہے اس کے تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، مولانا اس جماعت کی ہندوستان میں آبرو تھے۔ مولانا کے دم سے اس جماعت کا وقار تھا، جماعتِ دیوبند کے مسلک ومشرب کے تحفظ میں مولانا کا قدم سب سے آگے تھا، اپنے اکابر سے ان کو والہانہ تعلق اور سچی عقیدت ومحبت تھی، اکابر کے ساتھ یہی والہانہ تعلق کی بات تھی کہ جب سلفیت نے ایک فتنہ کی شکل اختیار کر لی اور جماعتِ دیوبند کے خلاف الدیوبندیہ جیسی کتاب لکھی گئی

تو مولانا نے اپنے عمل سے اس سلفیت کا جو محاسبہ کیا تو ہندوستان کے سلفیوں کی نیند حرام ہوگئی، سعودی ارباب حکومت سے اس بارے میں حضرت مولانا جس طرح کی گفتگو کرتے تھے اس کا نمونہ میں نے خود دہلی میں سعودی سفیر سے گفتگو کرتے وقت دیکھا ہے، جب مولانا نے اس سفیر سے بڑے تیز لہجہ میں کہا تھا کہ اگر سعودیہ میں السلایو بنلایہ جیسی کتابوں کی اشاعت جاری رہی تو میں ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی حکومت سعودی کے خلاف تحریک چلاؤں گا۔

جماعتِ دیوبند کیلئے ایسا احساس دل رکھنے والا کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا۔ اکابر کے مسلک و مشرب کے مولانا ترجمان تھے، اس سے ہٹ کر ایک قدم بھی چلنا انھیں گوارا نہیں تھا، جماعتِ دیوبند کی حقانیت پر ان کا یقین غیر متزلزل تھا، آج بہت سے اپنے ہی لوگوں میں رواداری کے نام پر اپنے اکابر کے مسلک و مشرب سے انحراف کی جو بدعت پیدا ہوگئی ہے مولانا اس سے سخت نالاں تھے اور ایسے رواداریوں سے وہ کسی طرح کا تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

مولانا کے جانے کے بعد جماعتِ دیوبند میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے، ویسے اللہ ہر چیز پر قادر ہے، ہوسکتا ہے کہ غیب سے کوئی رجل رشید پیدا ہو اور مولانا کی جگہ آباد ہوسکے۔

حضرت مولانا کا احقر کے ساتھ جو خصوصی معاملہ تھا اس کا ذکر کیسے کیا جائے اور کیا جائے تو کس کو یقین ہو کہ مولانا کے نزدیک ایک حقیر فقیر کی اتنی اہمیت تھی اور اس کے کاموں کی اتنی قدر تھی، سچ تو یہ ہے کہ مولانا کی ذات ہی تھی جس سے مجھے حوصلہ ملا کرتا تھا اور کام کرنے میں جی لگتا تھا، اب ادھر ادھر نگاہ کرکے دیکھتا ہوں تو کوئی نظر نہیں آتا جس کی ہمت افزا باتوں سے حوصلے اور کام کرنے کی لگن پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، انکی سیئات کو معاف کرے، انکے درجات کو بلند کرے، انکے پسماندگان کو صبر دے اور انکو انکا نعم البدل بنائے۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واجعل مقامہ عندک فی علیین انت السمیع العلیم ومجیب الداعین۔

محمد ۱۰ جمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازیپوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ای الاسلام خیر یعنی اسلام کی کون سی بات زیادہ بہتر ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، کہ تم (بھوکے لوگوں کو) کھانا کھلاؤ اور جن سے تمہاری جان پہچان ہو ان کو بھی اور جن سے تمہاری جان پہچان نہیں ہے ان کو بھی سلام کرو۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ)

اسلام کے بہت سے شعبے ہیں، اسلام نام ہی ہے اللہ کے احکام کی تابعداری کا، اور یہ تابعداری زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے، نماز، روزہ سے لیکر بیوی بچوں کے ساتھ رہنے سہنے کے ڈھنگ تک، نکاح، بیاہ سے لیکر تجارت و زراعت تک کے سبھی شعبوں میں اسلام کی جلوہ گری ہونی چاہیئے یعنی اسلامی احکام کے مطابق زندگی گذارنی چاہیئے، تبھی اسلام کا معنی انسان کی زندگی میں صحیح معنی میں پایا جائیگا۔ صحابہ کرام کو یہ سب معلوم تھا کہ خدا کے حکم کی ہر تعمیل کا نام اسلام ہے، مگر کبھی کبھار صحابہ کرام یہ جاننے کی خواہش رکھتے تھے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان کو وہ بات بتلائیں جس پر عمل کرنے میں زیادہ ثواب ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایسے موقع پر سوال کرنیوالے کے حال کے مطابق جواب ارشاد فرماتے، اسی وجہ سے ایک ہی طرح کے سوالات کے جوابات آپ نے پوچھنے والے کے حال کے مطابق الگ الگ دیئے ہیں، یہ آپ کے حکیم

ودانا ہونے کی دلیل تھی، ایک شخص غریب ونادار ہے اس کے لئے اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ کھانا کھلائے تو اس کیلئے اس پر عمل کرنا مشکل ہوگا، مگر ایک شخص غنی و ثری ہے مگر اسکی طبیعت میں بخل ہے، اب اس کیلئے یہی مناسب ہے کہ اسکے اندر سے بخل کی صفت ختم کر دیا جائے اور اس کو راہ خدا میں خرچ کرنے اور غریبوں اور فقیروں کی اعانت و امداد پر ابھارا جائے اور اس کے اندر انفاق کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

اسی طرح ایک شخص میں کبر کی صفت ہے، حتیٰ کہ وہ دوسروں کو سلام کرنے میں اپنی شان میں تحقیر سمجھتا ہے وہ چاہتا ہے کہ لوگ اسکو بڑھ کر سلام کریں خود اس کو دوسروں کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرنے سے اس کا تکبر مانع ہوتا ہے، تو اب اس کے مناسب حال یہی ہے کہ اس کو وہ بات بتلائی جائے جس سے اس کے کبر کا مرض ختم ہو اور تواضع کی صفت پیدا ہو۔

اوپر کی حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکیمانہ انداز کارفرما نظر آتا ہے، ظاہر بات ہے کہ اسلام میں سب سے اہم عبادت نماز ہے، پھر زکوٰۃ ہے اور اسی طرح کی دوسری روزہ و حج جہاد وغیرہ کا عمل ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ای الاسلام خیر کے جواب میں نہ نماز کا ذکر کیا، نہ زکوٰۃ کا نہ روزہ کا نہ حج کا نہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کا، بلکہ سوال کرنے والا کے حال کے مطابق جس میں غالباً بخل اور کبر کی صفات ذمیمہ کا آپنے مشاہدہ کیا ہوگا، یہ جواب دیا کہ فقیروں کو کھانا کھلاؤ اور متعارف، غیر متعارف کو سلام کرنے میں سبقت کرو، تمہارے لئے یہی سب سے بہتر اسلام کا عمل ہوگا تاکہ تمہارے اندر سے یہ بخل و کبر کی مذموم صفتیں نکل جائیں۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا مربی و معلم اور نفس کے اطباء کو مریض کیمطابق جواب دینا ہی عین حکمت و دانائی ہے، صوفیائے کرام کو اس فن میں مہارت حاصل تھی اسی وجہ سے ان کی تربیت کا انداز بھی بالکل نرالا تھا اور پھر جوان کے روحانی مطب سے شفایاب ہوتا وہ ہر طرح کی مذموم صفات سے پاک صاف ہوجاتا۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ سوار آدمی چلنے والے کو سلام کرے، چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے اور تھوڑی جماعت کے لوگ بڑی جماعت والوں کو سلام کریں۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر ہر چیز کا ادب سکھلایا ہے، آپس میں ہم ایک دوسرے کو سلام کیسے کریں، اس کا ادب کیا ہے، اس بارے میں بھی آپ کی ہدایت ہمارے لئے ہے، آپ نے سلام کا ادب یہ سکھلایا کہ جو سوار ہے وہ چلنے والے کو سلام کرے، آدمی جب سواری پر ہوتا ہے، گھوڑے پر، ہاتھی پر، اونٹ پر اور آج کل کار پر، موٹر سائیکل پر تو اس کے اندر ایک طرح کا ترفع پیدا ہو جاتا ہے، یعنی اس کے اندر اپنی بڑائی کا جذبہ ابھرتا ہے اور پیدل چلنے والے کو وہ کمتر اور حقیر سمجھتا ہے، اسی ترفع کے جذبہ کو ختم کرنے کیلئے آپ نے سوار کو یہ حکم دیا ہے کہ پیدل چلنے والے کو وہ سلام کرکے اپنے بڑے پن کے جذبہ پر قابو پائے۔

اسی طرح چلنے والے کو چاہئے کہ وہ بیٹھنے والے کو سلام کرے، راستہ گزرنیوالے زیادہ ہوتے ہیں اور راستہ میں بیٹھنے والے کم ہوتے ہیں، بیٹھنے والا سب چلنے والے کا خیال رکھے یہ مشکل ہے مگر چلنے والے بیٹھنے والے کو آسانی سے سلام کرکے گزر سکتے ہیں اور یہی راز اس میں بھی کہ تھوڑے آدمی زیادہ کو سلام کریں، اس میں آسانی بھی ہے اور زیادہ کا جواب تھوڑوں کے لئے روحانی غذا بن کر باعثِ تقویت بھی ہے۔

(۳) رسول پاکؐ کا ارشاد ہے جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر یہود و نصاریٰ (اہل کتاب) تم کو سلام کریں تو تم جواب میں صرف یہ کہو وعلیکم یعنی علیکم السلام کے بجائے صرف وعلیکم کہو جس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر وہ چیز نازل ہو جس کے تم مستحق ہو۔ (مشکوٰۃ متفق علیہ)

یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی تعلیمات کو بھلا کر اور حضرت عزیر کو اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہہ کر اپنے شرک کا کھلا اعلان کیا، اور اللہ تعالیٰ کی ذات جو لم یلد ولم یولد کی شان صمدیت و فردیت رکھتی تھی اس کو عیب لگانے کی کوشش کی

اس لئے ان کیلئے ہم سلامتی کی دعا کریں یہ دینی غیرت کے خلاف بات ہے، مگر حضورؐ نے یہ بھی نہیں کہا کہ تم ان کے لئے سلام کا جواب برُے الفاظ سے دو بلکہ ان کا معاملہ علیکم کہکر خدا کے سپرد کر دو کہ تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، جس کے تم مستحق ہوگے اللہ اس کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ فرمائے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مشرکوں کے اور اسلام کے دشمنوں کے ساتھ بہت زیادہ فراخ دلانہ معاملہ نہیں کرنا چاہئے ۔

آجکل یہ فیشن بن گیا ہے کہ آدمی اپنے کو زیادہ روشن خیال جتلانے کیلئے ہر کس وناکس کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے ، اور اپنا ظرف دوست ودشمن سب کیلئے ایک ہی جیسا رکھتا ہے یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے ، دوست اور دشمن کو ایک ترازو میں ہر جگہ نہیں رکھا جائے گا، بعض جگہ اسلامی غیرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ دشمن کے ساتھ وہ معاملہ نہ ہو جو دوست کے ساتھ ہوتا ہے ۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ کچھ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو انھوں نے اس طرح سلام کیا ۔ السام علیکم ۔ تو میں نے کہا بل علیکم السام واللعنۃ ، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے کہا کہ عائشہ اللہ کی ذات نرمی اختیار کرنے والی ہے، اور وہ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے ، تو حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ نے سنا نہیں کہ انھوں نے کیا کہا ؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بھی علیکم کہہ دیا تھا ۔

یہودی قدیم زمانہ سے نہایت خبیث قوم رہی ہے ، اس قوم کی خباثت یہ آج ہی کی بات نہیں ہے ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو سراپا اخلاق تھے اور دوست، دشمن سب ہی آپ کے خلق حسن کے مداح تھے ۔ آپ کے ساتھ بھی یہودیوں کا معاملہ ہمیشہ سے عداوت ودشمنی اور خبث باطن کے اظہار کا تھا ، ان کی یہ خباثت بات چیت ، سلام کلامؐ ہر چیز میں ظاہر ہوتی تھی ، ان کی خباثت ہی کی بات تھی کہ وہ حضورؐ کے پاس جب آئے

تو آپ کو سلام السام علیکم کہہ کر کرتے جس کے معنی ہے کہ تم پر موت ہو، اور زبان کو ایسا ٹیڑھا کرتے کہ سننے والا السام کو السلام سمجھے، چنانچہ یہودیوں کی ایک جماعت نے آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حضور کو اپنی اسی گندی عادت کے مطابق السام علیکم کہہ کر سلام کیا تو حضرت عائشہ کو حضورؐ کی شان میں ان کی یہ بیہودگی برداشت نہ ہوسکی اور انھوں نے اس کا جواب اس سے بڑھ کر دیا، اور فرمایا علیکم السام واللعنۃ یعنی تم لوگوں کو موت آ دے اور تم پر لعنت بھی ہو، اس پر اس سراپا رحمت اور رحمت مجسم اور حسن خلق کے پیکر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ کو تنبیہ فرمائی کہ عائشہ ان یہودیوں کو مت دیکھو کہ ان کی زبان سے کیا نکلتا ہے، تم اپنی زبان پر قابو رکھو، اسلئے کہ اللہ رفیق ہے یعنی نرمی اس کی ذات کی صفت ہے، اور وہ ہر چیز میں نرمی کو پسند کرتا ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا کیا آپ نے سنا نہیں کہ انھوں نے کیا کہا؟ تو آپؐ نے فرمایا: میں نے علیکم کہہ کر اس کا جواب دے دیا علیکم کا دو مطلب ہے ایک یہ کہ تم پر وہ چیز نازل ہو جس کے تم مستحق ہو، دوسرا یہ کہ یہ موت تم پر آئے۔

اس حدیث پاک سے دو باتیں حاصل ہوئیں ایک یہ کہ جاہلوں کی جہالت کا جواب میں ان کا ہی جیسا انداز اختیار کرنا یا بہت زیادہ تند و تیز لب و لہجہ میں ترکی بترکی جواب دینا اگرچہ عقلاً و شرعاً مذموم نہ ہو مگر اسلامی اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس سے اجتناب ہی کرنا بہتر ہے۔ مسلمانوں کو رفق و حلم کی تعلیم دی گئی ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا دین اسلام یا قرآن پاک یا اسلامی کی مقدس شخصیتوں کے بارے میں اگر کوئی دشمن اسلام کسی مسلمان کے سامنے بدکلامی کرے تو ایمان و غیرت اور دینی حمیت کا یہ تقاضا ہے کہ آدمی میں غصہ پیدا ہو، ایسے موقع پر بہت ٹھنڈے پنے رہنا اسلامی غیرت و دینی حمیت کے خلاف بات ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل یہ بتلا رہا ہے کہ ایمانی حرارت و غیرت کا اس طرح کے موقع پر اظہار بھی ضروری ہے البتہ اس بارے میں افراط اور غلو سے پرہیز ضروری ہے۔

از
محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

حضرت امام ابوحنیفہ پر محدثین کی جرحوں کی حقیقت

محترم حضرت مولانا غازی پوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

زمزم کا شمارہ نمبر ۶ جلد نمبر ۳ پہونچا، حضرت امام اعظم کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر آپ کی کتابوں اور زمزم کے شماروں سے پہلے سے معلوم تھا مگر یہ شمارہ بطور خاص نظر کشا ہوا، صاحب کتاب کے بارے میں پہلے سے معلوم ہے خاص طور پر آپ کی کتاب "صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر" پڑھنے کے بعد صحابہ کرام کے بارے میں رئیس احمد ندوی کے گندے خیالات ہمارے علم میں ہیں، جب یہ صاحب صحابہ کرام کو نہیں بخشتے ہیں تو امام ابوحنیفہ کی شان میں اگر یہ اپنی زبان تیز کریں اور بیہودہ کلمات بکیں تو تعجب کیا ہے۔

براہ کرم آپ ذرا اس کی وضاحت فرمائیں کہ رئیس احمد ندوی یا ان جیسے دوسرے غیر مقلدین اصحاب قلم حضرت امام ابوحنیفہ کی شان میں بکواس کرنے کیلئے جن کتابوں کا سہارا لیتے ہیں ان کتابوں کی حقیقت کیا ہے، کیا اس کے مصنفین قابل اعتبار لوگ ہیں! امید ہے کہ آپ اس جانب توجہ فرماکر احسان فرمائیں گے، واقعہ یہ ہے کہ آپ کی تحریروں نے ہمیں سلفیت کی حقیقت سے بہت کچھ واقف کرادیا ہے۔ والسلام

(بندہ نیازمند محمد ارشد قاسمی سنت کبیر نگر ۔ یوپی)

ناظرین! پہلے تو آپ یہ معلوم کریں کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں جن سے جرحیں منقول ہیں، ان جرحوں کا منشا کیا ہے، تو اس کی حقیقت کو حافظ ابن عبد البر مالکی نے جامع بیان العلم میں بایں الفاظ واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ونقموا ایضا علی ابی حنیفة الارجاء ومن اهل العلم من ینسب الی الارجاء کثیر لم یعن احد بنقل قبیح ما قیل فیه کما عنوا بذلك فی ابی حنیفة لامامته وکان ایضا مع هذا یحسد وینسب الیه ما لیس فیه، ویختلق علیه ما لا یلیق به وقد اثنی علیه جماعة من العلماء وفضلوه۔ (ص ۴۳۱ جامع بیان العلم طبع دار الکتب العلمیہ)

امام ابوحنیفہ پر لوگوں نے ارجاء کی وجہ سے بھی جرح کیا ہے، حالانکہ ارجاء کے قائلین بہت سے اہل علم رہے ہیں، لیکن جتنی بری باتیں امام ابوحنیفہ کے بارے میں کہی گئی ہیں وہ کسی اور کے بارے میں نہیں کہی گئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ (اللہ نے ان کو) امت کا پیشوا اور امام بنایا تھا، اسی کے ساتھ ساتھ لوگ ان پر حسد بھی کرتے تھے اور انکی طرف وہ باتیں منسوب کرتے تھے جن سے ان کا دامن پاک تھا اور جو ان کے مقام علم وفضل سے گری ہوئی تھیں، حضرت امام ابوحنیفہ کی تعریف علماء کی ایک بڑی جماعت نے کی ہے، اور ان کو دوسرے اہل علم پر فضیلت دی ہے۔

حافظ ابن عبد البر مزید فرماتے ہیں:

الذین رووا عن ابی حنیفة واثنوا علیه اکثر من الذین تکلموا فیه۔ (ایضاً ص ۴۳۲)

یعنی حضرت امام ابوحنیفہ سے جن محدثین نے روایت کیا ہے انکی تعداد ان لوگوں سے زیادہ ہے جنھوں نے ان پر جرح کی ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

وکان یقال یستدل علی نباهة الرجل من الماضین بتباین

یعنی کہا یہ جاتا رہا ہے کہ اسلاف میں سے کسی کے بارے میں لوگوں کی رایوں کا الگ الگ ہونا

اس آدمی کے بلند مرتبہ ہونیکی دلیل ہے ۔ (ایضاً ص ۲۲۳) الناس فیہ

یعنی جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے، اس کی طرف لوگوں کی نگاہ نہیں اٹھتی ہے، نگاہ اس کی طرف اٹھتی ہے جو باحیثیت اور عظیم القدر شخص ہوتا ہے، اور جس کا مقام جتنا بلند ہوتا ہے اس کے حاسدین بھی اسی قدر ہوتے ہیں، چونکہ وہ اس کے مقام بلند کو پا نہیں سکتے ہیں اس وجہ سے اس کی برائیاں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، آپ نے سنا ہوگا شجر ثمردار پر پتھر زیادہ پڑتے ہیں خالی درخت پر کوئی پتھر نہیں مارتا ہے ۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی بات سے آپ نے اندازہ لگا لیا کہ عیب حضرت امام اعظم میں کوئی نہیں تھا جس کی بنا پر ان پر جرح کی جائے، عیب ان میں تھا جنھوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو اپنی جرحوں کا نشانہ بنایا ہے اور وہ عیب حسد کا تھا۔ اور آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ وہ خطرناک اخلاقی بیماری ہے جس سے آدمی کا شفا پانا بہت مشکل ہوتا ہے ۔ حاسد اپنے محسود کے بارے میں ہر گھناؤنی حرکت کو آزماتا ہے، حتیٰ کہ وہ اس کے خلاف باتیں گڑھتا بھی ہے اور جھوٹی تہمتوں کے لگانے میں اس کو شرم نہیں آتی ہے، مگر ذلیل وخوار حاسد ہی ہوتا ہے محسود کا درجہ دن بدن بلند ہوتا رہتا ہے۔ حضرت امام اعظم کا معاملہ بھی یہی رہا۔ کم ظرفوں نے حسد تو بہت کیا، ان کے خلاف عوام میں بدظنی پیدا کرنے کیلئے جو کچھ ان کے بس میں تھا سب کچھ کیا، خوب خوب روایتیں گڑھیں، جھوٹ کا انبار لگایا مگر امام اعظم کی عزت و رفعت اور امامت فی الدین اور مقبولیت عند اللہ کا ستارا ہر روز بلند ہی ہوتا رہا، اور آج دنیا کا دو تہائی حصہ انھیں کے فقہ کا پابند ہے، اور انھیں کی تقلید کرتا ہے ؎

ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں
یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

اور حاسدین اور جھوٹوں کا انجام کیا ہو ؟ تو آج ان میں اکثر کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں ہے، کتابوں میں بس ان کا ذکر رہ گیا ہے، اور بعضوں کا انجام تو ایسا

بھیانک ہوا کہ الامان والحفیظ ، انھیں میں سے ایک صاحب نعیم بن حماد ہیں جو خیر سے حضرت امام بخاری کے استاذ بھی ہیں ، یہ صاحب امام ابوحنیفہ کے پکے دشمن تھے ، اور انکی ثقاہت وامانت کا حال یہ تھا کہ یہ حضرت امام اعظم کی شان میں بدگوئی کے لئے روایتیں گڑھا کرتے تھے ، امام اعظم کے خلاف جن محدثین نے حد درجہ گرے اخلاق کا ثبوت دیا ہے ان میں نعیم بن حماد کا نام سرفہرست ہے ۔ اس شخص کا حال بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :

کان یضع الحدیث فی تقویۃ السنۃ وحکایات مزورۃ فی ثلب نعمان کلھا کذب ۔	یعنی نعیم بن حماد سنت کو تقویت دینے میں حدثیں گڑھا کرتا تھا اسی طرح امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کیلئے افسانے تیار کرتا تھا جو سب کا سب جھوٹ ہوتے ۔
(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۶۳)	

تعجب ہے کہ ایسے وضاع اور مزور اور کاذب کی روایتوں کو حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں درج کیا ہے اور اس سے روایتیں لی ہیں ، لوگ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے دوسروں کی حدیثوں کے ساتھ ملاکر اس کی روایتیں نقل کی ہیں ، بلاشبہ بخاری نے ایسا ہی کیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا ایسا وضاع کذاب شخص اس لائق بھی تھا کہ اکی روایتیں دوسروں کی روایتوں کو ملاکر ہی لی جائیں ؟ امام ابوحنیفہ پر اسکا کذب وافترا تو یہ کہکر گوارا کرلیا جا سکتا ہے کہ اس شخص کو امام سے دشمنی تھی اور یہ اس کے لئے جو کرتا تھا سو کرتا تھا مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس شخص کی محتاج تھی کہ وہ ان کو قوی بتلانے کیلئے احادیث گڑھنے کا گھناؤنا فعل انجام دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کی طرف ان باتوں کو منسوب کرے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ادا نہ ہوئی تھیں ۔

خیر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جن لوگوں نے حسد وعداوت کا معاملہ کیا اور ان کی شان میں بٹہ لگانے کی کوشش کی ان میں سے بعض کا انجام

بہت بُرا ہوا، انھیں میں نعیم بن حماد بھی تھا ، لوگوں نے لکھا ہے کہ حکومت وقت نے اس کو گرفتار کیا اور اس کو رسی میں جکڑ کر کھینچا گیا اور ایک گڈھے میں ڈال دیا گیا اور اس طرح اسکو زندہ دفن کر دیا گیا۔

ولم یکفن ولم یصل علیہ   نہ اس کو کفن نصیب ہوا اور نہ اس کو نماز جنازہ پڑھی گئی ۔   (دیکھو تاریخ خطیب ص ۲۱۴/۱۳)

نعیم بن حماد کا حوالہ امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کرنے والے بہت دیتے ہیں، اور نعیم ہی کے حوالہ سے امام بخاری نے بھی حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ شاندار روایت ذکر کی ہے۔
امام بخاری ابونعیم کے حوالہ سے اپنی کتاب تاریخ صغیر میں لکھتے ہیں ۔

حدثنا نعیم بن حماد قال	یعنی بیان کیا ہم سے نعیم بن حماد نے اس نے کہا
حدثنا الفزاری قال کنت عند	کہ بیان کیا ہم سے فزاری نے ، اس نے کہا کہ میں
سفیان فنعی النعمان فقال الحمد للہ	املا سفیان کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے پاس
کان ینقض الاسلام عروۃ عروۃ	ابوحنیفہ کے وفات کی خبر آئی تو انھوں نے کہا
ماولد فی الاسلام اشأم منہ	اللہ کا شکر ہے یہ شخص اسلام کو گھنڈی گھنڈی
(ص ۱۷۱ مطبوعہ لاہور)	کر کے توڑتا تھا اسلام میں اس سے بڑا بدبخت
	کوئی پیدا ہی نہیں ہوا ۔

تعجب ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر انھوں نے اس گندی اور بالکل ظاہر الکذب روایت کو جس کا گڑھا ہونا بالکل واضح ہے کیسے روایت کیا، کیا ان کو معلوم نہیں تھا کہ ان کا یہ استاذ کس کردار اور کس صفت کا آدمی ہے ، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر محدث ہیں سب کو معلوم ہے کہ عام فقہی و اعتقادی مسائل میں عموماً وہ حضرت امام ابوحنیفہ کی موافقت کرتے ہیں ، ان کے بارے میں اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مسلمان چہ جائیکہ امام اعظم جیسے جلیل القدر فقیہ کی وفات سن کر انا للہ پڑھنے کے بجائے اپنی زبان سے ایسے گندے الفاظ نکالیں گے جس کا تصور ایک عام مسلمان سے

بھی نہیں کیا جا سکتا، چونکہ یہ بات امام بخاری نے نقل کی ہے اس وجہ سے امام ابوحنیفہ کے دشمنوں کو امام کے خلاف بکواس کرنے کیلئے اور اپنا بغض ظاہر کرنے کیلئے ایک بڑا ہتھیار مل گیا، مگر اس سے امام اعظم کا تو کچھ نہیں بگڑا بلکہ امام بخاری ہی کو تنقید کا نشانہ بننا پڑا، اس روایت کو نقل کر کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ

نعیم کے متعلق نقادائمہ حدیث میں سخت اختلاف ہے، بعض کی رائیں اچھی ہیں اور بعض کی بہت سخت ہیں :

پھر فرماتے ہیں :

عباس بن مصعب نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ نعیم بن حماد نے حنفیوں کے رد میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

یعنی نعیم بن حماد کا ایک دلچسپ مشغلہ یہی تھا کہ وہ احناف کے خلاف کتابیں لکھا کرے، اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ ان کتابوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بے اصل روایتیں نقل کرتا تھا یعنی بے شرمی و بے دینی کی انتہا پر یہ شخص تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے دھڑک جھوٹ حدیث منسوب کرتا تھا، حضرت امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ میں اس ابونعیم کے حال سے خوب واقف ہوں، پھر نعیم کی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں جس میں اس نے رائے وقیاس کی مذمت میں ایک حدیث گڑھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے۔ لیس لہ اصل، یعنی یہ حدیث بالکل بے اصل ہے۔

یہ سب کہہ کر حافظ ابراہیم سیالکوٹی صاحب فرماتے ہیں :

اس روایت کو نعیم کی کتب دربارہ تردید حنفیہ کے ساتھ ملا کر غور کیا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ نعیم کی مخالفت بنا بر تحقیقات نہیں بلکہ بے اصل روایات کی بنا پر ہے۔

اور اس کے بعد حافظ ذہبی کی میزان سے انھوں نے بھی یہ نقل کیا ہے کہ نعیم

سنت کی تقویت میں حدیث بنالیا کرتا تھا اور جھوٹی حکایتیں بھی امام ابوحنیفہ کی عیب گوئی میں جو سب کی سب جھوٹ ہیں۔ میزان جلد دوم ص ۵۳۶ (تاریخ اہلحدیث ص ۹۲)

پھر حافظ صاحب نعیم کے بارے میں امام نسائی کی یہ جرح نقل کرتے ہیں۔ نعیم ضعیف لیس بثقة یعنی نعیم ضعیف ہے ثقہ نہیں۔ لیس بحجة وہ حجت نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں لکھا ہے لیکن یہ بھی کہا ہے کہ وہ غلطی بھی کرتا تھا اور وہم بھی۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ نعیم بن حماد کی بیس احادیث ایسی ہیں جن کا کوئی اصل نہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ
خلاصۃ الکلام یہ کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بنا پر حضرت امام ابوحنیفہ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں۔ ص ۹۴

حضرت امام ابوحنیفہ کے حاسدین اور ان سے عداوت و دشمنی رکھنے والے آپکی بدگوئی کے لئے اسی طرح کی روایتوں کا سہارا لیتے ہیں۔

خیر یہ تو امام بخاری کے استاذ ابونعیم کا حال تھا، نعیم نے اس روایت کو فزاری سے نقل کیا ہے۔ یہ فزاری کون بزرگ ہیں، تو دکتور محمود الطحان[1] اپنی کتاب الحافظ الخطیب البغدادی واثرہ فی علوم الحدیث میں فرماتے ہیں۔

والفزاری هذا يطلق لسانه فی ابی حنیفة	یعنی فزاری حضرت امام ابوحنیفہ کی شان
كثيرا ويعاديه فی جميع المجالس يتقرب الى الخلفاء	میں بہت زیادہ زبان چلاتا تھا اور اپنی تمام
بذمه ونسبته الى القول بالخروج على	مجلسوں میں ان سے عداوت کا معاملہ کرتا تھا
الخلفاء العباسيين وسبب ذلك	اور خلفاء عباسیین کے دربار میں ان کو
على ما قيل ان اباحنيفة كان	قتل کرانے کے درپے رہا کرتا تھا اس طرح وہ

---

(۱) استاذ الحدیث بجامعہ محمد بن سعود الاسلامیہ بالریاض

افتی اخاہ الفزاری بموازرۃ ابراھیم بن عبد اللہ الطالبی الذی خرج بالبصرۃ علی ابی جعفر المنصور فقتل اخوہ فی الحرب مع ابراھیم فطار صوابہ حزنا علی مقتل اخیہ واعتبر ابا حنیفۃ ھو السبب فی قتلہ فاطلق لسانہ بجھل عظیم علی شیخہ ابی حنیفۃ کما ھو مذکور فی مقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۔ ص ۳۲۸

ان کا تقرب حاصل کرنا چاہتا تھا وہ ان سے یہ کہتا تھا کہ امام ابوحنیفہ خلفاء عباسیین کے خلاف بغاوت بھڑکاتے ہیں، اور اس کا سبب جیسا کہ کہا جاتا ہے یہ تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے اس کے بھائی کو فتویٰ دیا تھا کہ جعفر منصور کے خلاف ابراہیم بن عبداللہ الطالبی کی جنگ میں مدد کرے، چنانچہ اس کا بھائی اس جنگ میں قتل ہوا تو اس فزاری کی عقل بھائی کے غم میں جاتی رہی اور وہ سمجھتا تھا کہ ابوحنیفہ اسکے بھائی کے قتل ہونے کا سبب بنے ہیں تو اس نے اپنے شیخ امام ابوحنیفہ کیخلاف نہایت جاہلانہ طریقہ پر زبان کو بے لگام کردیا یہ سارا قصہ ابن حاتم کی کتاب جرح وتعدیل کے مقدمہ میں مذکور ہے۔

ابواسحٰق فزاری کا حال ہو گیا تھا کہ بقول دکتور محمد بن الطحان۔

فقد وصل الامر بالفزاری ان یستعین بالائمۃ لیطعن فی ابی حنیفۃ فینسب الیھم القول ثم یکملہ من عندہ ۔

یہ شخص ائمہ حدیث کے نام کو امام ابوحنیفہ پر جرح کا ذریعہ بناتا اور ان کی طرف کچھ باتیں منسوب کرکے اپنی طرف سے ان گڑھی حکایتوں اور قصوں کی تکمیل کرتا تھا۔ ص ۳۳۱

غرض ابواسحٰق فزاری پر اپنے بھائی کے قتل کئے جانے کا غم ایسا سوار ہوا کہ وہ امام ابوحنیفہ کا پکا دشمن ہو گیا اور اس نے ائمہ حدیث کے نام پر خوب خوب حکایتیں گڑھیں اور ان کو رواج دیا، جن کو امام ابوحنیفہ سے ذرا بھی کد رہی انھوں نے ان جھوٹی روایتوں

اور حکایتوں کو مزا لے لے کر اپنی کتابوں میں درج کیا، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی یہی تھا کہ ان کا ذہن حضرت امام ابو حنیفہ کی طرف سے کسی وجہ سے صاف نہیں تھا۔ جس کی شہادت خود ان کی کتاب صحیح بخاری میں بھی موجود ہے جس سے ہر صاحب علم واقف ہے، سیرۃ امام بخاری کے غیر مقلد مصنف مولانا عبد السلام مبارکپوری فرماتے ہیں۔

> انھوں نے (یعنی امام بخاری نے) صحیح بخاری میں اہل الرائے پر جس طرح تعریضات کی ہیں مخفی نہیں۔ ص۹۶

اس وجہ سے انھوں نے بھی حضرت امام ابو حنیفہ کے بارے میں فزاری اور ابو نعیم جیسے افاک وکذاب کی گڑھی روایتوں پر اعتبار کر لیا اور امام ابو حنیفہ کی شان میں اپنے مقام ومرتبہ سے ہٹ کر بالکل خلاف عقل باتوں کو بھی قبول کر لیا، صحیح سندوں سے امام ابو حنیفہ کی شان میں حضرت سفیان کی جو باتیں ہیں بخاری نے ان سے صرف نظر کیا اور امام ابو حنیفہ کے بارے میں منحوس ہونے کی بات ابو نعیم اور فزاری جیسے لوگوں پر اعتبار کر کے اپنی کتاب میں درج کر دی، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو فن حدیث کے امام تھے، احادیث کا خزانہ ان کے ذہن میں تھا، ان کے بعض غالی معتقدین تو ان کے بارے میں اس طرح کی باتیں نہایت شوق وذوق سے لکھتے ہیں کہ۔

> ایک روز امام بخاری نے رات میں احادیث شمار کرنی شروع کی تو دو لاکھ حدیثوں کو شمار کیا جو انھوں نے مختلف تصانیف میں داخل کی تھیں[1] اور فرمایا کہ اگر مجھ سے کہا جائے تو میں ابھی بیٹھ کر صرف ایک نماز سے متعلق دس ہزار حدیثیں روایت کر سکتا ہوں۔ (سیرۃ امام بخاری از مبارکپوری ص۹۲)

---

(۱) غیر مقلدین اس طرح کی مبالغہ آرائیوں کو امام بخاری کی تعریف میں مزہ لے کر بیان کرتے ہیں، مگر امام ابو حنیفہ کا عشاء کے وضو سے تہجد کی نماز پڑھنے کا واقعہ ان کے سر میں درد پیدا کرتا ہے، آپ غور فرمائیں امام بخاری ایک رات میں دو لاکھ حدیث شمار کرتے ہیں اور صرف نماز کے بارے میں دہ

ایسے جلیل القدر امام حدیث کو یہ کیسے نہیں معلوم ہو سکا کہ اسلام میں شوم اور نحوست کوئی چیز نہیں ہے، اور اگر ہے بھی تو صرف تین چیزوں میں ہے، حضرت امام بخاری کی نگاہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات کیوں اوجھل رہے۔

حقیقت میں بات وہی ہے جس کو اہل بصیرت نے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ پر جرح کرنے والے دو ہی طرح کے لوگ تھے، یا تو حاسد تھے، یا جاہل تھے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام تو مسلم ہے، مگر حسد وہ مرض ہے کہ اس سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ محفوظ رکھے، اور پھر جب استاذ بھی امام بخاری کو نعیم اور حمیدی جیسے لوگ مل جائیں جن کی جلن اور کڑھن امام ابو حنیفہ سے اور احناف سے معروف زمانہ ہے تو پھر امام بخاری کی زبان و قلم سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں جو بھی نہ نکل جائے مقام تعجب نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ جو امام بخاری کے استاذوں کے استاذ تھے کے بارے میں
امام بخاری نے جو جرحیں کی ہیں شاید وہ اللہ کو پسند نہیں آئیں اور غالباً اسی
کا نتیجہ تھا کہ امام بخاری جیسا جلیل القدر محدث اور فن حدیث کا امام جس کی
شہرت سے عالم اسلام گونج رہا تھا اور جس کے شاگردوں کی تعداد ہزارہا ہزار تھی

دس ہزار حدیثیں ایک مجلس میں بیان کر سکتے تھے، کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے، اور کمال یہ ہے کہ جو امام بخاری ایسے تھے کہ ایک مجلس میں دس ہزار صرف نماز کے بارے میں روایت کر سکتے تھے ان کو قرأت خلف الامام کے سلسلہ کی نہ آمین بالجہر کے سلسلہ کی ایک صریح روایت نہیں مل سکی جس کو وہ اپنی صحیح بخاری میں درج کر سکیں، اور سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے والی کا تو امام بخاری کی صحیح میں کہیں نشان بھی نہیں ملتا، نہ ایک ہاتھ سے مصافحہ نہ تین طلاق کے ایک ہونے کا نہ تراویح کی آٹھ رکعتوں کا، حالانکہ یہی وہ مسائل ہیں جن پر آج کے غیر مقلدوں کا سارا زور صرف ہوتا ہے۔

اپنی عمر کے آخر ایام میں بہت بے قیمت اور بے حیثیت ہوگیا تھا اور اس پر دنیا کی زمین تنگ ہوگئی تھی، حضرت امام ذہلی نے ان کو اپنے دربار سے اس طرح باہر کیا کہ نیشاپور سے جب وہ نکلے ہیں تو ان کے ساتھ امام مسلم اور ایک اور صاحب کے سوا کوئی نہیں تھا اور نیشاپور سے نکلنے کے بعد انکو کبھی قرار سے رہنے کا موقع نہیں ملا، انکی مخالفت کرنے والے اتنے ہوگئے کہ کسی جگہ پناہ لینا مشکل ہوگیا اور آخر کار امام بخاری کو اللہ سے یہ دعا کرنی پڑی، خدایا تیری زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے، مجھے اپنے پاس بلالے، خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور چند ہی روز بعد امام بخاری کا انتقال ہوگیا۔ (سیرۃ امام بخاری ص۹۹)

جنازہ میں کتنے آدمی شریک ہوئے، نماز جنازہ کس نے پڑھائی اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، حضرت امام اہل سنت احمد بن حنبل کا جب انتقال ہوا تھا تو ان کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد لوگوں نے دس لاکھ بتلائی ہے، مگر امام المحدثین بخاری کا ایک گمنام جگہ میں انتقال ہوجاتا ہے اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی اور کتنے لوگ اس میں شریک تھے اور معنوی طور پر امام بخاری کی شخصیت ایسی مجروح ہوئی کہ امام مسلم جیسے ان کے شاگرد نے صحیح مسلم میں امام بخاری سے کوئی روایت نہیں لی اور بہت سے محدثین نے ان پر جرح کی اور طرح طرح کے ان کے اوپر مواخذات ہوئے، ان کی لوگوں نے غلطیاں نکالیں، اس بارے میں انھوں نے تصانیف کیں امام ذہلی اور ابوحاتم نے ان کو متروک قرار دیا، صحیح بخاری کے راویوں تک پر دارقطنی جیسے محدث نے کلام کیا، امام بخاری اور ان کی کتاب کے ساتھ یہ معاملہ کرنیوالا الحمدللہ کوئی حنفی اور اہل الرائے میں سے نہیں تھا بلکہ یہ سب کے سب امام بخاری کے ہم مسلک وہم مشرب محدثین ہی تھے، احناف نے تو امام بخاری کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی کہ ان کا معاملہ امام ابوحنیفہ کے ساتھ کیسا رہا ہے، ان کو ہمیشہ اپنے سر ہی پر بٹھایا اور ان کو امیر المومنین فی الحدیث ہی سمجھا۔

امام بخاری جس کسمپرسی کے آخری ایام گذار کر اس دنیا سے تشریف لے گئے اور

اور جس طرح سے ان کا جنازہ پڑھا گیا اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ کی شان میں اپنی زبان دراز کرتے ہیں ۔

حضرت امام اعظم کے خلاف جن لوگوں نے بکواسیں کی ہیں یہ لوگ عقیلی کی کتاب کتاب الضعفاء سے بھی بہت کچھ نقل کرتے ہیں ، محدث عقیلی نے کتاب الضعفاء میں امام ابوحنیفہ کا ذکر کر کے ان کا حدیث میں ضعیف ہونا ثابت کیا ہے ، اور امام ابوحنیفہ سے جلنے بھلنے والے لوگ اس کتاب کی باتوں کو نقل کر کے عوام کو امام ابوحنیفہ سے بھڑکاتے ہیں چونکہ محدث عقیلی اور ان کی کتاب سے عام طور سے لوگ ناواقف ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ ان باتوں کو سچ سمجھ لیتے ہیں ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر محدث عقیلی اور ان کی کتاب پر اعتماد کیا جائے اور اس کو قابلِ اعتبار سمجھا جائے اور عقیلی کو محدثین کے ضعیف ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں معیار قرار دیا جائے تو ثقہ محدثین کی ایک بہت بڑی تعداد مجروح قرار پائے گی ، حتیٰ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے رواۃ بھی ناقابلِ اعتبار قرار پائیں گے اور اس طرح صحیحین کا پایہ اعتبار بھی جاتا رہے گا ۔ عقیلی کا حال تو یہ ہے کہ وہ امام بخاری کے سب سے بڑے استاذ جن کی روایتوں سے بخاری نے اپنی صحیح کو بھر رکھا ہے یعنی علی بن المدینی کو بھی اس کتاب میں ذکر کیا ہے ، حالانکہ علی بن المدینی وہ ہیں جن کے ثقہ ہونے اور جن کی جلالت قدر پر سارے محدثین کا اتفاق عام ہے ، مگر عقیلی نے ان کو بھی ضعیف قرار دیا ہے ۔

عقیلی نے کثیر بن شنظیر کو بھی ضعیف قرار دیا ہے حالانکہ نسائی کے سوا اصحاب ستہ نے ان کی روایتوں کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے ۔ (دیکھو کتاب الضعفا ص ۶/۱۷)

کثیر بن شنظیر کی روایتوں کی تخریج امام بخاری نے کی ہے اور ایک روایت کی تخریج امام مسلم نے کی ہے ، بخاری والی روایت کو ابوداؤد اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے ۔

عقیلی نے کتاب الضعفاء میں کثیر مولی ابن سمرہ کا بھی ذکر کیا ہے ، اور کمال یہ ہے کہ صرف ذکر کیا ہے کسی سے ان پر کوئی جرح نہیں نقل کی ہے ۔ ص ۳/۴۳

عقیلی نے اس کتاب میں محمد بن ابراہیم تیمی کا بھی ذکر کیا ہے (ص۲ ج۴) حالانکہ محمد بن ابراہیم کی توثیق پر سارے محدثین کا اتفاق ہے امام بخاری نے ان کی روایت سے اپنی صحیح میں احتجاج کیا ہے، ابن معین ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں، ابوحاتم نے بھی انکو ثقہ قرار دیا ہے، امام نسائی، ابن خراش، ابن حبان یعقوب بن شیبہ سب نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، امام ذہبی فرماتے ہیں، وثقه الناس واحتج به الشیخان وتفرد القنطرۃ یعنی عام طور پر لوگوں نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، شیخین یعنی بخاری ومسلم نے ان سے احتجاج کیا ہے اور یہ زبردست قسم کے ثقہ تھے۔ (دیکھو اس صفحہ کا حاشیہ)

عقیلی نے محمد بن اسحٰق کو بھی کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے، حالانکہ اس کی روایت سے غیر مقلدین قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں احتجاج کرتے ہیں اور یہ شخص ان کے نزدیک زبردست ثقہ ہے۔

عقیلی نے محمد بن جحادہ کو بھی ضعیف قرار دیا ہے (ص۴۳ ج۴) حالانکہ یہ شخص بالاتفاق ثقہ محدث ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد ونسائی، ترمذی، ابن ماجہ ان تمام کتابوں میں ان کی حدیثیں ہیں۔

عقیلی نے محمد بن حسن الاسدی کو بھی ضعیف قرار دیا ہے (ص۵۰ ج۴) حالانکہ یہ بخاری کے نزدیک حجت ہیں، بخاری نے اپنی صحیح میں ان کی روایت ذکر کی ہے، نسائی میں بھی ان کی روایت ہے اور بڑے بڑے محدثین نے جیسے ابن المدینی، دارقطنی ابن شاہین وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

عقیلی نے محمد بن ارشد الخزاعی کو بھی ضعیف بتلایا ہے (ص۶۰ ج۴) جب کہ امام احمد، ابن معین وعلی بن المدینی، نسائی جیسے لوگ ان کو ثقہ بتلاتے ہیں، ان کے تلامذہ میں کبار ائمہ فقہ وحدیث ہیں، مثلاً امام ثوری شعبہ ابن المبارک ابن مہدی وغیرہ نے اس سے روایت کی ہے۔ (صفحہ کا حاشیہ دیکھو)

عقیلی نے محمد بن طلحہ کو بھی ضعیف قرار دیا ہے (ص۸۵ ج۴) جب کہ یہ صدوق مشہور ہیں

بخاری ومسلم میں ان کی روایتوں سے احتجاج کیا گیا ہے۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث جیسے عبدالرحمٰن بن مہدی ابن سلام ابوداؤد طیالسی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے، امام احمد عجلی ابن حبان وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، عقیلی نے محمد بن عبداللہ بن مسلم کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ (ص ۸۸ ج ۴)

جب کہ ان کے صدوق اور ثقہ ہونے پر اتفاق عام ہے، بخاری ومسلم اور سنن اربعہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔

اسی طرح عقیلی نے محمد بن عمر کو بھی ضعیف قرار دیا ہے ص ۱۰۹ ج ۴ جب کہ انکی توثیق پر اتفاق عام ہے، بخاری ومسلم اور سنن اربعہ میں ان کی حدیثیں ہیں۔

عقیلی نے محمد بن عجلان المدینی کو بھی ضعیف قرار دیا ہے (ص ۱۱۸ ج ۴) حالانکہ یہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت محدث تھے ان سے روایت کرنے والوں میں امام مالک امام شعبہ یحییٰ بن سعید القطان جیسے ائمہ حدیث ہیں سنن اربعہ میں ان کی روایت موجود ہے۔

عقیلی نے محمد بن فضیل بن غزوان کو بھی ضعفاء میں ذکر کیا ہے ص ۱۱۸ ج ۴ جب کہ ان کا ثقہ ہونا متفق علیہ بات ہے۔ بخاری، مسلم اور سنن اربعہ میں انکی روایت موجود ہے۔

اس طرح نہ معلوم کتنے ثقہ محدثین اور صحاح ستہ کے راویوں کو عقیلی نے اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے ان کی مقدس شخصیتوں کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے اگر انھوں نے حضرت امام اعظم کو بھی اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے تو ثقہ کو غیر ثقہ قرار دینا غیر مجروح کو مجروح قرار دینا یہ عقیلی کا کام ہی رہا ہے، ان ثقہ راویوں کا کچھ نہیں بگڑا البتہ اس سے خود عقیلی کی اپنی شخصیت مجروح ہو گئی۔

عقیلی نے جب ابن المدینی بخاری کے استاذ تک کو نہیں چھوڑا تو وہ ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کو کب بخشنے والے تھے، امام ذہبی ابن المدینی کو عقیلی کی

مجروح اور ضعیف قرار دینے کی حرکت پر برافروختہ ہو کر عقیلی سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

فما لك عقل یا عقیلی اتدری فیمن تتکلم کانك لا تدری ان کل واحد من هولاء اوثق منك بطبقات بل اوثق من ثقات کثیر من لم تورد هم فی کتابك۔ (المیزان ص ۱۴ ج ۳)

یعنی اے عقیلی کیا تجھے عقل نہیں ہے کہ تو کس کو مجروح قرار دے رہا ہے، گویا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ان میں سے ہر ایک تجھ سے کئی درجہ بڑھ کر ثقہ ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ثقہ ہیں جن کا تو نے اپنی اس کتاب میں ثقہ جان کر ذکر نہیں کیا ہے۔

تعجب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے معاندین عقیلی کی جرح کو امام ابوحنیفہ کے بارے میں تو بڑی خوشی سے نقل کرتے ہیں، مگر عقیلی نے جن دوسرے بخاری و مسلم کے راویوں پر کلام کیا ہے اسے وہ قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، یہ ہے ان دشمنان ابوحنیفہ کے انصاف کی بات۔

عقیلی کی کتاب الضعفاء کے محقق و محشی امام ابوحنیفہ کے بارے میں عقیلی کی جرحوں کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

ولا یفوتنی ان اذکر ان ابن عبد البر رد بعض الجراح فی انتقائه انصافا لبعض الثقات الذین ضعفهم العقیلی وکان ابن الدخیل راویة العقیلی فالف جزءًا فی فضائل ابی حنیفة ردا علی العقیلی حیث اطال لسانه فی فقیه الملة واصحابه البررة شان الجهلة الاغرار، وتبرأ من مما خطته یمین العقیلی مما یجافی الحقیقة۔

یعنی یہاں مجھے یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ عقیلی کی بعض ثقات کے بارے میں جو جرحیں ہیں جن کی بنا پر اس نے انکو ضعیف قرار دیا ہے اسکو اظہار انصاف کے طور پر حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الانتقاء میں رد کر دیا ہے، اور عقیلی کے راوی ابن دخیل نے امام ابوحنیفہ کے فضائل میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس میں اس نے عقیلی کا رد کیا ہے، اسلئے کہ اس نے امت کے فقیہ امام ابوحنیفہ اور ان کے نیک و صالح شاگردوں کے بارے میں اپنی زبان کو لمبا کیا ہے

فسمعه حکم بن المنذر البلوطی الاندلسی من ابن الدخیل بمکہ وسمعه منه ابن عبد البرفساق غالب مافیه من المناقب فی ترجمة ابی حنیفة من الانتقاء۔

(کتاب الضعفاء (ص ۹۶/۱۲)

جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، عقیلی کا یہ عمل جاہل بیوقوں کا ہے، جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ اس رسالہ کو ابن الدخیل سے مکہ میں حکم بن المنذر البلوطی اندلسی نے سنا اور بلوطی سے حافظ ابن عبد البر نے سنا پھر انھوں نے اپنی کتاب الانتقار میں امام ابوحنیفہ کے ترجمہ میں اس کتاب کا اکثر حصہ نقل کیا ہے۔

یعنی عقیلی نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں جو بکواسیں کی ہیں اس کا رد خود اس کے خاص شاگردوں نے ہی کر دیا تھا، اور عقیلی کا یہ عمل ان کے نزدیک جاہلوں اور بیوقوں کا عمل قرار پایا اور انھوں نے اس کی بکواسوں کو حقیقت سے دور بتلایا۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں جن کی امامت و ثقاہت اور علمی تبحر اور فضائل ومناقب زبان زد عوام ہیں کسی کی جرح کو قبول نہیں کیا جائے گا، چاہے وہ اپنے وقت کا کتنا بڑا بھی عالم ہو۔ اس لئے کہ بقول حافظ ابن حجر امام ابوحنیفہ پر جرح کرنے والے دو ہی طرح کے لوگ ہیں یا تو ان کے علم وفضل اور خداداد مقبولیت ومحبوبیت کی وجہ سے ان پر حسد کرنے والے ہیں یا ان کے مقام ومرتبہ سے جاہل ہیں۔

حافظ ابراہیم سیالکوٹی مشہور غیر مقلد عالم ہیں وہ تاریخ اہلحدیث میں فرماتے ہیں۔

حافظ ذہبی کے بعد خاتمۃ الحفاظ ابن حجر کو بھی دیکھئے علوم حدیثیہ وتاریخیہ میں ان کے تبحر وفضل وکمال اور احوال رجال سے پوری آگاہی کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ تہذیب التہذیب جو اصل میں امام ذہبی کی کتاب تہذیب کی تہذیب ہے، امام ابوحنیفہ کے ترجمہ میں آپ کی دینداری اور نیک اعتقادی اور صلاحیت عمل میں کوئی خرابی اور کسر بیانی نہیں کرتے بلکہ بزرگان دین سے ان کی الحمد تعریف نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ الناس فی ابی حنیفة حاسد وجاهل یعنی حضرت امام ابوحنیفہ کے متعلق بری رائے

رکھنے والے لوگ کچھ تو حاسد ہیں اور کچھ جاہل ہیں۔ سبحان اللہ کیسے اختصار سے دو حرفوں میں معاملہ صاف کر دیا ہے۔ صفحہ ۹

سیالکوٹی صاحب مزید حافظ ابن حجر کی یہ بات لکھتے ہیں۔

حافظ صاحب ممدوح (یعنی ابن حجر) لکھتے ہیں کہ قاضی احمد بن عبدہ قاضی رے نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ ہم ابن عائشہ کے پاس بیٹھے تھے کہ اس نے امام ابوحنیفہ کی ایک حدیث بیان کر کے کہا کہ تم لوگ اگر آپ کو پاتے تو ضرور آپ کو چاہنے لگتے پس تمہاری اور انکی مثال ایسی ہے جیسے یہ شعر کہا گیا ہے ؎

اقلوا علیھم ویلکم لا ابا لکم،

من اللوم اوسدوا المکان الذی سدوا

یعنی لوگو تمہارا برا ہو، تمہارے باپ مر جائیں ان پر ملامت کی زبان کو کوتاہ کرو، ورنہ اس مکان کو پُر کرو جسکو انھوں نے پُر کیا تھا، یعنی ویسے بن کر دکھاؤ۔ سبحان اللہ کیسے عجیب پیرائے میں اعلیٰ درجہ کی تعریف کی ہے (صفحہ ۹)

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور انکے ممتاز تلامذہ کے بارے میں کسی کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ان جرحوں کی بنا یا تو مذہبی منافرت ہے یا حسد و جہل کا جذبہ، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کے بارے میں محدثین کی طرف جو منسوب حکایتیں ہیں، وہ سب دشمنان ابوحنیفہ کی گڑھی ہوئی باتیں، اور سراسر کذب و اختراع ہیں، جن ائمہ کی طرف ان باتوں کو امام کے حق میں منسوب کیا گیا ہے ان کا دامن اس طرح کی باتوں سے قطعًا پاک ہے۔

ابن ابی حاتم نے بھی اپنی کتاب، کتاب الجرح والتعدیل میں امام ابوحنیفہ پر زبانِ تنقید کھولی ہے مگر ان کی اس کتاب کا سارا مادہ امام بخاری کی کتاب تاریخ کبیر سے چرایا ہوا ہے، اور چرایا ہوا اس لئے کہہ رہا ہوں کہ انھوں نے کہیں یہ اشارہ نہیں کیا ہے

کہ انھوں نے اپنی یہ کتاب امام بخاری کی کتاب کو سامنے رکھ کر تیار کی ہے۔

خطیب کہتے ہیں کہ انما اخذ مادۃ التاریخ الکبیر للبخاری فعمل منھا کتاب الجرح والتعدیل ونسبہ الی نفسہ۔

یعنی ابن حاتم نے امام بخاری کی کتاب تاریخ کبیر سے سارا مادہ لیکر اپنی کتاب الجرح والتعدیل تیار کی ہے اور اس کتاب کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، پھر خطیب لکھتے ہیں۔ ومن العجب ان ابن ابی حاتم اغار علی کتاب البخاری ونقلہ الی کتابہ فی الجرح والتعدیل یعنی عجیب بات ہے کہ ابن ابی حاتم نے بخاری کی کتاب پر ڈاکہ ڈالا اور اس کو اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں نقل کیا ہے۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ بخاری کی تاریخ کبیر میں جن اسماء کا ذکر ہے انکو اکٹھا کیا اور ان کے بارے بارے میں اپنے باپ ابوحاتم اور امام ابوزرعہ سے معلومات حاصل کر کے پھر امام بخاری پر اعتراض کیا اور ان کی غلطیوں کو جمع کیا، اور اپنی ان تمام حرکتوں پر کسی طرح کا کوئی عذر بھی پیش نہیں کیا۔[1]

جس کی دیانت و امانت کا یہ حال ہو وہ خود کتنا بڑا مجروح شخص ہوگا اور اس کی جرح کسی کے بارے میں کب قابلِ قبول ہوگی، افسوس ایسے مجروح اور غیر ثقہ اور غیر امین لوگوں کو بھی حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ جیسے امام فقہ وحدیث پر زبانِ طعن دراز کریں اور ان کو مجروح قرار دیں، جن کی امانت و دیانت اور امامت وعدالت مشہور زمانہ ہے اور جن کا علم اقطار عالم میں پھیلا ہوا ہے اور جمہور نے جسکو اپنا مقتدیٰ بنایا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں سب سے زیادہ بکواس کرنے میں جس شخصیت کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے، وہ خطیب بغدادی ہیں۔

انھوں نے اپنی تاریخ کی تیرہویں جلد میں حضرت امام اعظم اور ان کے تلامذہ کی

---

(۱) الموضح للخطیب ص ۷ - ۸ از الخطیب و اثرہ ص ۳۵۸

برائیوں کو ذکر کرنے میں بڑی دراز نفسی سے کام لیا ہے، ان کی تاریخ میں سب سے طویل ترجمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ہے ص۳۲۳ سے لیکر ص۴۵۴ تک یعنی سو صفحات سے بھی زائد میں یہ ترجمہ پھیلا ہوا ہے، شروع میں ائمہ دین سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں توثیق اور تعریف کے کلمات نقل کئے ہیں، پھر ان کے قلم کا رخ حضرت امام ابوحنیفہ کی برائی بیان کرنے کی طرف جو مڑا تو اس وقت رکا جب ان کے ترکش کا آخری تیر اس خواب پر ختم ہوا، میں ناظرین کی عبرت اور خطیب کو حضرت امام ابوحنیفہ سے جو بغض وعداوت رہی ہے اس کو بتلانے کیلئے یہاں وہ خواب نقل کرتا ہوں، خطیب اپنی سند سے بشر بن ابی الازہر کا یہ خواب نقل کرتے ہیں، بشر سے یہ خواب سننے والے حضرت ابن المدینی ہیں، حضرت ابن المدینی فرماتے ہیں کہ میں نے بشر بن ابی الازہر سے سنا کہ انھوں نے کہا۔

رأیت فی المنام جنازۃ علیھا ثوب اسود وحولہ قسیسون فقلت جنازۃ من ھذہ، فقالوا جنازۃ ابی حنیفۃ، حدثت ابایوسف فقال لا تحدث بہ احدا۔ (تاریخ بغداد ص۴۵۴/۱۳)	میں نے خواب دیکھا کہ ایک جنازہ ہے جس پر کالا کپڑا پڑا ہوا ہے، اور اس کے آس پاس نصاریٰ کے علماء ہیں، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے تو لوگوں نے کہا کہ یہ ابوحنیفہ کا جنازہ ہے، بشر کہتے ہیں کہ میں نے اس خواب کو ابویوسف سے بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ اس کو کسی سے بیان مت کرنا۔

فقیہ ملت، فقہاء امت کے سردار امام اعظم کے بارے میں خطیب کے ذہن میں کتنی گندگی بھری تھی اس کا اندازہ اس خواب سے ناظرین لگائیں جس پر خطیب نے امام اعظم کے ترجمہ کو ختم کیا ہے، کون ابوحنیفہ، جن کے بارے میں مشہور مؤرخ محمد بن اسحٰق بن ندیم المتوفی ۳۸۵ھ اپنی فہرست میں فرماتے ہیں۔ والعلم برا وبحرا وشرقا وغربا بعدا وقربا تدوینہ رضی اللہ عنہ (ص۲۹۹ فہرست ابن ندیم) یعنی علم بر و بحر شرق و مغرب دور اور نزدیک جتنا بھی ہے یہ سب امام ابوحنیفہ (اللہ ان سے راضی ہو) ہی کا مدون کردہ ہے

اور جن کے بارے میں حافظ ابن کثیر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الامام فقیہ العراق احد ائمۃ الاسلام والسادۃ الاعلام احد ارکان العلماء، احد الائمۃ الاربعۃ واصحاب المذاهب المتبوعۃ ۔ البدایہ ص ۱۰/۱۰۷)

یعنی حضرت ابو حنیفہ امام تھے، عراق کے فقیہ تھے، اسلام کے اماموں میں سے ایک تھے، اور اونچے درجہ کے سرداروں میں سے ایک تھے، علماء کے ارکان میں سے ایک رکن تھے، ائمہ اربعہ میں سے ایک تھے اور ان میں سے تھے جن کے مذہب کی اتباع کیجاتی ہے ۔

یہ ایک شافعی امام وقت کی شہادت ہے کسی حنفی کی نہیں ۔

دکتور محمد بن العلیان خطیب کی اس حرکت نازیبا کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

کیا وہ روایتیں جن کو خطیب نے امام ابو حنیفہ کی برائی بیان کرنے میں ذکر کی ہیں اور جو تقریباً اس تاریخ کے ساٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں کم تھیں کہ خطیب کو امام ابو حنیفہ کے مثالب کی تکمیل کے لئے شیطانی خوابوں کا سہارا لینے کیلئے مجبور ہونا پڑا ۔

پھر فرماتے ہیں ۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اچھا خواب تو ذکر کیا جائے مگر برے خواب کا لوگوں سے تذکرہ نہ کیا جائے اور برا خواب دیکھنے والا صرف یہ کرے کہ اللہ کے ذریعہ شیطان سے پناہ مانگے اور بائیں جانب تین دفعہ تھوک دے تاکہ اس خواب کا نقصان اس کو نہ پہونچے ۔

تو بفرض محال اگر یہ خواب سچا ہی رہا ہو تو اگر خواب دیکھنے والے نے حدیث کی مخالفت کی تھی تو خطیب کو کیا ہو گیا تھا کہ اس کو عام کرنے اور پھیلانے کا کارنامہ انھوں نے انجام دیا ۔ شاید خطیب نے اس کو اچھا خواب سمجھا ہے اسی لئے اس کو اپنی تاریخ میں ذکر کیا اور لوگوں میں عام کیا، اس طرح اس نے اللہ کی رضا حاصل کرنے اور سنت کا ثواب حاصل کرنے کو سوچا ۔ (۱)

---

(۱) الحافظ الخطیب البغدادی واثرہ فی علوم الحدیث ص ۳۴۴ — ۳۴۵

حقیقت میں خطیب نے امام ابوحنیفہ کا ترجمہ اس خواب پر ختم کر کے بتلا دیا کہ اس کے دل میں امام اعظم سے کتنا بغض بھرا ہے۔ جو شخص اتنا گیا گزرا ہو جو اس طرح کا خواب بھی امام اعظم جیسی جلیل القدر وعظیم المرتبت شخصیت کے بارے میں نقل کرنے سے خدا کا خوف نہ کھائے وہ امام اعظم کے بارے میں جتنا بھی افترا کرے کم ہے، اگر خطیب میں انصاف پسندی کی ذرا بھی بو ہوتی تو وہ اس خواب پر جس کو خود خطیب نے اور حافظ ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے حضرت امام ابوحنیفہ کا ترجمہ ختم کرتے، خطیب ہی اپنی سند سے نحو یہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا میں نے کہا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو انھوں نے کہا کہ اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تجھ کو علم کا ظرف اس لئے نہیں بنایا تھا کہ میں تجھ کو سزا دوں، میں نے کہا ابو یوسف پر کیا گزری تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے اوپر ہیں، تو میں نے کہا کہ ابوحنیفہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ ابو یوسف سے کئی طبقات (کئی درجے) اوپر ہیں، اور بعض روایت میں ہے کہ وہ اعلیٰ علیین میں ہیں۔

مثالب ابی حنیفہ بیان کرنے میں خطیب بغدادی عجیب وغریب تضاد کا شکار ہوئے ہیں یعنی امام ابوحنیفہ کی برائیاں بیان کرنے میں انھوں نے بیشتر جگہ انھیں راویوں کا سہارا لیا ہے جن کی تضعیف خود انھوں نے کی ہے اور ان کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، مگر یہی ناقابل اعتبار لوگ مثالب امام ابوحنیفہ بیان کرتے وقت خطیب کے نزدیک قابل اعتبار ہو گئے ہیں اور ضعیف راویوں کی روایتیں خطیب کے نزدیک محفوظ روایتیں بن گئی ہیں۔

دکتور محمد طحان فرماتے ہیں

کیف یصف الخطیب المثالب بالمحفوظ وفی اسانیدا تلک الروایات رجال تکلم الخطیب نفسہ علیھم بالجرح والتضعیف فی کتاب التاریخ ذاتہ۔ (ص ۳۰۸ الخطیب واثرہ فی علوم الحدیث)

یعنی خطیب مثالب اور مطاعن والی روایتوں کو کس طرح محفوظ بتلاتے ہیں جبکہ

ان روایتوں کو انھوں نے ایسی سندوں سے بیان کیا ہے جن میں ایسے لوگ ہیں جن پر خود خطیب نے اس کتاب میں جرح کی ہے اور ان کو ضعیف قرار دیا ہے ۔

پھر فرماتے ہیں ۔

"جو شخص امام ابوحنیفہ کی عیب جوئی و برائی بیان کرنے میں ایسے راویوں کی روایتیں ذکر کرتا ہے جن پر وہ خود کلام کر چکا ہے اور انکو ضعیف قرار دے چکا ہے۔ اور پھر انھیں ضعیف راویوں کی روایتوں کو وہ محفوظ کہے اور ان پر اعتماد کرے وہ شخص خود اپنے ہی کو اعتراض اور طعن کا نشانہ بناتا ہے (ص۳۰۸ ایضاً)

خطیب بغدادی کی جب یہ تاریخ مصر میں چھپ رہی تھی تو اس وقت کی مصری حکومت[1] جامعہ ازہر کے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی کہ اس تاریخ میں امام ابوحنیفہ کے تذکرہ میں خطیب نے جن روایتوں کے سہارے امام ابوحنیفہ کو مجروح و مطعون کرنے کی کوشش کی ہے ان روایتوں کا جائزہ لیں اور ان کی جانچ پڑتال کریں ۔ چنانچہ جب علماء ازہر نے ان روایتوں کا جائزہ لیا تو ان کا تبصرہ خطیب کے بارے میں یہ تھا ۔

"اس کتاب کا پڑھنے والا یہ محسوس کرے گا کہ خطیب نے امام ابوحنیفہ کو بدنام کرنے اور ان کی قدر و منزلت گھٹانے میں بہت اسراف سے کام لیا ہے، خطیب نے امام ابوحنیفہ کی برائی بیان کرنے میں جن روایتوں پر اعتماد کیا ہے ہم نے ان سب کی چھان بین کی تو ان سب روایتوں کو واہی اور کمزور سند والی پایا، یہ روایتیں معنوی طور پر ایک دوسرے کے متعارض بھی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہبی تعصب کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، خطیب کا مذہبی تعصب ان روایتوں میں نمایاں ہے "

---

(۱) اس کے پہلے ایڈیشن کی تیرہویں جلد کی جس میں امام اعظم کا ترجمہ تھا ضبط کر لیا تھا، اور اس کا دوسرا ایڈیشن جامعہ ازہر کے علماء کی نظر ثانی کے بعد چھپا ۔

بہت سے جلیل القدر اور ذی مرتبت عالموں نے انصاف پسندی سے کام لیا ہے اور انھوں نے امام اعظم کی بھرپور تعریف کی ہے، اور بہت سے ثقہ علماء سے امام اعظم کے بارے میں ایسے تعریفی کلمات منقول ہیں جو خطیب کی ان جرحوں کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں جن کو خطیب نے محفوظ کیا ہے، اگر تم ان علماء کی باتوں کو جاننا چاہتے ہو تو حافظ ابن عبد البر کی الانتقاء خوارزمی کی جامع المسانید، حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ ملک معظم کی السہم المصیب سید مرتضیٰ زبیدی کی الجواہر المنیفہ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کرو۔

امام ابوحنیفہ کی جلالت قدر، زہد و ورع اور علم میں ان کا درجہ، طبیعت کی عمدگی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ان کا مضبوطی سے تھامنا یہ باتیں مشہور زمانہ ہیں، امام ابوحنیفہ کی وہ صفات ہیں جو ان کے قابل اعتماد شاگردوں اور دوسرے ثقہ اہل علم کی ایک جماعت سے بطور شہرت کے پہونچی ہیں، اس لئے کہ حضرت ابوحنیفہ کی شان کو خطیب کی یہ ضعیف اور کمزور روایتیں بٹہ نہیں لگا سکتی ہیں، دیکھو کہ حافظ ابن عبد البر نے الانتقاء میں امام سفیان ثوری سے کیا نقل کیا ہے۔

امام ثوری حضرت ابوحنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

کان ابوحنیفۃ شدید الاخذ للعلم ذابا عن حرم اللہ ان تستحل یاخذ بما صح عندہ من الاحادیث التی کان یحملها الثقات وبالآخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبما ادرك علیہ علماء الکوفۃ ثم شنع قوم یغفر اللہ لنا ولهم۔

(حاشیہ تاریخ بغداد ص ۳۱۹ جلد ۱۳)

یعنی حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ علم حاصل کرنے والے تھے، اللہ کی حرمتوں کی مدافعت میں لگے رہنے والے تھے تاکہ اسے حلال نہ سمجھ لیا جائے، وہ انھیں حدیث کو اختیار کرتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح ہوتی اور جسے ثقہ راوی روایت کرتے، امام ابوحنیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل اور علماء کوفہ کے جو طریقے تھے اسی کو اختیار کرتے تھے

پھر بھی کچھ لوگوں نے امام پر طعن و تشنیع کیا ہے، اللہ ہم کو اور ان کو معاف کرے۔

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ خطیب نے امام ابوحنیفہ کے ایک دشمن کی زبان سے انھیں امام سفیانؒ سے وہ گندی بات نقل کی ہے کہ اسلام میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ کوئی منحوس پیدا نہیں ہوا۔ اور آپ حافظ ابن عبدالبر سے جن کا علمی مرتبہ سب کو معلوم ہے، یہ بھی سن رہے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صحیح احادیث کے بہت حریص تھے اور آپ کے مذہب و فقہ کی بنیاد صحیح حدیث پر ہے، اور دینی غیرت کا عالم یہ تھا کہ اللہ نے جس چیز کو حرام کیا ہے اسے کوئی حلال سمجھ لے امام ابوحنیفہ اس کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ حسد و جہل کی وجہ سے جن لوگوں نے ایسے امام پر طعن و تشنیع کیا ہے وہ ان کا ایسا بُرا عمل ہے کہ امام ثوری ان کیلئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔

بہرحال ان حقائق سے معلوم ہوا کہ ہمارے جن دوستوں نے امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کرنے کیلئے اور اپنی عاقبت خراب کرنے کیلئے خطیب بغدادی کا سہارا لیا ہے ان کا آشیانہ بہت ہی زیادہ شاخ نازک پر قائم ہے۔

آپ خطیب بغدادی کے تناقض کی دو ایک مثال بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ خطیب نے امام ابوحنیفہ کے مثالب میں جو روایتیں نقل کی ہیں ان کی حقیقت آپ پر مزید واشگاف ہو۔

(۱) محمد بن حبویہ النخاس کی روایت سے خطیب نقل کرتے ہیں کہ امام وکیع نے فرمایا کہ میں نے سفیان ثوری سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم مومن ہیں اور ہمارے نزدیک سارے اہل قبلہ مومن ہیں، اور ہمارا اللہ کے یہاں کیا حال ہے ہم یہ نہیں جانتے (کہ ہم مومن ہیں یا نہیں) پھر امام وکیع فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ جو سفیان کے قول کو اختیار کرے گا وہ ہمارے نزدیک اپنے ایمان میں شک کرنے والا ہوگا، ہم یہاں بھی قطعی طور پر ایمان والے ہیں اور اللہ کے یہاں بھی ہم ایمان والے ہیں، امام وکیع فرماتے ہیں کہ ہم تو سفیان کا قول اختیار کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ کی بات ہمارے نزدیک جرأت کی بات ہے،

یہ روایت خطیب محمد بن حبویہ سے نقل کرتے ہیں اس کو ابوالعباس خزاز کہا جاتا ہے۔

اس کے بارے میں خود خطیب کا یہ بیان ہے کہ یہ ناقابلِ اعتبار راوی ہے، خطیب کی اس پر جرح ان کلمات سے ہے۔ کان منساهلا فیما یرویه یحدث عن کتاب لیس علیه سماعه، یعنی یہ شخص حدیث کے بیان کرنے میں بہت ڈھیلا ڈھالا تھا، یہ ان کتابوں سے بھی روایتیں بیان کرتا تھا جو اس کی سنی ہوئی نہ ہوتی تھیں۔ (دیکھو رقم ۱۱۲۹)

ایسے بے اعتبار شخص سے جس کی بے اعتباری پر خود خطیب شہادت مہیا کرتے ہیں امام ابوحنیفہ کی برائی میں امام وکیع جو امام کے قبول پر فتویٰ دینے والے محدث تھے کی زبان سے امام کی شان میں برائی نقل کرتے ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول جو خطیب کی نگاہ میں اللہ کی شان میں جرأت ہے عین صواب ہے، اس لئے کہ اپنے ایمان کے بارے میں کسی کو اگر ذرا بھی شک ہو تو وہ پکا مومن ہی کب شمار ہوگا؟ اللہ پر ایمان کے ساتھ شک کی کیا گنجائش ہے؟ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری نے بعد میں اس شک والے قول سے رجوع کر کے حضرت امام ابوحنیفہ کا قول اختیار کر لیا تھا۔ جامعہ ازہر کے علماء کی کمیٹی نے خوارزمی کے حوالہ سے سفیان کے رجوع والی بات اس جگہ پر اپنے حاشیہ میں نقل کی ہے۔ اور اپنے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ یہ قول تنہا امام ابوحنیفہ کا نہیں ہے بلکہ بہت سے علماء اسی کے قائل ہیں کہ ایمان میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ص ۲۷۱ - ۲۷۲ ج ۱۳

(۲) متعدد روایتیں خطیب نے حارث بن عمیر کی سند سے روایت کی ہیں، یہ حارث پکے نمبر کا جھوٹا تھا۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے، حاکم کا بیان ہے کہ یہ جعفر صادق سے موضوع اور گڑھی ہوئی روایتیں بیان کرتا تھا، ابن صادق کہتے ہیں کہ ثقہ اور پختہ کار لوگوں سے موضوع روایتیں نقل کرتا تھا۔

(۳) بعض روایتیں خطیب نے محمد بن محمد باغندی سے روایت کی ہیں، جن کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں کہ یہ شخص بہت زیادہ تدلیس کرنے والا تھا، اور جو باتیں اس کی سنی ہوئی نہیں ہوتی تھیں اس کو بھی بیان کرتا تھا، یہ حدیثوں کا چور بھی تھا یعنی دوسروں کی حدیث

کو اپنی حدیث بتلاتا تھا اوراس کی روایت کرتا تھا۔ ابراہیم اصبہانی اس کو کذاب کہتے ہیں یعنی یہ شخص بہت بڑا جھوٹا تھا اس کے بارے میں خود خطیب نے اس طرح کی جرحیں نقل کی ہیں۔ دیکھو (نمبر ۱۲۸۵) ایسے کذابوں کی روایت کو خطیب امام ابوحنیفہ کے حق میں محفوظ کہتے ہیں۔

(۴) بعض روایات میں حماد بن کثیر ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں ثقہ نہیں تھا اور نہ اس کی کوئی حقیقت تھی۔

ان روایتوں کی طرف اشارہ کرکے جن میں اس طرح کے کذاب روای ہیں، دکتور محمد طحان فرماتے ہیں۔ ھکذا یکون المحفوظ و فی السند کذابون وغیر ثقات یعنی محفوظ روایتیں ایسی ہی ہوتی ہیں جن کی سندیں اس طرح کے جھوٹے اور غیر ثقہ راوی ہوں۔ (ص ۳۱۴)

(۵) بعض روایات کی سندوں میں عبد السلام بن عبد الرحمٰن وابصی اور شریک بن عبداللہ جیسے راوی ہیں ان کو خود خطیب نے مجروح اور ضعیف قرار دیا ہے۔ (۴۸۳۸)

شریک نے امام ابوحنیفہ پر افترا کیا کہ وہ کہتے تھے کہ نماز کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ حالانکہ صحیح روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نماز ایمان کا جز نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ نماز چھوڑنے سے آدمی کا ایمان ہی چلا جائے اور وہ کافر ہو جائے، اگرچہ نماز امام کے نزدیک شریعت کے اہم ارکان میں سے ہے۔ دیکھو حاشیہ ص ۲۷۵ ص ۲۷۶

(۶) ایک روایت خطیب نے یہ نقل کی ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت آدم علیہ السلام کا ایمان ابلیس کے ایمان کی طرح ہے، اس کی سند میں محبوب بن موسیٰ الانطاکی اور ابو اسحٰق فزاری ہے یہ دونوں ناقابلِ اعتبار اور منکر الحدیث راوی ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں خطیب ہر طرح کی بات نقل کرتے ہیں، چاہے وہ کتنی خلافِ عقل کیوں نہ ہو، ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی وہ بات نہیں کہہ سکتا جو امام ابوحنیفہ کی زبان سے کذاب راویوں کی سند سے خطیب نے نقل کی ہے، کیا خطیب کو اتنا بھی پتہ نہیں ہے

کہ ابوحنیفہ کے نزدیک کسی بھی دینی حکم کا ادنیٰ سا بھی استخفاف باعثِ کفر ہے اور اس سے ان کے نزدیک انسان دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، وہ ابوحنیفہ حضرت ابوبکر اور حضرت آدم کے ایمان کو ابلیس کے ایمان کے برابر قرار دیں گے! غرض خطیب جو کچھ بھی نہ کر گذریں کچھ تعجب نہیں ہے کہ ان کے دل میں امام ابوحنیفہ کے خلاف بغض عناد بھرا ہوا تھا۔

(۶) بعض روایات کی سندوں میں محمد بن موسیٰ بربری ہے، جس کے بارے میں خود خطیب کا کہنا ہے کہ اس کو صرف دو حدیثیں یاد تھیں اس میں ایک حدیث الطیر ہے جس کے موضوع ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔ (دیکھو نمبر ۱۳۲۶)

(۷) بعض روایات کی سند میں حسن بن الحسین الادماء النعال ہے جس کے بارے میں خطیب خود کہتے ہیں کہ اس نے اپنا معاملہ خود ہی خراب کر رکھا تھا، بہت سی وہ باتیں جو اس کی سنی ہوئی نہیں تھیں ان کو بھی اس نے اپنی مسموعات میں شامل کر لیا تھا، ذہبی فرماتے ہیں کہ یعنی اس نے ان کو گڑھ لیا تھا۔

خطیب نے ایک حرکت یہ کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کو جہمی ثابت کرنے پر زور دیا ہے اور اس کیلئے انھوں نے امانت و دیانت کو بالکل بالائے طاق رکھ کر ہر طرح کی رطب و یابس اور جھوٹی من گھڑت روایتوں کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ خود خطیب ہی نے حضرت امام ابویوسف سے امام ابوحنیفہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ قال ابوحنیفۃ صنفان من شر الناس بخراسان الجھمیۃ والمشبھۃ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ خراسان کا دو گروہ لوگوں میں سب سے بدترین گروہ ہے، ایک جہمی فرقہ دوسرا مشبہہ کا فرقہ، نیز خطیب ہی عبدالحمید بن عبدالرحمٰن حمانی سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ جہم بن صفوان کو کافر کہتے تھے، اس کے باوجود خطیب نے امام ابوحنیفہ پر ان کے شاگرد رشید امام ابویوسف کے واسطے سے جہمی ہونے کا الزام تھوپا ہے گویا خطیب نے شرم و حیا کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا ہے کیا خطیب کو امام ابوحنیفہ کی کتاب الفقہ الاکبر کا بھی مطالعہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا جس میں انھوں نے فرقہ جہمیہ اور تمام باطل فرقوں کا زبردست رد کیا ہے۔

اسی طرح بہت سی روایتوں سے امام ابو حنیفہ کو جہمی اور رأس المرجئہ ثابت کیا ہے یہ تمام روایتیں باطل سندوں سے ہیں، علامہ زاہد الکوثری نے خطیب کی ایک ایک روایت کا بھرپور جائزہ لے کر اس کا باطل ہونا ثابت کیا ہے۔

البتہ یہ یاد رہے کہ ارجاء کی دو قسم ہے ایک ارجاء سنی اور دوسری ارجاء بدعی سنی ارجاء کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اعمال میں کوتاہی سے انسان ایمان اور اسلام سے نہیں نکلتا ہے، مگر اس کو گناہ ہوتا ہے، اور بدعی ارجاء یہ ہے کہ اعمال کو گناہ اور ثواب سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا ہے، ارجاء کی پہلی قسم تمام اہل سنت کا مذہب ہے۔(۱) اور دوسری قسم یعنی عمل کی کوتاہی سے انسان گناہ گار بھی نہ ہو یہ اہل باطل کا مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہ پر ارجاء کا الزام رکھنے والے اس فرق کو یا تو سمجھ نہیں پائے ہیں یا سمجھ کر نادان بنتے ہیں، اور جس ارجاء کے امام صاحب قائل نہیں ہیں خوامخواہ کا وہی ارجاء ان کے سر تھوپتے ہیں۔

حافظ ابن عبد البر نے امام پر اس طرح کے تمام الزامات کا انکار کرکے صاف صاف اپنی کتاب الانتقاء میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک وہی تھا جو کہ تمام اہلسنت والجماعت کا مسلک تھا۔ الانتقاء ص۱۶۵

بعض باتیں تو خطیب بغدادی کی بہت ہی عجیب وغریب ہیں جن سے انکی دیانت وثقاہت سخت مجروح ہو جاتی ہے، مثلاً انھوں نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سلیمان

---

(۱) خواہ اس کا بخاری جیسے لوگ زبان سے اقرار نہ کریں مگر عملاً واعتقاداً وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ عمل کے نہ ہونے سے ایمان نہیں جاتا ہے سنجیدہ علماء غیر مقلدین کا بھی یہی مذہب ہے، حافظ ابراہیم سیالکوٹی تحریر فرماتے ہیں۔ بعض مصنفین نے سیدنا امام ابوحنیفہ کو بھی رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ اہلسنت کے امام ہیں اور آپکی زندگی اعلیٰ درجہ کے تقویٰ اور تورع پر گذری جس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ تاریخ اہلحدیث ص۷۵ اگر عمل کی کوتاہی کی وجہ سے آدمی کو ایمان سے خارج قرار دیا جائے جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے تو پھر کوئی مسلمان مومن کہلانے کا مستحق بہت مشکل سے ہوگا اسلئے کہ عمل میں کوتاہی سے کوئی محفوظ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے۔

عمرو قاضی نے برسر منبر کہا کہ لا رحم اللہ ابا حنیفۃ فانہ اول من زعم ان القرآن مخلوق - یعنی اللہ امام ابوحنیفہ پر رحم نہ کرے یہ پہلے شخص تھے جنھوں نے قرآن کو مخلوق قرار دیا، اصل میں مارحم اللہ اباحنیفۃ نہیں تھا بلکہ مارحم اللہ ابا فلان تھا، جیسا کہ تاریخ ابن عساکر میں موجود ہے - خطیب بغدادی کی روایت میں اس کو مارحم اللہ اباحنیفۃ بنادیا گیا، خطیب کو یہ کہاں سے معلوم ہوگیا کہ ابا فلان وہ ابوحنیفہ ہی ہیں، پھر یہ کہ ملل ومذاہب کے بیان میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں سب میں یہ ہے کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا قول سب سے پہلے جعد بن درہم نے ایجاد کیا ہے، پھر اس مذہب کو جہم بن صفوان نے خوب پھیلایا اسی وجہ سے اس فرقہ کے لوگوں کو جہمیہ کہا جاتا ہے، پھر اس کو آگے بڑھانے میں بشر بن غیاث کا ہاتھ تھا - حافظ لالکائی نے اپنی کتاب شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ ان اول من قال القرآن مخلوق الجعد بن درھم فی سنۃ نیف وعشر ین ومائۃ یعنی سب سے پہلے القرآن مخلوق کہنے والا شخص جعد بن درہم ہے جس نے اس قول کا ۱۲۰ھ میں اختراع کیا - (خطیب واثرہ فی علوم الحدیث ص۲۲۳)

القرآن مخلوق والی بات کو بھی متعدد سندوں سے خطیب نے ذکر کیا ہے اور سب میں ناقابل اعتبار راوی ہیں - ڈاکٹر محمود طحان نے ایک ایک روایت کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے - (دیکھو ص۲۲۲ وبعدہا)

ان چند باتوں سے تاریخ خطیب میں مذکور ان تمام روایتوں کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو امام ابوحنیفہ کے مثالب کو بیان کرتی ہیں، اور خطیب نے جن کو مزا لے کر ساٹھ سے زیادہ صفحوں میں نقل کیا ہے، خطیب کی ان روایتوں کی حقیقت کو جاننے کیلئے جامعۃ الملک الامام سعود کے استاذ الشیخ محمود الطحان کی کتاب کا مطالعہ کافی ہوگا، نیز اگر کسی کو میسر ہو تو تانیب الخطیب بھی دیکھ لے، علامہ زاہد کوثری نے ایک ایک روایت کا بخیہ ادھیڑ دیا ہے، چونکہ علامہ کوثری کا نام سنتے ہی غیر مقلدوں کو بخار آنے لگتا ہے،

اس وجہ سے میں نے تعمداً ان کی کتاب سے کچھ نقل نہیں کیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ یہ کتاب تحقیقات کا ایک شاہ کار ہے اور خطیب کی کتاب کا اس سے بہتر اور کوئی دوسرا جواب نہیں ہے۔

افسوس ان ہی باطل روایتوں کے سہارے سلفیت کے جراثیم میں مبتلا فرقہ آج کے اس دور میں امام ابوحنیفہ پر اعتراض کرتا ہے اور انکو اسلام سے خارج قرار دیتا ہے، انکو بدعتی بتلاتا ہے، انکی فقہ کو قیاسات ورائے کا مجموعہ قرار دیتا ہے، یہ فرقہ اپنے شیش محل سے حنفیت کے آہنی قلعہ پر بمباری کرنے کا خواب دیکھتا ہے۔

خطیب کی دیانت کا حال تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی تعریف میں انھوں نے جو روایتیں ذکر کی ہیں، اسکو غیر محفوظ قرار دیتے ہیں خواہ اس کی سند کتنی بھی مضبوط ہو۔ اور امام ابوحنیفہ کے مناقب کی روایتوں کو وہ محفوظ قرار دیتے ہیں، چاہے ان کے راوی کذاب ہی کیوں نہ ہوں۔ جب وہ امام ابوحنیفہ کے مناقب والی روایتیں ذکر کرتے ہیں تو اس کے راویوں پر بھی کلام کرتے ہیں، اور جب ان کے مثالب والی روایتیں لاتے ہیں تو خاموشی سے گذر جاتے ہیں اور یہ نہیں بتلاتے کہ ان روایتوں میں فلاں فلاں راوی ضعیف کمزور اور غیر ثقہ ہے۔ مثلاً انھوں نے یہ روایت ذکر کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کا نام نعمان ہوگا اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی وہ میری امت کا چراغ ہے وہ میری امت کا چراغ ہے۔

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد چونکہ امام ابوحنیفہ کی اس میں تعریف تھی تو خطیب اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ھو حدیث موضوع تفرد بروایتہ البورقی وقد شرحنا فیما تقدم امرہ وبینا حالہ۔ یعنی یہ موضوع روایت ہے اس کا روایت کرنے والا تنہا بورقی ہے، اور ہم نے گزشتہ صفحات میں اس کا حال بیان کر دیا ہے۔ (یعنی وہ ناقابل اعتبار راوی ہے)

اسی طرح یحیٰی بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ سے

روایت کی ہے، تو انھوں نے کہا کہ ہاں اور پھر فرمایا کہ امام ابوحنیفہ حدیث وفقہ میں بہت زیادہ سچے تھے اور اللہ کے دین کے بارے میں بڑے امانت دار تھے۔

تو یحییٰ بن معین کی یہ تعریف خطیب کو امام کے حق میں پسند نہیں آئی اور انھوں نے اس روایت پر اس طرح جرح کی کہ اس کی سند میں احمد بن عطیہ ہے جو ثقہ نہیں تھا۔

مگر جب امام ابوحنیفہ کی معائب ومثالب والی روایتیں ذکر کرتے ہیں تو خواہ وہ کتنی بھی جھوٹی روایتیں ہوں اس کے کذب اور دروغ کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کرتے ہیں کیا اسی کا نام دیانت وامانت ہے اور کیا اس کے بعد بھی خطیب کی شخصیت امام ابوحنیفہ کے حق میں قابلِ اعتبار ہو سکتی ہے؟ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں۔

اب ایک بات عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ ائمہ حدیث اور کبار اہل علم کا یہ فیصلہ ہے کہ جس کی امامت حدیث وفقہ میں مسلم ہو، اور جس پر امت کا عام اعتماد ہو اور جس کا ورع زہد وتقویٰ مشہور زمانہ ہو، جس سے کذب ودروغ گوئی کا کبھی کوئی ثبوت نہ پایا گیا ہو، اس پر کسی کی بھی جرح خواہ وہ اپنے وقت کا امام المحدثین اور امیر المومنین فی الحدیث ہی کیوں نہ ہو مقبول نہیں ہو سکتی اور اس جرح کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ حافظ ابن عبدالبر اسی بات کو اس طرح کہتے ہیں۔

والصحیح فی ھذا الباب من صحت عدالتہ وثبتت فی العلم امامتہ وبانت ثقتہ وعنایتہ بالعلم لم یلتفت فیہ الی قول احد الا ان یاتی فی جرحتہ ببینۃ عادلۃ تصح بھا جرحتہ علی طریق الشھادات

(جامع بیان العلم) یعنی جرح وتعدیل کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ جس کی عدالت صحیح طور پر ثابت ہو اور اس کی امامت فی العلم ثابت ہو اور اس کا ثقہ ہونا ظاہر ہو اور یہ معلوم ہو کہ اس کی علم کی طرف توجہ رہی ہے اس کے بارے میں کسی کے قول کا اعتبار نہ ہوگا الا یہ کہ وہ شخص کوئی صحیح جرح پیش کرے جس سے اس شخص کا مجروح ہونا شہادت کے طریق پر ثابت ہو جائے، یعنی اس کا قول شرعی شہادت کے معیار پر پورا اترے۔

پھر حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔ لا یقبل فیمن اتخذہ جمھور من المسلمین اماما فی الدین قول احد من الطاعنین۔ یعنی جمہور مسلمین نے جس کو دین میں اپنا امام بنایا ہو اس کے بارے میں طعنہ کرنے والوں کی کوئی بات قابلِ قبول نہ ہوگی۔

دکتور طحان حافظ ابن عبدالبر کا یہ کلام نقل کر کے فرماتے ہیں۔

فابو حنیفۃ الذی ثبتت فی الدین امامتہ واشتھرت بین المسلمین عدالتہ وامانتہ وانتشر فی الاقطار علمہ ونزاھتہ واتبع فقھہ اکثر المسلمین علی مدی القرون الی ھذا الیوم لا یقبل فیہ قول احد من الطاعنین ولا یلتفت الی حسد الحاسدین۔	تو امام ابوحنیفہ جن کی امامت دین میں ثابت ہے اور جن کی عدالت وامانت مسلمانوں کے درمیان مشہور ہے، اور جن کا علم دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور جن کی فقہ کی پیروی کرنیوالے صدیوں سے آج تک مسلمانوں کا اکثریتی طبقہ رہا ہے پس اس جیسے امام کے بارے میں کسی کی بھی جرح قبول نہیں کی جائیگی اور نہ حاسدوں کے حسد کی طرف متوجہ ہوا جائیگا۔

(ص۲۴۱ خطیب واثرہ)

خطیب کے بارے میں دکتور طحان اپنی کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں بلکہ اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔

خطیب نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں جن کی امامت پر مسلمانوں کا اجماع ہے اس امام کے بارے میں تمام رطب ویابس کو جمع کر دیا ہے، بیشک وہ اس بارے میں خطاکار ہیں، وہ اس بارے میں انصاف کے راستہ سے ہٹے ہوئے اور تعصب کی راہ اختیار کرنے والے ہیں، خطیب نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں انکی عیب جوئی کیلئے جو روایتیں نقل کی ہیں سب کی سب واہی اور کمزور سندوں والی ہیں۔[1] (ص۲۹۱)

---

(۱) الدکتور طحان یہ ایک غیر حنفی عالم ہیں اس وجہ سے ان کے خیالات کو بڑی اہمیت ہے، انھوں نے

ناظرین اس کو بھی دھیان میں رکھیں کہ خطیب کے قلم کا نشانہ صرف امام ابو حنیفہ ہی نہیں بنے ہیں بلکہ اکابر امت اور اجلاء فقہاء و محدثین ان کے قلم کا نشانہ بنے ہیں بلکہ ان کے قلم سے کم ہی فضلائے امت محفوظ رہے ہیں، امام مالک کو خطیب نے قلیل الحفظ قرار دیا ہے، امام حسن بصری و امام ابن سیرین کو قدریہ فرقہ میں شمار کیا ہے، مالک بن دینار کو ضعیف قرار دیا ہے، سبط ابن جوزی فرماتے ہیں۔

لم یسلم منہ الا القلیل یعنی خطیب کے قلم سے بہت ہی کم لوگ محفوظ رہے، خطیب حنابلہ کے بھی سخت دشمن رہے ہیں، اپنی اس تاریخ میں حنابلہ علماء و محدثین کا جس انداز میں ذکر کیا ہے اس کا اندازہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہوگا۔

اب آخر میں اپنی بات ختم کرنے سے پہلے ان غیر مقلدین سے میں عرض کرنا چاہتا ہوں جو خطیب بغدادی کی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہر رطب و یابس روایتوں اور قصوں کو بڑی وسعت ظرفی سے قبول کرتے ہیں اور ان جھوٹی باتوں سے اپنا ضمیر روشن کرتے اور اپنے ایمان و دینداری کو جلا دیتے ہیں، میں ان سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خطیب بغدادی کے قلم نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی نہیں چھوڑا ہے، خطیب نے اپنی موضح اوہام الجمع والتفریق میں امام بخاری کی چوہتر غلطیوں کو پکڑا ہے جس سے امام بخاری کی شخصیت سخت مجروح ہو گئی ہے اور انکے حافظہ اور تاریخ میں۔ انکی مہارت و تبحر کے جو قصے مشہور ہیں سب پر پانی پھر گیا ہے، براہ کرم غیر مقلدین حق و دیانت اور انصاف کے ساتھ کبھی اسکی طرف بھی توجہ فرمائیں۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً و صلی اللہ علی النبی الامی الف الف تحیۃ و سلام۔

محمد ابو بکر غازی پوری

جامعہ ازہر سے خطیب بغدادی پر پی ایچ ڈی کی ہے، انکی پی ایچ ڈی کا یہی مقالہ جو جامعہ ازہر کے دو فاضل اساتذہ کی نگرانی میں تیار ہوا ہے، پانچ سو صفحات سے زیادہ کی ایک ضخیم کتاب الخطیب البغدادی و اثرہ فی علوم الحدیث کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ پھر یہ جامعۃ الملک الامام سعود ریاض میں استاذ رہے ہیں خطیب کے بارے میں اتنی محقق و مفصل کتاب میرے علم میں کوئی دوسری نہیں ہے۔

محمد ابوبکر غازیپوری

قسط (۲)

مقام صحابہؓ کتاب وسنت کی روشنی میں

اور

علامہ مودودی

قصہ مختصر یہ کہ مولانا مودودی اور ان کے رفقاء کی جانب سے اس کتاب کی حمایت میں اور اپنے موقف کی تائید ونصرت میں بڑی شدت اور زور زبردستی کا اظہار کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں دونوں طرف کی تحریرات، مقالات اور کتابوں کی شکل میں بڑی تعداد میں موجود ہیں اور پریس سے باہر آچکی ہیں، ناظرین خود ہر طرح کے تحزب وتعصب سے الگ ہوکر اور ذہن کو یکسو کر کے اس کا مطالعہ کریں تو ان کے سامنے حق باطل سے جدا ہوکر آجائے گا۔

ہمیں "خلافت وملوکیت" پڑھنے کے بعد اس کا شدت سے احساس ہوا کہ ہم ذرا ایک نظر کتاب وسنت پر بھی ڈال کر خود ان دونوں روحانی اور یقینی مصدروں سے صحابہ کرام کی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کریں پھر دیکھیں کہ مولانا مودودی نے ان کی جو تصویر پیش کی ہے کتاب وسنت سے ان کی کہاں تک تصویب ہوتی ہے۔

ظاہر بات ہے کہ ایک صاحبِ ایمان کسی بھی چیز کے بارے میں فیصلہ حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلے کتاب وسنت ہی کی طرف رجوع کرتا ہے، اسے جو یقین واذعان سکون وطمانینت پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور چیز سے پیدا نہیں ہوسکتی، کتاب وسنت کے بعد ہی دوسرے مصادر کا نمبر آتا ہے۔

پیش نظر کتاب کا دراصل موضوع یہی ہے اور اس داعیہ نے اس کتاب کو وجود بخشا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں پہلے کتاب اللہ سے ۲۰ آیتیں پھر تقریباً اتنی ہی حدیثیں

---

(۱) قسط اول کیلئے شمارہ نمبر ۵ جلد نمبر ۸ ملاحظہ فرمائیں

پیش کر کے ان سے صحابہ کرام کی زندگی کا نقشہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے بعد ہم نے علماء امت کے اقوال نقل کئے ہیں جن سے صحابہ کرام کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر معلوم ہوتا ہے اس کے بعد ہم نے مولانا مودودی کی اس کتاب "خلافت وملوکیت" کے اقتباسات نقل کر کے دکھلایا ہے کہ مولانا نے صحابہ کرام کی کیا تصویر پیش کی ہے اور اس بارے میں ان کا نقطۂ نظر کیا ہے۔

پھر ہم نے بتلایا کہ درحقیقت مولانا مودودی ہوں کہ زمانۂ حال کے دوسرے محققین جنھوں نے بھی صحابہ کرام کے بارے میں جمہور اہلسنت والجماعت سے الگ راہ نکالی ہے یہ ان کی خود پیدا کردہ راہ نہیں ہے بلکہ وہ اس سلسلے میں اپنے اگلوں کے متبع ہیں، اس سے پہلے روافض وخوارج اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دے چکے ہیں۔ اور یہ کام اب اس دور میں اسی عمل قدیم کی تجدید ہے یا جسم مردہ میں نئی روح ڈالنا ہے۔

یہ موضوع بڑا نازک تھا اور "خلافت وملوکیت" سے اقتباسات نقل کرتے وقت بار بار ایسا ہوا کہ قلم نے ان کو نقل کرنے سے انکار کر دیا لیکن میں نے جذبات پر قابو پا کر ان عبارتوں کو نقل کیا تاکہ امت اس فتنہ سے واقف ہو اور جو ایک "دام ہمرنگ زمین" بچھادیا گیا ہے، اس سے وہ اپنا دامن بچائے۔

میں نے اپنی امکانی کوشش کی ہے کہ جو عبارتیں مولانا مودودی مرحوم کی نقل کروں اس میں دیانت وامانت کے پورے تقاضے کو ملحوظ رکھوں۔ خدا کرے میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا ہوں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ موضوع بڑا نازک تھا، صحابہ کرام کے ساتھ ایک مسلمان کا جو قلبی وجذباتی لگاؤ ہوا کرتا ہے اسے بتلانے کی ضرورت نہیں ان کے خلاف کسی چیز کو پڑھ کر دل ودماغ پر اثر نہ ہو یہ بہت مشکل ہے، تاہم ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ مولانا مودودی مرحوم کے خلاف وہ زبان استعمال نہ ہو جو کسی علمی وتنقیدی تحریر کو غیر سنجیدہ بنا دیتی ہے۔ لیکن ہمیں اس کا بھی دعویٰ نہیں ہے کہ ہم نے اس شرط کو علی وجہ الکمال نبھایا ہے، عین ممکن ہے کہ دوران تحریر ایسے کچھ جملے نکل گئے ہوں کہ مولانا مودودی مرحوم کے عقیدتمند ان سے

کچھ تکلیف محسوس کریں، اگر ایسا ہوا تو ہمیں اس کا افسوس ہوگا ۔ جذبات و تاثرات پر قابو پانا بڑا مشکل مسئلہ ہے خصوصاً جب کہ آدمی دیکھ رہا ہے کہ اس کی محبوب شخصیتوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے اور یہاں تو معاملہ صحابہ کرام کا ہے ۔ امید ہے مولانا مودودی کے یہ عقیدتمند ہمیں اس میں معذور تصور کریں گے ۔

ہماری اس کتاب سے کون فائدہ اٹھاسکے گا اور کتنا، یہ تو خدا ہی جانے، البتہ اس کا بڑا اندیشہ ہے کہ جماعت اسلامی کے حلقہ کے لوگ اس کو برداشت نہیں کرسکیں گے ۔

جماعت اسلامی کے لوگوں میں عجیب سی یہ ذہنیت پیدا ہوگئی ہے اور یہی ذہنیت خود مولانا مودودی کی بھی تھی، کہ یہ حضرات جس پر چاہیں تنقید کریں اور جس کے بارے میں جو جی چاہے لکھ دیں اور کہہ دیں کسی کو بھی تنقید سے بالاتر نہ سمجھیں لیکن اپنے خلاف ایک لفظ بھی سننے کیلئے تیار نہیں ان کے علاوہ ہر شخص پر تنقید کی جاسکتی ہے اور یہ خود صحابہ کرام، ائمہ دین، اسلاف امت تک پر بے محابا تنقید کریں گے، اور " اظہار رائے کی آزادی " کا اصول پابندی سے اپنائیں گے لیکن اپنے خلاف تنقید کا ایک لفظ بھی برداشت نہیں کرسکتے، ان کا یہ رویہ بتلاتا ہے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ بس ان کی بات مان لو اس پر ذرا بھی چون و چرا کا تمہیں حق نہیں ہے، چنانچہ خود مولانا مودودی اپنے خلاف تنقید بالکل برداشت نہیں کرتے تھے اور کوئی جب ان کی کسی بات پر اعتراض کرتا تو ان کا جواب اس قسم کا ہوتا تھا :

" دل کا ایک پرانا بخار ہے جو مدتوں سے موقعہ کی تلاش میں دبا پڑا تھا
اور اب اس کو نکالنے کیلئے کچھ مسائل بطور حیلہ ڈھونڈھ لئے گئے ہیں "

(تفہیمات صفحہ ۱۱۵/۳۷)

اور

" اگر خدا کا خوف اور ایک ایک لفظ پر اس کے حضور باز پرس کا خطرہ نہ ہوتا
تو میں بطور نمونہ بتلاتا کہ خود ان حضرات کو ضال اور مضل ثابت
کردینا بلکہ انھیں دین و ملت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ٹھہرا دینا کتنا آسان ہے،

اور آدمی تقویٰ و خشیت کا لباس زور پہن کر کیسی کچھ باتیں خود ان لوگوں کے خلاف بنا سکتا ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۱۵/۲۶ و صفحہ ۱۱۶/۲۶)

اور

آپ "الفرقان" اور "المنبر" کے مضامین سے اگر دھوکا کھاتے رہیں گے تو میرے لئے سخت مشکل ہوگا کہ وہ آئے دن آپ کے دل میں ایک نیا وسوسہ ڈالیں اور میں اپنے سارے کام کو چھوڑ کر آپ کے وسوسے کو دور کرنے میں لگا رہوں۔

بہتر یہ ہے کہ آپ صبر کے ساتھ دونوں طرف کی چیزیں پڑھتے رہیں اگر آپ کی سمجھ میں حقیقت حال آجائے تو اچھا ہے ورنہ جہاں اور بہت سے لوگ اس وسوسہ اندازیوں کے شکار ہوئے ہیں وہاں ایک آپ بھی سہی۔ (ایضاً)

اور

یہ کرتب جو کمال درجہ تقویٰ کے ساتھ دکھائے جا رہے ہیں، میں صبر کے ساتھ ان پر خاموش رہنا ہی مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ یہ الزام تراشیاں اور دوسرے کو متہم کرنے کے لئے یہ سرگرمیاں اور بے تابیاں اپنے اندر جو روح رکھتی ہیں میں ہر وقت خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ ان کی مدافعت کی کوشش کہیں مجھے بھی چھوت نہ لگا دے۔" (صفحہ ۱۱۹ ایضاً)

اور

اب اس کا کیا علاج کیا جائے کہ یہ۔ خفالِ مکتب تک پہنچ چکی ہے (صفحہ ۳۰ الف)

محض ایک مضمون سے سرسری طور پر آپ کے سامنے یہ مثالیں پیش کر دی گئی ہیں اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ لوگ اپنے بارے میں کتنے حساس ہوتے ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ جو شخص صحابہ کرام تک کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانا اپنے لئے جائز رکھتا ہے اور انھیں تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتا اور جو انبیاء تک کے بارے میں اپنا بلا تکلف

فیصلہ صادر کرتا ہے وہ اپنے خلاف ایک بات بھی سننے کیلئے تیار نہیں ہے ۔

بہر حال اس کتاب سے ہمارا مقصد محض عامۂ مسلمین کو صحابہ کرام کے بارے میں مولانا مودودی مرحوم کے افکار و خیالات سے آگاہ کرنا ہے اور بس ۔ اور اسے میں اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں ۔

جماعت اسلامی کے وہ لوگ جو مولانا مودودی کی "عصمت" کے قائل ہیں ان کو نہ ہم نے مخاطب بنایا ہے اور نہ ہماری یہ تحریر ان کے لئے مفید ہو سکتی ہے ۔

(جاری)

ضروری اطلاع

ادارہ کی طرف سے بار بار اعلان کے باوجود بہت سے حضرات نے زمزم کا بقایا چندہ نہیں بھیجا ہے ، اب ہم مجبور ہیں کہ ان کے نام زمزم کو بند کر دیں ۔ اب جن حضرات کو زمزم نہ ملے وہ جان لیں کہ ان کو زمزم نہیں بھیجا جا رہا ہے ۔

جو حضرات چندہ کی رقم بھیجیں وہ اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں ۔ اور رقم بھیجنے کی اطلاع خط کے ذریعہ ضرور دیں ۔

(ادارہ)

محمد ۱۰ جمل مفتاحی

نورالدین نوراللہ الاعظمی

یاد رکھنے کی کچھ باتیں

(۱) اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
خوبی ہے اس کیلئے جو کامل ہونے کے باوجود تواضع اختیار کرے، اور اس شخص کے لئے جو اپنے نفس کو ذلیل رکھے، اور اس شخص کیلئے جو اللہ کی نافرمانی والی جگہوں کے علاوہ میں اپنا مال خرچ کرے، اور اس شخص کیلئے جو فقہ و سنت والوں سے میل جول رکھے، اور اس شخص کے لئے جو کمزوروں اور محتاجوں پر رحم کرے۔

اور خوبی ہے اس شخص کے لئے جس کی آمدنی پاک ہو اور اس کا باطن ٹھیک ہو، اور اس شخص کے لئے جس کا ظاہر شریف ہو اور جو لوگوں سے اپنی برائی کو دور رکھے، اور خوبی ہے اس شخص کے لئے جو اپنے علم پر عمل کرے، اور جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے اس کو دوسروں پر خرچ کرے، اور خوبی ہے اس شخص کیلئے جو فضول باتوں سے رکا رہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرا یقین ہے کہ گناہ کی وجہ سے آدمی کا علم چلا جاتا ہے، عالم وہ ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی اللہ سے اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔

(۳) ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادہم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ادعونی استجب لکم تم لوگ مجھ کو پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، لیکن کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ اس کی

پانچ وجہیں ہیں (۱) تم لوگوں نے اللہ کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا۔ (۲) تم لوگوں نے قرآن پڑھا اور اس کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ (۳) تم لوگوں نے زبان سے کہا کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیا۔ (۴) تم لوگوں نے کہا کہ ابلیس ملعون ہے مگر تم لوگ اسی کے کہنے کے پیچھے چلے (۵) تم لوگوں نے اپنے عیوب کو نہیں دیکھا اور دوسروں کے عیب شمار کرتے رہے۔

(۴) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ علم سیکھو اور اس پر عمل کرو اسلئے علم مت سیکھو کہ اس سے زینت حاصل کرو، عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ لوگوں کی غرض علم سیکھنے سے زینت حاصل کرنا ہوگی جس طرح آدمی کپڑوں سے زینت حاصل کرتا ہے۔

(۵) آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا، تم لوگ جتنا چاہے علم حاصل کرو اللہ اسی وقت اجر دے گا جب تم علم پر عمل بھی کروگے۔

(۶) حضرت حسن بصری فرماتے تھے، لوگوں کو ان کے اعمال سے پرکھو، ان کی باتوں کو چھوڑ دو، اس لئے کہ اللہ نے ہر قول پر عمل کو دلیل بنایا ہے، عمل کسی قول کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کرتا ہے، جب کسی سے کوئی اچھی بات سنو تو ذرا انتظار کرو اگر اس کا عمل اسکے قول کے مطابق ہے تو وہ انسان اچھا ہے اور اس کی اچھی بات ایک نعمت ہے۔

(۷) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت قاسم بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا، میں نے لوگوں کو پایا کہ ان کی بات اچھی معلوم ہوتی تھی لوگوں کا عمل انھیں خوش کرتا تھا،

(۸) خلیفہ کہا کرتا تھا کہ ہمیں یہ پسند ہے کہ لوگ ہمیں اپنے عمل سے وعظ کہیں تقریروں سے نہیں۔

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمل کے ذریعہ سے علم کے داعی بنو، صرف علم کی روایت کرنے والے مت بنو، بہت سے لوگ برائی سے بچتے ہیں اور وہ علم کے راوی نہیں ہوتے ہیں، اور بہت سے لوگ علم کے صرف راوی ہوتے ہیں گناہوں اور برائیوں سے وہ باز نہیں رہتے ہیں۔

(۱۰) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی متقی نہیں ہوتا جب تک کہ عالم نہ ہو، اور آدمی علم والا نہیں کہلاتا جب تک کہ اس پر عمل کرنے والا نہ ہو۔

(۱۱) حضرت امام سفیان ثوری فرماتے ہیں، علماء وہ ہوتے ہیں جو علم حاصل کرکے اس پر عمل کرتے ہیں جب وہ عمل کرتے ہیں تو وہ طاعات میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور جب اللہ کی طاعتوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ بس اسی میں گم رہتے ہیں (لوگوں سے ان کا ملنا جلنا کم ہو جاتا ہے) اور جب وہ طاعتوں میں گم ہوتے ہیں تو لوگ ان کی طلب میں نکلتے ہیں، اور یہ ان سے بھاگتے ہیں۔

(۱۲) مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ اس کا دل سخت ہو جائے (کہ اس پر کسی نصیحت اور کسی اچھی بات کا اثر نہ ہو)

(۱۳) انھیں کا قول ہے کہ جب عالم بے عمل ہوتا ہے تو اس کی نصیحت دلوں سے اسی طرح بہ جاتی ہے جیسے چکنے پتھر سے پانی کا قطرہ۔

(۱۴) زیاد بن ابی سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل کو جھنجھوڑتی ہے اور جو بات زبان سے نکلتی ہے تو کان ہی تک رہ جاتی ہے۔

(۱۵) ایک اللہ والے کا قول ہے کہ جلد ہی وہ زمانہ آنے والا ہے جب علم تو ظاہر ہوگا اور عمل غائب رہے گا، لوگ زبانوں سے تعلقات کا اظہار کریں گے اور دلوں سے تعلق کو ختم رکھیں گے، جب یہ زمانہ آئے گا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیں گے۔ (کہ حق بات ان کو سمجھ میں نہیں آئے گی) ان کے کانوں پر مہر لگا دیں گے (کہ حق بات ان کو دکھائی نہیں دے گی۔)

(۱۶) حسن ابن آدم فرماتے تھے کہ تم کو اس سے کیا فائدہ پہونچے گا کہ حکمت کی باتیں جمع کرو اور جب عمل کا وقت ہو تو بیوقوفوں کا راستہ چلو۔

(۱۷) عباد التمار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو انھوں نے کہا کہ میرے

رب نے میری مغفرت فرمادی ہے ۔ تو میں نے کہا کہ کیا علم کی وجہ سے تو انھوں نے فرمایا نہیں میاں علم کیلئے تو بڑی شرائط اور آفات ہیں، ان آفتوں سے بہت کم لوگ بچ پاتے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کس وجہ سے آپ کی اللہ نے مغفرت فرمادی، تو انھوں نے فرمایا کہ لوگ میرے بارے میں وہ باتیں کہتے تھے کہ جن کا علم نہ اللہ کو تھا اور نہ ان پر میرا عمل تھا ۔

(ماخوذ از جامع بیان العلم و فضلہ للامام الحافظ ابن عبد البر)

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

شیخ الکل میاں صاحب غیر مقلد نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی عبارت میں تحریف کی میاں صاحب سے شیخ جمن کی عقیدت لڑکھڑا گئی

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی شیخ جمن حفظہ اللہ کا آج کل مزاج برہم نظر آتا ہے، ہفتہ واری مجلس میں انھوں نے آنا بند کر دیا ہے، اور نہ کسی اہلحدیث عالم کو منہ لگاتے ہیں ۔

باپ ۔ جی بیٹا، بہت دنوں سے میرے یہاں بھی ان کی آمد نہیں ہوئی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت ناساز ہے، ورنہ وہ ایک پیالی چائے پینے اور حقہ کا دو کش لگانے تو صبح و شام وہ ضرور آتے تھے ۔

بیٹا ۔ اباجی مجھے معلوم ہوا ہے کہ طبیعت ان کی بالکل ٹھیک ہے، البتہ جماعت اہلحدیث کے لوگوں سے انھوں نے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور جماعتِ اہلحدیث کے بارے میں ان کا طرز گفتگو مقلدین والا ہو گیا ہے، یعنی ان کی زبان سے بھی اب یہ نکل رہا ہے کہ جماعتِ اہلحدیث کے اکابر و اصاغر سب بددیانت، بددین ہوتے ہیں، اور کتاب سنت کا نام لے کر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، عوام کی ناواقفیت پر اپنے علم کا تاج محل قائم

کرتے ہیں ۔

باپ ۔ بیٹا شیخ جمن تو اپنی جماعت کے بڑے خاص لوگوں میں سے ہیں وہ جماعت کے خلاف اس طرح کا اظہار کیوں کرنے لگے، کیا کسی اہلحدیث نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے ؟

بیٹا ۔ نہیں اباجی اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے، معاملہ دوسرا ہے، اور وہ بہت اہم معاملہ ہے، اگر اس کی شہرت عوام میں ہوئی تو ہمارے اکابر علماء سے لوگوں کا اعتماد ختم ہوجائے گا اور مقلدین کو ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے، اس وجہ سے شیخ ہدہد نے شیخ جمن کی بڑی منت سماجت کرکے اس معاملہ کو دبائے رکھنے کا عہد لیا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا، اگر تم کو کچھ معلوم ہو تو بتاؤ میرا دل اب دھک دھک کرنے لگا ہے کل شام ہی کو میں نے شیخ فاختہ حفظہ اللہ کے سامنے اپنے اکابر علماء کا بڑا زوردار تذکرہ کیا تھا، ایک گھنٹہ تو میاں صاحب شیخ الکل فی الکل کے فضائل کے بیان میں خرچ ہوا تھا، رد تقلید میں ان کی کتاب معیار الحق پر اور اس کی خصوصیات پر شیخ دلدل حفظہ اللہ کی گفتگو بڑی دلچسپ اور بڑی معلوماتی تھی ۔

بیٹا ۔ اباجی، معاملہ ہمارے انھیں میاں صاحب اور ان کی کتاب معیار الحق کا ہے شیخ جمن حفظہ اللہ کی برہمی انھیں میاں صاحب اور ان کی کتاب معیار الحق پر ہے، شیخ جمن آجکل اسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، اسی کتاب کے مطالعہ نے شیخ الکل سے شیخ جمن حفظہ اللہ کی عقیدت کو لڑکھڑا دیا، اور اب وہ میاں صاحب کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتے ۔

باپ ۔ بیٹا بات ذرا کھول کر کرو، میرا بلڈ پریشر بڑھ رہا ہے، میاں صاحب نے اسی کتاب میں کیا لکھ دیا ہے کہ شیخ جمن حفظہ اللہ جیسا پکا اہلحدیث اور میاں صاحب کا عقیدت مند ان سے اتنا برہم ہے کہ اب وہ ان کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتا ۔

بیٹا ۔ اباجی میاں صاحب نے تقلید کی بحث میں حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ابن حزم کی ایک عبارت کی وضاحت کے بیان میں یہ کلام نقل کیا ہے ۔ انما یتم یعنی کلام ابن حزم فیمن یضرب من الاجتہاد ولو فی مسئلۃ اور اس کا ترجمہ کیا ہے، یہ کلام ابن حزم کا اس شخص کے حق میں ہے جو قرآن و حدیث سے بھاگے اور ایک مسئلہ میں بھی حدیث سے استنباط نہ کرے اور نہ کسی اہل حق کو کرنے دے، میاں صاحب نے اس عبارت میں اور اس کے ترجمہ میں زبردست گھپلا کیا ہے، شاہ صاحب کی یہ عبارت ان کی کتاب عقد الجید میں ہے ۔ اور اصل عبارت یہ ہے ۔

انما یتم فیمن لہ ضرب من الاجتہاد ولو فی مسئلۃ واحدۃ

اور اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے ۔ یعنی ابن حزم کا یہ کلام اس شخص کے حق میں پورا ہوتا ہے جس کو کسی قسم کا اجتہاد حاصل ہو اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں ہو ۔

اب دیکھئے میاں صاحب نے عربی عبارت میں فیمن لہ ضربٌ من الاجتہاد کو فیمن یضرب من الاجتہاد کرکے اس کا ترجمہ اجتہاد سے بھاگے کیا ہے اور ایک مسئلہ میں بھی استنباط نہ کرے اور نہ کسی اہل حق کو کرنے دے کیا ہے، یعنی عربی عبارت میں بھی تحریف اور ترجمہ تو بالکل تحریف سے بھرا ہوا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا کیا واقعۃً میاں صاحب نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی معیار الحق کوئی نایاب کتاب نہیں ہے اور اسی طرح عقد الجید بھی کوئی نایاب کتاب نہیں ہے، جب چاہیں ان دونوں کتابوں میں یہ عبارتیں دیکھ لیں، شیخ جمن حفظہ اللہ نے خوب تحقیق کرلی ہے ۔

اور اباجی بڑے لطف کی بات تو یہ ہے، میاں صاحب فیمن یضرب من الاجتہاد کا ترجمہ اجتہاد سے بھاگے کرتے ہیں ۔ ضرب من کا ترجمہ بھاگنا لغت کی کس کتاب میں ہے ۔ اور اس سے زیادہ دلچسپ ترجمہ تو اس کا ولو فی مسئلۃ

واحدۃ کا ہے۔ دیکھئے میاں صاحب ترجمہ کرتے ہیں، اور ایک مسئلہ میں بھی حدیث سے استنباط نہ کرے اور نہ کسی اہل حق کو کرنے دے، یہ ترجمہ تو میاں صاحب کی قابلیت کا اعلیٰ شاہ کار ہے۔

باپ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون جب میاں صاحب کی قابلیت اور علم و دیانت کا یہ حال ہے تو ہمارے دوسرے علماء کے بارے میں لوگ کیا رائے قائم کریں گے۔

بیٹا۔ اباجی، مقلدین یہی تو کہتے ہیں کہ آج کے دور میں کسی کے علم و دیانت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، اور دین کا معاملہ بڑا نازک ہے اس لئے اس زمانہ دور اول کے فقہاء و محدثین ہی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے، جن کا علم و دیانت مسلم ہے، اور جن کے فقہ و اجتہاد پر عام طور پر اہل سنت نے اعتماد کیا ہے۔

باپ۔ بیشک مقلدین کی بات بہت حد تک درست ہے۔ اور میاں صاحب کی اس حرکت اور ان کی قابلیت کے اس نمونہ کے بعد یہ حقیقت اور بھی واضح ہو گئی ہے۔

بیٹا۔ اباجی کیا ہماری جماعت کے لوگوں کو اس سے کچھ عبرت حاصل ہو گی اور مقلدین کے خلاف نقطۂ نظر بدلے گا؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔ (۱)

میاں صاحب نے ہوائی اڑائی، شیخ کلو نے مات کھائی
شیخ جمن نے اپنی شان دکھائی

بیٹا، اباجی

باپ، جی بیٹا

---

(۱) اس دلچسپ بحث کیلئے دیکھو انتصار الحق صفحہ ۳۵-۱۳۴ تصنیف حضرت مولانا محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی متوفی ۱۳۱۱ھ اس انتصار الحق کے حاشیہ پر میاں صاحب کی کتاب معیار الحق میں ہے، جس کا جواب انتصار الحق ہے۔

بیٹا - ابا جی، آج شیخ چھوٹو حفظہ اللہ کی مسجد میں بعد عشا شیخ کلو حفظہ اللہ نے رد تقلید میں زبردست تقریر کی تھی، مگر شیخ جمن حفظہ اللہ نے ان کی ہوا اکھاڑ دی، معلوم نہیں شیخ جمن حفظہ اللہ کو ہمارے شیخ الکل فی الکل میاں صاحب سے کیا کد ہے کہ ان کا نام سنتے ہی ان کا چہرہ بگڑ جاتا ہے، غصہ سے تپنے لگتا ہے۔

باپ۔ شیخ کلو حفظہ اللہ تو بڑے محقق عالم ہیں، ان کی تقریر بڑی عالمانہ ہوتی ہے، تحقیق کا دریا بہاتے ہیں، رد تقلید میں تو ان کی شہرت سے ساتوں آسمان گونج رہاہے۔

بیٹا - ابا جی آپ ٹھیک کہتے ہیں ان کی عشاء بعد والی تقریر بھی بڑی زوردار تھی قرآن وحدیث سے سارے مقلدین کے مشرک ہونے کو ایسا مستحکم کیا تھا کہ مجمع جھوم اٹھا تھا، شیخ بدھو تو بار بار اٹھ کر ان کا بوسہ لے رہے تھے، بابا فقیرا نے کئی دفعہ فلک شگاف نعرہ لگایا، سلفی بجرانی حفظہ اللہ پر وجد کا عالم طاری تھا، مگر برا ہو شیخ جمن حفظہ اللہ کا انھوں نے سارا مزہ خراب کر دیا، اور شیخ کلو کو بڑا بے آبرو کیا۔

باپ - بیٹا ہوا کیا کچھ تفصیل تو سناؤ۔

بیٹا - ابا جی شیخ کلو حفظہ اللہ نے دوران تقریر میاں صاحب کی مایہ ناز کتاب معیارالحق سے حضرت شاہ ولی اللہ کی یہ عبارت سنائی۔ اعلم انہ لم یکلف اللہ تعالیٰ احداً من عبادہ ان یکون حنفیا اومالکیا او شافعیا اوحنبلیا الخ یعنی تم جانو کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ حنفی ہو، یا مالکی ہو یا شافعی ہو یا حنبلی ہو الخ

شیخ کلو نے جب حضرت شاہ صاحب دہلوی کی یہ عبارت پڑھی تو شیخ جمن کھڑے ہو گئے کہ شاہ صاحب نے یہ بات کس کتاب میں لکھی ہے، اس کا ثبوت پیش کرو، تو شیخ کلو نے معیارالحق کتاب سے میاں صاحب کا یہ کلام سنایا

کہ شاہ ولی اللہ صاحب رسالہ قول سدید میں فرماتے ہیں اعلم انه لم یکلف اللّٰه الخ اس پر شیخ جمن کو تاؤ آگیا اور کڑک کر کہا کہ میاں صاحب نے ہوائی اڑائی، یہ شاہ صاحب دہلوی کی بات نہیں ہے، نہ قول سدید نام کا ان کا کوئی رسالہ ہے جس میں یہ عبارت ہو، پھر انھوں نے مجمع سے فرمایا کہ میاں صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی طرف بالکل غلط بات منسوب کی ہے۔ میاں صاحب کو پتہ ہی نہیں کہ قول سدید نام کا رسالہ کس کا ہے۔

باپ - پھر کیا ہوا بیٹا۔

بیٹا - اباجی اس پر شیخ کلو نے کہا کہ میاں صاحب زبردست اہلحدیث عالم تھے، جماعت اہلحدیث میں ان سے بڑا انڈیا میں کوئی عالم نہیں گزرا وہ مولانا عبدالرحمٰن محدث کے استاذ تھے بلکہ ان کے استاذ حافظ عبداللہ محدث غازیپوری کے بھی استاذ تھے، ایسا بڑا عالم غلط بات نہیں کہے گا، شیخ فقیرا نے بھی انکی تائید کی۔

باپ - پھر کیا ہوا بیٹا، ذرا جلدی سناؤ

بیٹا - اباجی، شیخ جمن کے بغل میں صوفی دامنگیر حفظہ اللہ تھے، انھوں نے کہا کہ شور وشرابا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، شیخ جمن حفظہ اللہ اپنی جماعت ہی کے آدمی ہیں، پہلے ان کی بات پوری سنو، اس کے بعد شیخ جمن حفظہ اللہ نے شیخ کلو حفظہ اللہ کو چیلنج کیا کہ قول سدید رسالہ اگر وہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ثابت کردیں، اور عربی والی عبارت کو شاہ ولی اللہ صاحب کا کلام ثابت کردیں تو وہ شیخ کلو حفظہ اللہ کو پاؤ بھر برساتی جلیبی کھلائیں گے۔

باپ - پھر کیا ہوا شیخ کلو کو شاہ صاحب کی کتابوں کی فہرست میں یہ نام ملا

بیٹا - نہیں اباجی وہ صرف یہ کہتے رہے کہ میاں صاحب نے یہ بات اپنی معیاری کتاب معیار الحق میں فرمائی ہے، اور وہ خلاف تحقیق بات لکھنے والے آدمی نہیں ہیں۔

اس پر شیخ جن حفظہ اللہ نے پھر کڑاک کر کہا کہ شیخ الکل نے یہ بالکل ہوائی اڑائی ہے، قول سدید نام کا کوئی رسالہ شاہ ولی اللہ کا ہے ہی نہیں، قول سدید رسالہ کا مصنف محمد عبد العظیم ابن ملا فراخ کی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود اس رسالہ کے اخیر میں مصنف رسالہ کی یہ عبارت درج ہے۔ قال جامعہا محمد عبد العظیم المکی الحنفی وبعد تعلیق ھذہ الاسطر ظفرت فی اثناء المطالعۃ الخ یعنی اس رسالہ کا جامع محمد عبد العظیم کی حنفی کہتا ہے کہ میں نے ان سطور کو تحریر کرنے کے بعد دوران مطالعہ کچھ اور چیز پائیں۔

باپ۔ یہ عبارت تو صاف بتلا رہی ہے کہ ہمارے میاں صاحب کو پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ رسالہ کس کا ہے، اور اس رسالہ میں یہ بات کس نے کہی ہے، شیخ جن نے تو بڑی پختہ دلیل پیش کی ہے۔ اچھا پھر کیا ہوا۔

بیٹا۔ اباجی ہوتا کیا، شیخ کلو خاموش تھے، شیخ فقیر اکی اکڑ ختم ہو گئی تھی، شیخ بدیدا فسوس کر رہے تھے کہ انھوں نے شیخ کلو کا بوسہ لینے کی زحمت بلا وجہ اٹھائی، مجمع طرح طرح کی باتیں کرتا ہوا منتشر ہو گیا، تقریر کا آغاز جتنا شاندار تھا، انجام اتنا ہی خراب ہوا۔

باپ۔ بیٹا اس مجمع میں کوئی حنفی تو نہیں تھا۔

بیٹا۔ اباجی تھا، وہی کم بخت ط شیرازی جو ہمارے بڑوں بڑوں کا پول کھولتا ہے۔ دیکھئے زمزم میں اب وہ اس تقریر کی روداد کس انداز میں شائع کرتا ہے۔

اباجی، میاں صاحب جیسا اہلحدیث عالم بھی بے پر کی اڑاتا ہے، ایسا کیوں، کیا وہ اپنے علاوہ سب کو جاہل سمجھتے تھے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔ (۱)

---

(۱) تفصیل کیلئے انتصار الحق کا ص ۱۳۶ اور ص ۱۲۸ دیکھو۔

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونے والا دوماہی
دینی و علمی مجلہ
زمزم
جلد ۹
جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
شمارہ ۳
مدیر مسئول و مدیر التحریر
محمد ابوبکر غازیپوری
سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
پتہ
مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازیپور یوپی
پن کوڈ - ۲۳۳۰۰۱
فون نمبر ۰۵۴۸-۲۲۱۷۰۵
موبائیل نمبر - ۹۴۵۱۰۰۶۴۹۹

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امریکہ عراق اور افغانستان میں پھنس چکا ہے، اور معنوی طور پر وہ شکست کھا چکا ہے اس کی افواج کے حوصلے پست ہو چکے ہیں، امریکہ کے سر پر اسامہ بن لادن کے نام کا ہتھوڑا برستا رہتا ہے جس سے بش کی نیند حرام ہو چکی ہے، عافیت کے ساتھ ایک رات بھی بسر کرنا اسکے مقدر میں نہیں ہے، نیند کی گولی کھا کر امریکہ کا صدر سوتا ہے اس کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے غائب رہتی ہے، عراق میں اس کی فوجیں ایک طرح سے گھری ہیں نہ وہاں ان کا رہنا سکون سے ہے اور نہ بھاگنے کی جگہ ہے، امریکہ اپنی افواج کو عراق سے نکالنا چاہتا ہے مگر کوئی بہانہ مل نہیں رہا ہے، اور بغیر بہانہ کے فوجوں کا بلانا امریکہ کیلئے موت ہے،

افغانستان کا بھی یہی حال ہے، طالبان کا دباؤ ہر روز بڑھ رہا ہے، اور انکی گرفت میں افغانستان کے کئی صوبے ہیں، کرزئی کی امریکہ نواز حکومت صرف کابل تک محدود ہے طالبان کے حملوں سے اتحادی افواج میں انتشار ہے اور ان کی اموات کا تناسب ہر روز بڑھ رہا ہے، کرزئی حکومت ایک تماشہ بن کر رہ گئی ہے۔

یہ تمام حقائق دنیا کے سامنے روشن سورج کی طرح عیاں ہیں، مگر امریکہ کے صدر کی فرعونیت کم ہوتے نظر نہیں آرہی ہے، اب وہ ایران پر نگاہ جمائے ہوئے اور ایران کی حکومت پر حملہ کی پوری تیاری کر چکا ہے، وقت حاضر کا یہ فرعون سمجھ رہا ہے کہ اس طرح وہ اپنے اقتدار کا پنجہ مشرق وسطیٰ میں گاڑ دے گا، اور اسرائیل کو پوری طرح محفوظ کر کے اس پورے خطہ کی مسلمان حکومتوں کو اپنا غلام بنالے گا۔

وہ فرماں رواہنایت ہی ناعاقبت اندیش ہوتاہے جو سامنے کی چیزوں کو نظر انداز کرکے آگے بڑھنے کا خواب دیکھے، اس وقت عراق اور افغانستان میں امریکی اور اس کے اتحادی افواج کا جو برا حال ہے، صدر بُش کی آنکھ کھولنے کیلئے اور ہوش کا ناخن لینے کیلئے کافی ہے، اگر صدر بُش بالکل بے عقلا اور اندھا نہ ہوچکا ہوتا تو وہ ایران پر حملہ کرنے کی بات سوچتا بھی نہیں، مگر طاقت کے نشے میں چور اور مدہوش امریکہ کا یہ صدر ایران پر حملہ کا پلان تیار کرچکاہے اور وہ وقت دور نہیں ہے کہ ایران پر امریکی بم برسنے لگے، امریکہ کا صدر جد جنون کی انتہائی حد کو پہونچ چکاہے یہ بھی کرکے دیکھ لے، خدانے چاہا تو ایران پر امریکہ کا حملہ امریکی صدر کی موت ثابت ہوگا اور عراق اور افغانستان جیسی موت کی ایک اور کھائی اس کو تیار ملے گی، ایران نے بھی فیصلہ کرلیاہے کہ وہ اپنے ملک کے مفاد کے خلاف امریکہ کی غلامی کو ہرگز نہیں قبول کرے گا اور نہ اپنا ایٹمی پروگرام امریکہ کے دباؤ میں آکر ملتوی کریگا ایران ایٹمی طاقت بن چکاہے اور اگر امریکہ نے ایران پر حملہ کیا تو ایران کا حملہ بھی بھرپور ہوگا اور اس سے دنیا میں جو تباہی مچے گی اس کا ذمہ دار صرف اور صرف امریکہ ہوگا۔

کس قدر ظلم اور بے انصافی کی بات ہے کہ اسرائیل کے پاس دوسو سے زائد ایٹم بم ہیں امریکہ کو اسرائیل کا ایٹمی طاقت بن جانا گوارا ہے، بلکہ امریکہ مزید ہتھیاروں سے اسکی سرپرستی کررہاہے مگر ایران اگر ایٹمی توانائی اپنے جائز مقاصد کے لئے حاصل کرتاہے تو امریکہ کی نیند حرام ہوجاتی ہے اور ایران پر حملہ کرکے اس کو نیست ونابود کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے، امریکہ خوب سمجھ لے کہ ایران اس کیلئے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوگا بلکہ وہ امریکہ کے حلق میں ہڈی بن جائیگا۔ اس وقت دنیا کی تمام انصاف پسند اقوام ایران کے ساتھ ہیں، امریکہ کا صدر امریکہ کی عوام کو جہنم میں جھونکنا چاہتاہے، آج امریکی عوام بھی اپنے صدر کی غلط پالیسی سے نالاں ہیں اور ہر دن صدر بُش کی مقبولیت کا گراف امریکہ میں گرتا جارہاہے۔

اگر امریکہ نے ایران پر حملہ کیا تو دنیا میں کتنی زبردست تباہی مچے گی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ایران بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ امریکی مفادات پر حملہ کرے گا، ایران

ایران عراق کی طرح بے دست و پا نہیں ہو چکا ہے، اس کی پوری بری و بحری و فضائی طاقت محفوظ ہے، اسلئے یہ جنگ برسوں چلے گی، ایران کی قوم ایک جفاکش قوم ہے امریکہ کیلئے اس سے مقابلہ آسان نہ ہوگا، کاش امریکہ اس بات کو سمجھے اور ایران پر حملہ کے ارادہ سے باز رہے، آزاد قوموں کی آزادی کو سلب کرنا آج کے زمانے کا سب سے بڑا ظلم ہے، امریکہ اس ظلم و بربریت کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا ہے، مگر ظالم کا انجام بہرحال ذلت و خواری کے ساتھ تباہ و برباد ہونا ہوتا ہے، غالباً امریکہ کیلئے یہ تباہی و بربادی مقدر ہو چکی ہے، جس کا مشاہدہ دنیا آج نہیں تو کل کرلے گی۔

گزشتہ زمزم کی اشاعت میں ہم نے ارمغان حق جلد ثانی کی طباعت مکمل ہوجانے کا اعلان کیا تھا، الحمدللہ کچھ تاخیر سے سہی بہرحال یہ کتاب تیار ہوگئی ہے، جن اہل ذوق حضرات نے اس کتاب کیلئے پیشگی رقم روانہ کردی ہے انکو یہ جلد صرف ساٹھ روپے میں دیئے جانے کا اعلان تھا ہم نے وعدہ کے مطابق اسی رقم میں انکو یہ کتاب بھیجنی شروع کردی ہے، البتہ جنھوں نے پانچ نسخوں سے کم کی رقم بھیجی ہے ان کو یہ کتاب پچہتر روپے میں بھیجی جارہی ہے۔ اوراب اسی قیمت پر یہ کتاب شائقین حضرات کو دستیاب کرائی جائے گی۔ خوبصورت جلد اچھا کاغذ، صاف ستھری کتابت اور گراں قدر قیمتی مواد پر مشتمل ۲۷۰ صفحات کی یہ کتاب پچہتر روپے میں بہت کم قیمت کا اہل علم کیلئے گراں قدر علمی تحفہ ہے، شائقین اس کتاب کو مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور یا بانی بکڈپو کٹرہ شیخ چاندلال کوچہ دہلی نمبر ۶ سے طلب کرسکتے ہیں۔

اس شمارہ سے ان تمام حضرات کے نام زمزم بند کردینے کا ادارہ نے فیصلہ کیا ہے، جن کا چندہ سال گزشتہ تک کا ہم کو نہیں پہونچا ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو قربانی کرے تو تیسرے روز کے بعد اسکے گھر میں قربانی کا گوشت باقی نہ رہنا چاہیئے۔ (یعنی تین دن کے اندر اندر سارا گوشت فقراء و مساکین، رشتہ داروں اور اپنے اوپر خرچ کر دینا چاہیئے) پھر جب دوسرا سال آیا تو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اس سال بھی ہمیں وہی کرنا ہے جس کا حکم ہمارے لئے سال گزشتہ تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، گوشت کھاؤ اور کھلاؤ اور اس کو جمع کر کے رکھو بھی، چونکہ سال گزشتہ تنگی میں لوگ تھے اسلئے میں نے چاہا کہ تم لوگ گوشت ان میں تقسیم کر کے انکی مدد کرو۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیثِ پاک سے کئی باتیں معلوم ہوئیں، ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ قربانی کے ایام صرف تین روز ہیں، یعنی بقرعید کی دس، گیارہ، بارہ تاریخ قربانی کی ہے، اس کے بعد قربانی کرنا درست نہیں ہے، اگر تیرہویں تاریخ میں بھی قربانی کرنا درست ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے لئے صرف تین دن کی تخصیص نہ فرماتے بلکہ آپ کا فرمان یہ ہوتا کہ چوتھے روز کے بعد تمہارے گھر میں قربانی کا گوشت باقی نہیں رہنا چاہیئے، مگر آپ نے یہ فرمایا کہ تیسرے روز کے بعد تمہارے گھر میں قربانی کا گوشت باقی نہیں رہنا چاہیئے، اب جو لوگ چوتھے روز بھی قربانی کرنے کو جائز رکھتے ہیں ان کا یہ عمل بخاری و مسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے۔

دوسری بات اس حدیثِ پاک سے یہ معلوم ہوئی کہ قربانی کا گوشت اعزہ، اقربا اور فقراء میں تقسیم کرنا چاہیئے، اس کی حرص بہت بری بات ہے کہ گوشت کو جمع کر کے صرف اپنے کھانے کیلئے رکھا جائے اگر پاس پڑوس میں ایسے گھرانے موجود ہیں جہاں قربانی بوجہ فقر و ناداری نہیں ہوئی ہے تو ان گھرانوں میں گوشت پہونچانا ہماری اسلامی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر قربانی کرنے والا ایسی جگہ موجود ہے جہاں عام طور پر قربانی ہو رہی ہے اور آس پاس کے فقیر گھرانوں میں گوشت پہونچ رہا ہے تو گوشت کو جمع کر کے رکھنا جائز ہے یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ بسا اوقات کوئی حکم عارضی ہوتا ہے، تو جب تک وہ عارض باقی رہتا ہے وہ حکم بھی باقی رہتا ہے اور جب عارض ختم ہو جاتا ہے تو وہ حکم بھی ختم ہو جاتا ہے اور اصل حکم عود کر آتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ آپ نے تین روز کے بعد قربانی کا گوشت گھر میں رکھنے سے جو منع فرمایا تھا اس کی وجہ قحط کی مصیبت تھی دوسرے سال جب قحط نہیں تھا تو آپ نے گوشت رکھنے کی اجازت دیدی۔

پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ حاکم وقت کو اس کا حق حاصل ہے کہ کسی دینی مصلحت کی خاطر ایک جائز امر سے منع کر سکتا ہے، اور اس کا یہ منع کرنا شرعی حکم قرار پائے گا اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہوگا تا آنکہ وہ حاکم یہ محسوس کرلے کہ اب اس مصلحت کی رعایت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط کے پیش نظر قربانی کا گوشت جمع کرنے سے منع کر دیا تھا جب کہ اصل کے اعتبار سے قربانی کا گوشت جمع کرنا جائز تھا، پھر جب یہ مصلحت ختم ہوگئی تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اصل حکم تھا یعنی قربانی کے گوشت کے جمع کرنے کے جواز کا حکم اسکو جاری کر دیا۔

چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ حاکم وقت اگر کسی دینی و شرعی معاملہ میں کوئی حکم جاری کرتا ہے تو اس سے بحث و حجت نہیں کی جائے گی بلکہ بلا چوں چرا اسکو عمل میں لایا جائے گا، جیسا کہ

صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم سنا اور اس پر عمل بلا کسی ردوکد کے شروع کر دیا، پھر دوسرا حکم جب آپ نے دیا تو اس پر عمل شروع کر دیا، صحابہ کرام کی طرف سے دلیل وحجت کا مطالبہ نہیں تھا نہ اس وقت جب آپ نے قربانی کا گوشت جمع کرنے سے منع فرمایا تھا اور نہ اس وقت جب آپ نے اس کی اجازت فرمادی، البتہ ازراہ شفقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کی وجہ خود ظاہر فرمادی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ کے موقع پر عورتوں کو بال منڈوانے سے منع فرمایا ہے عورتوں کو سر کے بال کا کچھ حصہ کاٹنا ہے۔

حج وعمرہ کے موقع پر احرام سے نکلنے کیلئے حج کرنے والوں کو اور عمرہ کرنے والوں کو سر کا بال منڈوانا یا ان کا قصر کرانا ہوتا ہے تب وہ احرام سے نکلتا ہے اور حج اور عمرہ [illegible] ممنوع چیزیں ہوتی ہیں حاجیوں کو اور عمرہ کرنے والوں کو اس کے کرنے کی اجازت ہوتی ہے مگر سر کا بال پورا اتروانا جس کو عربی میں حلق کہا جاتا ہے اس کی اجازت صرف مردوں کو ہے عورتوں کا سر کا پورا بال اتروانے کی اجازت نہیں ہے، ان کو صرف ایک انگلی کے برابر شروع سر کا بال اتروانا ہے، جس کو قصر کہا جاتا ہے، البتہ مردوں کو حلق اور قصر دونوں کی اجازت ہے، بلکہ مردوں کو حلق کرانا یعنی پورے سر کا بال اتروانا بہتر اور افضل ہے، قصر کرانے کی اجازت اور رخصت ہے، مردوں کو پورے سر کا بال اتروانا افضل ہے اس کی صراحت حدیث پاک میں ہے، یحییٰ بن الحصین اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے حلق کرانے والوں کے لئے تین مرتبہ دعا فرمائی اور قصر کرانے والوں کے لئے صرف ایک مرتبہ دعا فرمائی۔ (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت سے شرعی مسائل میں عورتوں کا حکم الگ ہے اور مردوں کا حکم الگ ہے، جو حکم مردوں کیلئے ہو یا ان کیلئے افضل ہو ضروری نہیں ہے کہ وہی حکم عورتوں کا بھی ہو یا ان کیلئے افضل ہو، بلکہ کبھی معاملہ برعکس ہوتا ہے یعنی جو حکم مردوں کیلئے

افضل ہوتا ہے عورتوں کے لئے وہ حرام اور ممنوع ہوتا ہے، جیسے اسی حلق والے مسئلہ کو دیکھئے کہ مردوں کیلئے حج اور عمرہ کے موقع پر حلق کرانا افضل ہے مگر عورتوں کیلئے حلق جائز نہیں ہے۔

اسی طرح نماز کے بہت سے احکامات ہیں جن میں مردوں کا حکم اور ہے اور عورتوں کا حکم اور ہے، مثلاً عورتیں ننگے سر نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں، مرد پڑھ سکتا ہے، عورتوں کو ٹخنہ چھپانا واجب ہے مردوں کو کھلا رکھنا ضروری ہے، مردوں کو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا افضل ہے، عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنا بہتر اور افضل ہے، اس طرح بے شمار مسائل ہیں جن میں مردوں کا حکم اور ہے اور عورتوں کا حکم اور ہے، کچھ لوگ ناسمجھی سے شرعی مسائل میں مردوں اور عورتوں کو برابر کرنا چاہتے ہیں اور احادیث پاک کا غلط مطلب بیان کرکے عورتوں اور مردوں کی نماز کو یکساں بتاتے ہیں، یہ شرعی مسائل میں دخل اندازی ہے اور جہالت کی بات ہے، ایسے ناسمجھوں کی باتوں پر مسلمانوں کو دھیان نہیں دینا چاہیئے۔

اوپر کی حدیث میں ایک خاص بات کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کیلئے زیب وزینت اور ان کے حسن وجمال کی علامت بنائی ہے، اس کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔ سر کا بال فطری طور پر عورتوں کے جمال اور حسن میں اضافہ کرتا ہے اور یہ عورتوں کیلئے قدرت کی طرف سے انتظام کیا گیا ہے، اس وجہ سے عورتوں کو بال کٹوانا اور مردوں کی طرح بال رکھنا جیسا کہ آج عام طور پر انگریزوں کی نقالی میں مشرق میں بھی فیشن بنتا جارہا ہے اور بہت سے مسلمان گھرانے بھی اس بلا میں گرفتار ہوتے جارہے ہیں۔ یہ فعل قطعاً غیر شرعی ہے اور بہت بڑے گناہ کا موجب ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مرد اور عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے یا جو عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مدینہ کی سختیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کرے گا میں قیامت کے

روزاس کا شفارشی ہوں گا۔ (مسلم)

مدینہ پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیارا اور بہت مبارک شہر ہے، مدینہ کی سرزمین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا انس اور بے انتہا پیار تھا، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہیں تھا کہ اس پاک شہر کے بارے میں کسی کی زبان پر کوئی شکوہ شکایت آئے، بلکہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ اگر کسی کو یہاں رہتے ہوئے کوئی پریشانی یا کوئی دشواری پیش آئے تو زبان سے اس کا شکوہ کرنے کے بجائے ان سختیوں کو ہنستے کھیلتے جھیل جائے، مدینہ کی سختیوں کو صبر سے برداشت کرنے کا اتنا بڑا اجر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسے شخص کیلئے قیامت کے روز اس کے لئے شفارشی بن جاؤں گا۔

اللہ اللہ کیا مقام ہے مدینہ پاک کا اور کیسا خوش نصیب ہے وہ شخص جو مدینہ پاک کی سختیوں کو ہنسی خوشی برداشت کرکے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو روز قیامت اپنا شفیع بنالے۔

ضروری گذارش

بہت سے حضرات زمزم کیلئے یا کتابوں کیلئے کمپوٹر والے منی آڈر فارم سے رقم بھیجتے ہیں، ان کا پتہ بالکل صاف نہیں ہوتا ہے، اسلئے انکی رقم جمع نہیں ہو پاتی ہے، ایسے متعدد منی آڈر فارموں کی رقمیں ہمارے پاس موجود ہیں، ان حضرات سے گذارش ہے کہ اگر رقم بھیجنے کے بعد بھی ان کو زمزم نہیں مل رہا ہے تو براہ کرم ادارہ کو مطلع فرمائیں اور اپنا پتہ بہت صاف لکھیں۔ پُرانے خریدار حضرات اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں ورنہ رقم جمع نہ ہوسکے گی اور ان کی شکایت باقی رہ جائے گی۔

محمد ا۔ جمل مفتاحی

نورالدین نوراللہ الاعظمی

زندوں اور مردوں کی روحوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱)

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ایک درخت سے دوسرے درخت تک اڑتے پھر رہے ہیں اور یہ پڑھ رہے ہیں لمثل هذا فليعمل العاملون، ان سے پوچھا گیا کس وجہ سے آپ جنت میں داخل کئے گئے؟ تو ان کا جواب تھا، ورع سے، پھر ان سے دریافت کیا گیا کہ علی بن عاصم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم نے تو ان کو تارا کی طرح دیکھتے ہیں (یعنی وہ اتنے اونچے پر ہیں کہ صرف انکی چمک دکھلائی دیتی ہے)

شعبہ بن الحجاج اور مسعر بن کدام یہ دونوں حافظ حدیث تھے اور دونوں بڑے مقام کے محدث تھے، اور ابو احمد الیزیدی کہتے ہیں کہ میں نے ان دونوں کو ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا، میں نے شعبہ سے پوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو انھوں نے کہا کہ اللہ تمہیں ان اشعار کو یاد کرنے کی توفیق دے پھر یہ اشعار سنائے

حبانی الٰهی فی الجنان بقبة لها الف باب من لجین وجوهرا

وقال لی الرحمن یا شعبة الذی تبحر فی جمع العلوم فاکثرا

تنعم بقربی اننی عنك ذو رضا وعن عبدی القوام فی اللیل مسعرا

(۱) ابن قیم کی کتاب الروح کی ایک فصل کا ترجمانی

کفا مسعراً عزاً بان سیزورنی　　واکشف عن وجھی الکریم لینظرا
وھذا فعالی بالذین تنسکوا　　ولم یالفوا فی سالف الدھر منکرا[1]

احمد بن محمد اللبدی فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ کا معاملہ آپ کے ساتھ کیسا رہا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اس نے میری مغفرت فرمادی، پھر اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم کو میرے بارے میں ستر کوڑے مارے گئے تھے میں نے کہا ہاں اے رب، تو اللہ نے فرمایا کہ یہ میرا چہرہ ہے، میں نے اس کو تمہارے لئے مباح کردیا ہے، اس کی طرف دیکھو۔

ابو بکر بن محمد بن الحجاج کہتے ہیں کہ مجھ سے طرطوس کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ میں نے اللہ سے سوال کیا تھا کہ وہ قبر والوں کو مجھے دکھلادے تاکہ میں ان سے حضرت امام احمد بن حنبل کے بارے میں معلوم کروں کہ اللہ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا تو میں نے دس سال بعد خواب دیکھا کہ گویا تمام مردے اپنی اپنی قبر پر کھڑے ہیں، انھوں نے مجھ سے بات کرنے میں سبقت کی اور مجھ سے کہا کہ تم نے کتنی مرتبہ اللہ سے دعا کی ہے کہ وہ ہم لوگوں کو تم کو دکھلادے، تم ایسے شخص کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو کہ جب سے وہ تم سے جدا ہوا ہے شجرِ طوبیٰ کے نیچے ملائکہ اس کو سنوارتے رہتے ہیں۔ (یہ امام احمد بن حنبل کے علو درجہ اور رفعت منزلت کی طرف اشارہ ہے)

اور ابو جعفر سقا، جو بشر بن حارث کے شاگرد تھے فرماتے ہیں کہ میں نے بشر حافی اور

---

(۱) اللہ نے مجھے ایک ایسا قبہ عطا کیا ہے جس کے چاندی اور جوہر کے ہزار دروازے ہیں، اور اللہ نے مجھ سے کہا کہ اے شعبہ جس نے علوم کو مہارت کے ساتھ حاصل کیا اور بہت زیادہ حاصل کیا میری قربت کا مزہ لوٹو میں تم سے راضی ہوں، اور اپنے بندہ مسعر سے بھی جو راتوں کو خوب نماز پڑھنے والا تھا، مسعر کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ میری زیارت کرے گا اور وہ مجھے دیکھے گا اس کے لئے میں اپنا چہرہ کھولوں گا، میرا یہ معاملہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو عبادت گذار ہیں اور دنیا میں انکو برائی سے الفت نہیں رہی۔

معروف کرخی کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہیں سے آرہے ہیں، میں نے ان سے پوچھا آپ دونوں کہاں سے تشریف لارہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ جنت الفردوس سے، ہم نے موسیٰ کلیم اللہ کی زیارت کی ہے۔ (علیہ السلام)

ابو عاصم الجزری کہتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں نے بشر بن حارث سے ملاقات کی ہے اور میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں تو انھوں نے بتلایا کہ علیین سے میں نے کہا کہ احمد بن حنبل کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو انھوں نے بتلایا کہ میں نے ابھی ابھی ان کو عبد الوہاب الوراق کے ساتھ چھوڑ کر آرہا ہوں، وہ دونوں اللہ کے سامنے ہیں، کھا رہے ہیں اور پی رہے ہیں، تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کیوں چلے آئے؟ تو کہا کہ اللہ کو معلوم تھا کہ مجھے کھانے پینے سے زیادہ رغبت نہیں ہے اس لئے اللہ نے مجھے اپنا دیدار کرا دیا۔

ابو جعفر سقاء کہتے ہیں کہ میں نے بشر بن حارث کو ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ اے ابو نصر (ان کی کنیت ہے) اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو انھوں نے بتلایا کہ اس نے لطف و کرم اور مہربانی کا معاملہ فرمایا، اور مجھ سے کہا کہ اے بشر اگر تم زندگی بھر دنیا میں میرے لئے آگ پر بھی سجدہ کرتے تو جو میں نے بندوں کے دلوں کو تمہاری محبت سے بھر دیا تھا اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے تھے، اور میرے لئے نصف جنت کو مباح کر دیا کہ میں جہاں چاہوں گھوموں پھروں، اور اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جس نے میرے جنازہ میں شرکت کی اس کی وہ بخشش کر دے گا، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ ابو نصر تمار کے ساتھ کیا ہوا؟ تو بتلایا کہ وہ مصیبتوں پر صبر کرنے کی وجہ سے سب سے اوپر ہیں۔

بعض الصالحین نے کہا کہ میں نے ابوبکر شبلی کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں وہ موت سے پہلے بیٹھا کرتے تھے، ان کے بدن پر اچھے کپڑے تھے پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے ان کو بڑھ کر سلام کیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے مریدوں میں سے سب سے قریب آپ سے کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ جو اللہ کا خوب ذکر کرنے والا اور اللہ کے حق کو خوب ادا کرنے والا اور اللہ کی مرضی

میں زیادہ سچی دکھلانے والا ہے۔

ابن قیم کچھ اسی طرح کے خواب ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بہت طویل فہرست ہے، اگر تمہارا النفس ان کی تصدیق نہیں کرتا، یا تم یہ کہو کہ یہ خواب ہیں ان کا کیا اعتبار تو اس کو دیکھو جس نے اپنے کسی ساتھی کو خواب میں دیکھا ہے اور اس نے اسکو کوئی بات بتلائی ہے جس کا پتہ صرف مرنے والے کو تھا، یا کسی مدفون مال کی خبر دی ہے، یا کسی پیش آنیوالے خطرہ سے آگاہ کیا ہے یا کسی ہونے والی بات کی خوشخبری سنائی ہے اور جس طرح اس نے بتلایا ہے یا خبر دی یہ باتیں اسی طرح سے پیش آئی ہیں، یا اس نے خبر دی ہے کہ وہ یا اس کے بعض گھر والے فلاں فلاں وقت میں مرجائیں گے تو وہ واقعہ اسی طرح سے پیش آیا، یا اس نے بتلایا کہ اس سال سبزو شادابی رہے گی، یا اس سال قحط پڑے گا، یا کوئی دشمن حملہ کرے گا یا کوئی مصیبت آئے گی یا کوئی بیماری پھیلے گی تو یہ واقعات اسی طرح سے پیش آئے جیسا کہ اس نے خواب میں بتلایا تھا اور اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں جن کا احصاء اللہ ہی کر سکتا ہے، اور اس بارے میں سب لوگ مشترک ہیں کوئی ان کا منکر نہیں ہے خود ہم نے اور دوسروں نے اس قسم کے عجیب عجیب واقعات دیکھے ہیں۔

پھر رؤیا (خواب) کی تین قسم ہے، رؤیا من اللہ، یعنی جو خواب اللہ کی طرف سے ہو۔ رؤیا من الشیطان یعنی جو خواب شیطان کی طرف سے ہو، اور رؤیا من حدیث النفس یعنی جو خواب انسانی خیالات سے ہوں۔

پھر صحیح خواب کی بھی چند قسم ہے۔ (۱) ایک قسم الہام کی ہے جو اللہ بندہ کے قلب میں القاء کرتا ہے، وہ بندوں سے اللہ کا کلام ہوتا ہے جو اللہ بندہ سے خواب میں کرتا ہے۔

اور ایک قسم خواب کی مثالی ارواح کی ہوتی ہے جس کو وہ فرشتہ جو خواب پر مقرر ہے خواب دیکھنے والے کے سامنے کر دیتا ہے۔

اور ایک قسم صحیح خواب کی وہ ہے کہ سونے والے کی روح مردوں کی روح سے ملاقات کرتی ہے جیسا کہ میں نے سابق میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور صحیح خواب کی ایک قسم بندہ کی روح کا اللہ کی طرف عروج کرنا ہوتا ہے اور وہ روح اللہ سے مخاطب ہوتی ہے۔

اور قسم خواب کی یہ ہے کہ بندہ کی روح جنت میں داخل ہوتی ہے اور جنت کا مشاہدہ کرتی ہے، پس زندوں کی روحوں کا مردوں کی روحوں سے ملاقات کرنا وہ صحیح خوابوں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور یہ چیز انسانوں کی نزدیک از قبیل محسوسات کے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث حافظ مندہ نے کتاب النفس والروح میں ذکر کی ہے جس میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا کہ ابوالحسن بسا اوقات آنحضورؐ کی خدمت میں آپ رہے اور ہم نہیں رہے، کبھی ہم رہے اور آپ نہیں رہے، میں تین باتیں آپ سے پوچھتا ہوں کیا ان کے بارے میں آپ کو کچھ ہے، حضرت علی نے فرمایا کہ وہ تین باتیں کیا ہیں؟ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی سے محبت رکھتا ہے حالانکہ جس سے وہ محبت کر رہا ہے اس کی کوئی بھلائی اس کے سامنے نہیں اسی طرح کبھی کوئی کسی کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ اس کی کوئی برائی وہ نہیں دیکھتا۔ (ایسا کیوں ہوتا ہے؟) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا علم مجھے ہے، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے روحیں گروہ کی گروہ ہیں فضا میں وہ ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور ایک دوسرے کو سونگھتی ہیں، تو اگر انکی آپس میں جان پہچان ہوجاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے مانوس ہوتی ہیں اور اگر ایک کو دوسرے سے اجنبیت محسوس ہوتی ہے تو پھر دونوں روحوں کا اختلاف رہتا ہے (اور اسی کا اثر دنیا میں ان کے درمیان ظاہر ہوتا ہے) حضرت عمر نے فرمایا یہ پہلی بات ہوئی۔

پھر حضرت عمر نے کہا کہ آدمی بات کرتے کرتے اچانک بھول جاتا ہے، پھر ایک بیک وہ بھولی بات اسے یاد آجاتی ہے (ایسا کیوں ہوتا ہے) تو حضرت علی نے فرمایا کہ اس کے بارے میں بھی مجھے علم ہے، آنحضورؐ سے میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے کہ ہر دل کیلئے چاند پر چھانے والے بادل کی طرح ایک بادل ہوتا ہے، چاند روشن رہتا ہے

لیکن اس کو بادل ڈھانک لیتا ہے تو اس کی روشنی ختم ہو جاتی ہے، جب بادل چھٹتا ہے تو پھر چاند روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل کا بادل جب دل کو ڈھانک لیتا ہے تو انسان بھولتا ہے اور جب وہ بادل دل ہٹ جاتا ہے تو انسان کو بھولی بات یاد آجاتی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ دو باتیں ہوئیں۔

پھر حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا کہ انسان خواب دیکھتا ہے کبھی وہ خواب سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا ہوتا ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جب آدمی سوتا ہے تو اس کی روح کا عرش کی طرف عروج ہوتا ہے، پس جو آدمی اپنی روح کو عرش تک پہونچنے سے پہلے بیدار نہیں ہوتا ہے اس کا خواب سچا ہے اور جس کی آنکھ اس سے پہلے کھل جاتی ہے اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان تین باتوں کے جاننے کی مجھے طلب تھی الحمد للہ مرنے سے پہلے میں نے ان کا علم حاصل کر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک ارشاد میں فرماتے ہیں کہ روحوں کو خواب میں آسمان کی طرف لیجایا جاتا ہے، پس جو بات وہ آسمان میں دیکھتی ہے وہ تو حق ہوتی ہے اور اگر ان روحوں کو ان کے بدن میں واپس بھیجا جاتا ہے تو فضا میں شیاطین سے ان کی ملاقات ہوتی ہے تو یہ شیاطین ان سے جھوٹ سچ کہتے ہیں تو خواب میں جو اس وقت کی بات نظر آتی ہے وہ جھوٹی ہوتی ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح کو عرش تک پہنچایا جاتا ہے، اگر انسان پاک ہوتا ہے تو اس کی روح کو سجدہ کا حکم ہوتا ہے، اور اگر وہ پاکی کی حالت میں نہیں ہوتا ہے تو روح کو سجدہ کا حکم نہیں دیا جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کبھی سونے والا زندہ کو دیکھتا ہے، اس سے بات کرتا ہے، اس سے مخاطب ہوتا ہے اور وہ دور مسافت پر بھی ہوتا ہے اور جس کو وہ دیکھتا ہے چونکہ وہ

زندہ ہوتا ہے اس لئے اس کی روح اس کے بدن ہی سے لگی ہوتی ہے اس سے جدا نہیں ہوتی تو پھر دونوں کی روحیں ایک دوسرے سے کیسے ملتی ہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس کی مثالی روح ہوتی ہے جس کو فرشتہ سونے والے کے سامنے کر دیتا ہے یا یہ خواب دیکھنے والے کے خیالات ہوتے ہیں ، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک روح کا دوسری روح سے بہت مضبوط تعلق ہوتا ہے اس لئے ہر ایک روح اس بات کو محسوس کر لیتی ہے جو دوسری روح کو پیش آتی ہے ، اور جن سے ایسا تعلق نہیں ہوتا ہے ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا اس روح کو احساس نہیں ہوتا ہے ، اور اس بارے میں لوگوں کا عجیب عجیب مشاہدہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ خواب میں روحوں کی ملاقات اسی طرح ہوتی ہے جس طرح مردوں اور زندوں کی ارواح آپس میں ملتی ملاتی ہیں۔

بعض سلف کا قول ہے کہ روحیں فضا میں ملاقات کرتی ہیں تو کبھی ایک دوسروں کی پہچانتی ہیں اور کبھی ان کا آپس میں تعارف نہیں رہتا ، پھر وہ خواب کا فرشتہ ان ارواح کے پاس خیر و شر کی وہ باتیں لاتا ہے جو دنیا میں انکو پیش آنے والی ہوتی ہیں ۔

اور انھیں کا قول ہے کہ اللہ نے سچے خواب کیلئے ایک فرشتہ مقرر کیا ہے ، اس فرشتہ کو اللہ نے ہر نفس کی معرفت عطا کی ہے اور اس کو دنیا اور دنیا کے بعد جو کچھ پیش آنیوالا ہے اس کا علم دیا ہے ، وہ فرشتہ اس میں غلطی نہیں کرتا ہے اور نہ کوئی بات اس پر مشتبہ ہوتی ہے ام الکتاب ۔ یعنی لوح محفوظ) سے علم غیب کا ایک حصہ اس کو دیا جاتا ہے جس میں اس انسان کو جو کچھ پیش آنیوالا ہوتا ہے خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ، خیر سے ہو یا شر سے اس گھر سے ہو یا اس گھر سے سب کچھ درج ہوتا ہے ، پھر انسان کو جو کچھ پیش آنیوالا ہوتا ہے فرشتہ اسکو امثال و اشکال کی صورت میں انسان کے سامنے کر دیتا ہے کبھی فرشتہ اس کو نیکی اور خیر کی خبر دیتا ہے جس کو وہ کر چکا ہے یا کرنے والا ہوتا ہے ، کبھی وہ اس کو کسی گناہ سے ڈراتا ہے جس کو وہ کر چکا ہوتا ہے یا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ، کبھی وہ اس کو ان بُرے حالات سے باخبر کرتا ہے جن کے پیدا ہونے کے اسباب جمع ہو چکے ہیں تاکہ انسان ان سے

اپنے بچاؤ کا سامان کر سکے ، ان باتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں جن کو اللہ بربنائے فضل و کرم اور احسان و اکرام ان خوابوں میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور ان خوابوں کو ارواح کی آپس کی ملاقات کا ذریعہ اور سبب بناتا ہے ، کتنے لوگ ہیں جن کو توبہ صلاح اور توجہ الی الآخرۃ کی خواب ہی کے ذریعے توفیق ہوتی ہے ، اور کتنے لوگ ہیں جنکو مالداری کا سبب خواب ہی ہوئے کہ خواب میں انھوں نے کسی خزانہ کو دیکھا یا کسی دفن شدہ مال کا ان کو پتہ لگا اور انھوں نے بیدار ہو کر اسے حاصل کیا۔

ابوبکر احمد بن مروان مالکی کی کتاب " المجالسۃ "، میں ہے کہ معتمر بن سلیمان نے کہا کہ کچھ لوگوں نے ان سے بیان کیا کہ وہ لوگ ایک مرتبہ سفر پر نکلے وہ تین لوگ تھے ، اس میں ایک سوگیا ، تو اسکے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ہم نے اس سونے والے کی ناک سے چراغ جیسی چیز نکلتی دیکھا ، اور وہ قریب کے ایک غار میں گھس گئی پھر لوٹ کر اس کی ناک میں چلی گئی اتنے میں وہ اپنا چہرہ ملتا ہوا اٹھا اور ہم سے کہا کہ اس نے خواب میں اس غار میں ایسے ایسے خزانے دیکھے ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ اس غار میں داخل ہوئے تو زمانہ گذشتہ کے کئی مدفون خزانے وہاں تھے۔

حضرت عبد المطلب کو زمزم کا پتہ خواب ہی میں لگا اور وہاں ان کو دفن شدہ خزانہ ملا۔

عمیر بن وہب ؓ کو خواب میں بتلایا گیا کہ فلاں جگہ جاؤ اور فلاں گھر کو کھودو وہاں تمہارے باپ کا مدفون خزانہ ملے گا۔ ان کے والد یہ خزانہ دفن کر کے مر گئے تھے اور ان کو ان کی وصیت کرنے کا موقع نہیں ملا تھا ، حضرت عمیر نیند سے بیدار ہوئے اور اس جگہ کو کھودا تو دس ہزار درہم اور بہت سے سونے کے ڈلے ان کے ہاتھ آئے ، اس سے انھوں نے اپنا قرض ادا کیا اور انکی اور ان کے گھر والوں کی حالت بہتر ہوئی ، یہ واقعہ ان کے اسلام لانے کے بعد پیش آیا ، اس پر ان کی سب سے چھوٹی بچی نے ان سے کہا کہ ابا جان ہمارا وہ رب جس نے ہمیں اپنے دین کے بدلے یہ دیا ہے لات اور عزیٰ سے بہتر ہے ابھی ہم نے اس کی چند ہی دن عبادت کی کہ ہمیں یہ مال مل گیا۔

علی بن ابی طالب القیروانی کہتے ہیں کہ عمیر بن وہب کا خواب کے سبب مال پانے کا

اس سے زیادہ عجیب واقعہ نہیں ہے جس کو ہم نے خود اپنے زمانہ میں اور شہر میں دیکھا ہے۔
ابومحمد عبداللہ بغاشی نام کے ایک شخص تھے جو صالح مرد تھے اور خواب میں مردوں کے دیکھنے کے بارے میں انکی شہرت تھی، وہ مردوں سے پوشیدہ امور کے بارے میں سوالات کرتے تھے، پھر جن سے متعلق واقعہ ہوتا ہے انکو یا ان کے گھر والوں کو اس کی اطلاع کردیتے تھے، اس بارے میں ان کی بڑی شہرت تھی، اس لئے لوگ ان کے پاس آتے کوئی کہتا کہ ہمارے گھر کا فلاں مرگیا اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی، اس کے مال کا کچھ اتہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں رکھا گیا ہے، وہ کہتے کہ تم پریشان نہ ہو اور ان سے وعدہ کرتے کہ میں تم کو بتلاؤں گا پھر وہ اللہ سے دعا کرتے چنانچہ میت ان کو خواب میں نظر آتا وہ اس سے پوچھتے اور پھر اس کے گھر والوں کو اس کی خبر دیتے۔

ان کے عجیب واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک صالحہ بوڑھی عورت کا انتقال ہوا، اس کے پاس ایک دوسری عورت نے سات دینار بطور امانت رکھے تھے، اس کے مرنے کے بعد وہ عبداللہ سناشی کے پاس آئی اور ان سے صورت واقعہ کو بتلایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا، مرنے والی بوڑھی عورت کا نام اور اپنا نام ان کو بتلایا اور چلی گئی، دوسرے روز جب وہ آئی تو انھوں نے اس عورت سے کہا کہ مرنے والی عورت کہتی ہے کہ اس سے کہو کہ میرے چھت میں لگی سات لکڑیوں تک شمار کرے، ساتویں کے نیچے اس کی امانت رکھی ہے جو ایک سوتی کپڑے میں لپٹی ہے، چنانچہ اس عورت نے جاکر دیکھا تو بعینہ اسی طرح کے کپڑے میں اسی جگہ اس سات دینار کو پایا۔

اس طرح کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں، اسی طرح خواب میں بتلائے ہوئے طریقہ سے مرض سے شفا پانے کے واقعات بھی بہت ہیں۔

مجھے بعض ان لوگوں نے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں اچھا گمان نہیں رکھتے تھے بتلایا کہ بعض مشکل مسائل کے بارے میں انھوں نے ابن تیمیہ کے انتقال کے بعد ان سے پوچھا تو انھوں نے اس کا جواب با صواب دیا۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ خواب میں روحوں کا ملنا ملانا ایک امر واقعہ ہے اور اس کا انکار وہی کرے گا جو ارواح کے احکام اور ان کے حالات سے بالکل جاہل ہے ۔

یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ

امام ذہبی ان کو الامام، اور سید الحفاظ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، خلیل فرماتے ہیں کہ انکی امامت فی الحدیث میں کسی کو اختلاف نہیں ہے ۔ محدثین میں انکی جلالت قدر مسلم ہے اور ان کا کہنا تھا کہ جس کو یحییٰ نے چھوڑ دیا ہم نے بھی اس سے حدیث نہیں لی ۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں حفظ، ورع، علم، فہم، فضل اور دین میں سید العلماء میں سے تھے ۔

اسحٰق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ یحییٰ قطان عصر کی نماز پڑھ کر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے، اور ان کے سامنے علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین شاذ کونی اور عمر بن علی جیسے جلیل القدر محدثین احادیث کے بارے میں کھڑے کھڑے سوال کرتے تھے، ان کی ہیبت اور عظمت کی کی وجہ سے انکو بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی ۔

حضرت سعید بن قطان حضرت امام اعظم کے شاگرد تھے اور انھیں کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے، فرماتے تھے، ہم اللہ کے حضور غلط بات منہ سے نہیں نکالیں گے، ہم نے حضرت امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر دین کے مسائل میں کسی اور کی رائے نہیں سنی ۔

نیز فرماتے تھے ۔ خدا کی قسم ہم نے امام ابو حنیفہ کی مجلس درس میں شرکت کی ہے، ہم نے ان سے حدیث سنی ہے، خدا کی قسم جب میں ان کو دیکھتا تھا تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں ۔

محمد اجمل مفتاحی

نورالدین نور اللہ الاعظمی

خط اور اس کا جواب

جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث کا علمی تعارف ان کی تحریرات کی روشنی میں

مکرمی مولانا نورالدین نوراللہ الاعظمی صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون! زمزم کا شمارہ نمبر۶ جلد نمبر۸ ملا، جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب کی کتاب پر آپ کا تبصرہ اگرچہ پچاس صفحات پر مشتمل تھا، مگر ابھی ہماری تشنگی باقی ہے۔ براہ کرم ان شیخ الحدیث صاحب کی کچھ مزید تحقیق سے آگاہ فرمائیں تاکہ ہم اور زمزم کے دوسرے قارئین بھی جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب کی کچھ اور تحقیقات اور گل افشانی گفتار سے لذت اندوز ہوں اور معلوم ہو کہ سلفیت کے مدعی طبقہ کی شرافت، اور علم و تحقیق کا معیار کیا ہے، اگرچہ ہم نے آپ کے مضمون سے بہت کچھ جان لیا ہے مگر ابھی مزید کی خواہش ہے، امید ہے آپ توجہ فرمائیں گے۔ حضرت مولانا غازی پوری کی خدمت میں ہدیہ سلام عرض ہے۔

جاوید انصاری اعظم گڈھ

زمزم! آپ کی طرح اور لوگوں نے بھی اس کا مطالبہ کیا ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں آپ حضرات کا مطالبہ کیسے پورا کروں، علم و دانش کی بات ہو تو کچھ لکھنے میں جی لگتا ہے، گالی گلوج کی اشاعت کچھ اچھی بات نہیں ہے، جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث کی یہ کتاب گالیوں کا انبار ہے، آٹھ سو صفحات کی کتاب میں چھ سو صفحات سے

زائد مکررات اور گالیاں ہیں، آپ کو ان گالیوں سے کیا لینا دینا ہے اور ان کو سننے میں کیا مزا آئے گا۔ میں نے زمزم میں تو صرف اس کے مقدمہ ہی کو پیش نظر رکھا تھا اس کتاب میں اتنے مغلظات ہیں کہ کوئی شریف آدمی اس کو پڑھ نہیں سکتا، اس کتاب کو میں نے جب کبھی اٹھایا ہے ایک صفحہ بھی پڑھنا دشوار ہو گیا ہے، بھلا بتلائیے کہ جو اس زبان میں بات کرے اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے، اور اس طرح کی تحریر کو کوئی کیسے پڑھے، موصوف شارح بخاری شریف علامہ عینی اور ہدایہ کے شارح علامہ ابن الہمام پر یوں گرجتے ہیں۔

" علامہ عینی وابن الہمام جیسے مقلدین کا مجرمانہ گھناؤنا کردار دیوبندیہ کے مجرمانہ گھناونے کردار سے اس لئے بڑھا ہوا ہے کہ انھوں نے ہی دیوبندیہ کے لئے اکاذیب پرستی ومغالطہ اندازی وتحریف کاری وتلبیس وغیرہ جیسے مذموم کاموں کا طریقہ بتلایا ہے اور نصوص شرعیہ میں صراحت ہے کہ مجرمانہ گھناؤنے کردار کے بانی ومبانی لوگوں پر اپنے گھناؤنے کردار کا بوجھ تو ہوگا ہی ان کی بتائی ہوئی گھناؤنی راہ پہ چلنے والوں کے جرائم ومعاصی اور گھناؤنے کاموں کا بوجھ بھی تا قیامت لدتا چلا جائیگا۔" ص ۱۴۶

علامہ عینی رحمہ اللہ بخاری کے شارح اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ ہدایہ کے شارح ہیں ان کی علمی جلالت اور تقویٰ وپرہیزگاری میں ان کی شان کو آپ اہل علم سے پوچھیں، ان جیسے ارباب کمال واصحاب علم وفضل کے بارے میں جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب کی زبان یہ ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مسلم شریف کے شارح ہیں، اور انتہائی بزرگ محدث ہیں، ان کا کوئی لمحہ یاد خدا سے غافل نہیں گزرتا تھا، ان کے بارے میں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث فرماتے ہیں۔

" ہم کہتے ہیں کہ امام نووی کو بھی تقلید پرست کہا جاتا ہے، امام نووی ساتویں صدی کے مقلد عالم تھے، اور اہل علم بشمول نووی کی صراحت ہے کہ نصوص کے بالمقابل

صحابہ کرام تک کی بات مردود ہے۔ ص ۱۹

موصوف کے یہاں جو تقلید پرست ہوتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اور مقلد دائرہ اسلام سے خارج ہے، اسلئے امام نووی معاذ اللہ گمراہ اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ان کی کوئی تحقیق قابلِ قبول نہیں ہے، صحابہ کرام کے بارے میں یہ بہت بدعقیدہ شخص ہے خط کشیدہ عبارت میں آپ غور فرمائیں اس کا مزاج صحابہ کرام سے کس قدر برہم ہے یہ شخص اپنے کو صحابہ کرام سے زیادہ پابند نصوص سمجھتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تمام صحابہ کرام عادل و ثقہ ہیں، صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام اور امت کے درمیان واسطہ ہیں انھیں کے ذریعہ کتاب و سنت امت کو پہونچی اگر یہ معتمد علیہ ہیں تو کتاب و سنت پر اعتماد ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

حضرت مدنی کی ان باتوں پر جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب کا تبصرہ یہ ہے۔

"ہم کہتے ہیں کہ دیوبندیوں کے یہ شیخ الاسلام ٹانڈوی صاحب تمام دیوبندیوں کی طرح اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں وہ جو چاہیں اپنا نظریہ بتلاتے پھریں مگر حقیقت میں ان کا مذہب مرجیہ جہمیہ، و معتزلہ کا ملغوبہ ہے" ص ۱۴۱

یعنی جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب کے نزدیک حضرت مدنی کی بات قابلِ قبول نہیں ہے، اس لئے کہ موصوف کے نزدیک صحابہ کرام نصوص کے خلاف چلا کرتے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ معاذ اللہ فاسق اور غیر عادل بھی تھے، اسلئے یہ شخص صحابہ کرام کے بارے میں حضرت مدنی کا نظریہ جو درحقیقت تمام اہل سنت کا نظریہ ہے قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔

حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا کہ کسی مسئلہ میں استدلال کے لئے حدیث کا صریح اور صحیح ہونا ضروری ہے، اس معقول بات کے جواب میں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث فرماتے ہیں:

"ہم کہتے ہیں کہ فرقہ دیوبندیہ کے شیخ الہند کی یہ بات اس بات کا ثبوت قاطع ہے کہ وہ جاہل مطلق اور بے تمیز تھے، اور انھیں کی تقلید میں پورا فرقہ دیوبندیہ بھی جاہل و بے تمیز ہے" ص ۲۳۸

حضرت امام ابوحنیفہ ان کے اساتذہ، ان کے تلامذہ کے بارے میں تو اس کتاب میں مصنف نے مغلظات کا آبشار بہایا ہے، جگہ جگہ ان کے بارے میں انتہائی گندی زبان استعمال کی ہے۔ ایک جگہ شیخ الحدیث صاحب لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ تو کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پڑھتے تھے مگر جہمی ہونے کے سبب اتباع جہم میں غیر اللہ حتی کے پھٹے پرانے جوتے کی عبادت کو بھی توحید و ایمان کے منافی نہیں سمجھتے تھے، یہ روایت متواتر المعنیٰ ہے ص۲۲۸ موصوف کے نزدیک اس طرح کی متواتر المعنیٰ روایتوں کا ایک خزانہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کی بکواس اس کتاب میں کتنی گندی ہے، اس کا اندازہ اس کتاب کے بعض عنوانات سے لگائیں۔ ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے۔

"حنفی مذہب مجموعہ اکاذیب ہے"

ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے۔

"امام ابوحنیفہ کا مذہب مجموعہ رائے و قیاس ہے" ص۲۷۵

ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے۔

"امام ابوحنیفہ کا فقہی مذہب مجموعہ شرور و اباطیل ہے" ص۲۷۵

ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے۔

"امام ابوحنیفہ کا مدون شدہ مذہب مجموعہ خارج شدہ ریاح ہے" ص۲۷۶

اس طرح کے نہ معلوم کتنے گندے عنوانات اس کتاب میں بکھرے ہوئے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث کا فرمان ہے۔

"ہم کہتے ہیں کہ کسی تقلید پرست حنفی مقلد کا مدقق و محقق امام ربانی مجدد

الف ثانی ہونا نصوص کی روشنی میں محال ہے۔ کیونکہ مقلد جاہل ہونے کی سبب ہی تقلید پرستی کا سہارا لیتا ہے۔ اور تقلید پرستی بدعت وضلالت ہے، اور صوفیت بھی رہبانیت والی یہود و نصاریٰ جیسی بدعت ہے" ص۱۲۶

ان چند سطروں میں اس اللہ کے بندے نے مجدد الف ثانی جیسے عظیم اسلام کے سپوت پر کیسی گندہ ذہنی کا ثبوت پیش کیا ہے، ایسے لوگوں کا حشر کیا ہوگا اللہ ہی بہتر جانے، حدیث پاک میں ہے "میرے ولی سے جو دشمنی کرتا ہے میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں" جامعہ سلفیہ کا یہ شیخ متعدد مہلک بیماریوں میں مبتلا ہے مگر اس کو ہوش نہیں آتا۔

ذرا ان شیخ الحدیث صاحب کی زبان و بیان کا یہ نمونہ بھی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

"ہم کہتے ہیں کہ فرقہ دیوبندیہ کوفہ کی زلازل و فتن والی زمین بزبان نبوی مع پورے عراق میں ظہور پذیر ہونے والے باطل فرقوں بشمول روافض ہندوستان میں آلہ کار رہے اس کے امام ابو حنیفہ کوفہ کے اکذب الناس جابر جعفی جیسے رافضی جہمی مرجی، معتزلی کے تربیت یافتہ و آلہ کار تھے، جابر جعفی سے مسائل پوچھ کر فقیہ بنے تھے" ص۶۰

یہ اردو ہے کہ اردو کا جنگل، کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ مبتدا کہاں ہے اور خبر کہاں، اور یہ شخص کہنا کیا چاہتا ہے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے۔

"ہم کہتے ہیں کہ دیوبندیہ نے اسی لئے درمیان سے صحابہ کو ہٹا کر امام ابو حنیفہ کی مجموعہ اکاذیب قرار دی ہوئی فقہ کی تقلید کرنے اور اصل دین اسلام کی عمارت کو منہدم کرنے کیلئے کوشاں ہیں" ص۵۴۵

مزید ارشاد ہوتا ہے۔

"فرقہ دیوبندیہ کی اس اختراعی بات بلکہ افترائی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام بخاری کو بھی اپنی ہی طرح کذاب و تلبیسات کار و دوغلی پالیسی والا سمجھتا ہے" ص۲۲۵

مزید ارشاد ہوتا ہے ۔

" ہم کہتے ہیں کہ فرقہ دیوبندیہ فرقہ اہل سنت کے خلاف فرقہ ضالہ و مرجئہ وجہمیہ و معتزلہ کا ملفوبہ ہونے کے ساتھ اہل الرائی بھی ہے، اور بقول فاروقی اصحاب الرائی اعدار السنن ہوتے ہیں، اور عداوت سنن کی پاداش میں یہ فرقہ عقلِ سلیم وطبع سلیم وفہم سلیم سے محروم ہو کر اس قدر حواس باختہ ہو چکا ہے کہ وہ اس شعر کا مصداق ہے ۔

وحشی کو وحشت میں الٹا نظر آتا ہے

مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے (ص ۲۴۹)

موصوف شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ کی اس طرح کی بد زبانیوں سے پوری کتاب بھری ہے ۔

رہا یہ کہ موصوف کتنے بڑے قابل ہیں تو اس کے آپ نے کچھ نمونے زمزم میں ملاحظہ فرمالئے ہیں ، ان کی قابلیت کے کچھ نمونے یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں قرأت خلف الامام سے منع کیا گیا ہے، تو اس کا جواب پہلے تو ان شیخ الحدیث صاحب نے یہ دیا کہ :

" بعض صحابہ کرام کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے تھے " ص ۲۷۵

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ موصوف کے نزدیک انھیں صحابہ کرام میں سے تھے جن کا نظریہ آئے دن بدلتا رہتا تھا ، اس لئے حضرت جابر کا نظریہ بھی بدل کر غیر مقلدین والا ہوگیا تھا ، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ارشاد ہوتا ہے ۔

" جس روایت کو حضرت جابر سے دیوبندیہ نے نقل کیا ہے اس کا مقصد ہے کہ غیر مقتدی کی نماز کی ہر رکعت میں نمازی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے " ص ۲۷۸

یہ شیخ الحدیث صاحب جو جامعہ سلفیہ میں حدیث کی کتابیں پڑھاتے ہیں ، اس حدیث پاک کا مطلب بیان فرما رہے ہیں ۔

من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام

یعنی جس نے ایک رکعت بھی بلا سورہ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی تو اس نے نماز ہی نہیں پڑھی، مگر یہ کہ نماز پڑھنے والا امام کے پیچھے ہو۔

اس حدیثِ پاک میں صاف ارشاد ہے کہ جو امام کے پیچھے ہوگا اس کو سورہ فاتحہ نہیں پڑھنا ہے، مگر جامعہ سلفیہ میں حدیث کا درس دینے والا محدث اور شیخ الحدیث حدیث کا وہ مطلب بیان کرتا ہے جو اوپر گزرا اور اس کو ذرا بھی اس تحریف اور غلط بیانی پر شرم نہیں آتی ہے۔ الا وراء الامام والا جملہ گویا اس حدیث میں ہے ہی نہیں۔

ایک اور قابلیت ملاحظہ فرمائیے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضرت عطا نے قرأت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا تو حضرت زید نے فرمایا۔

لا قرأة مع الامام فی شیٔ یعنی امام کے ساتھ مقتدی کچھ نہیں پڑھے گا۔

یہ روایت صاف بتلا رہی ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی ہے۔ حضرت زید کی اس حدیث پاک کا سارے محدثین اور شارحین نے یہی مطلب لیا ہے مگر موصوف سلفی صاحب فرماتے ہیں کہ اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

"اس میں اولاً مطلق قرأت قرآن یعنی بشمول فاتحہ مزید قرأت قرآن کا حکم مقتدی کیلئے پوچھا گیا ہے اور ہماری بحث امام کے پیچھے مقتدی کے اوپر سورہ فاتحہ کی قرأت وصف مذکور کے ساتھ یعنی سکتات امام میں محض سورہ پڑھنے کے فرض یا ممنوع ہونے پر ہے لہذا فرقہ دیوبندیہ کا اس حدیث سے استدلال کرنا خالص جہالت و ملامت و حماقت ہے" ص ۲۷۶

آپ غور فرمائیں کہ یہ محدث صاحب کتنے بڑے حدیث کے ماہر ہیں جو اس حدیث پاک کی یہ شرح کر رہے ہیں، یہ کسی اہل علم کی بات ہے یا جاہلوں کی بکواس۔

حضرت امام بخاری نے جو قرأت خلف الامام کا باب قائم کیا ہے اس باب کے

تحت انھوں نے تین حدیثیں پیش کی ہیں، اور یہ شخص بار بار کہتا ہے کہ امام بخاری نے چار حدیثیں پیش کی ہیں، اور وہ چوتھی حدیث کس سند سے امام بخاری نے پیش کی ہے اس کو بتلاتا بھی نہیں ہے، اس جہالت کے باوجود آپ ص۲ فرماتے ہیں کہ۔

"ہم کہتے ہیں کہ کذب پرستی کا عادی فرقہ دیوبندیہ یہاں بھی جھوٹ بک رہا ہے، کیونکہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اس بات (کذا) میں چار احادیث مذکور ہیں،" ص۲۴۵

سچا کون ہے اور جھوٹا کون بخاری میں کوئی دیکھ لے اسے پتہ چل جائے گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضورؐ نے ان سے پوچھا کہ تم فیصلہ کیسے کروگے تو انھوں نے کہا کہ اللہ کی کتاب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملے تو کیا کروگے تو حضرت معاذ نے فرمایا کہ میں سنت رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ حکم تم کو سنت رسول اللہ میں نہ ملے تو کیا کروگے تو انھوں نے کہا کہ میں اپنے اجتہاد ورائے سے فیصلہ کروں گا، اس پر آپؐ نے خوش ہو کر اللہ کی حمد کی، یہ حدیث سارے محدثین کے یہاں مشہور ہے اور سب نے اس سے ضرورت پڑنے پر اور کتاب وسنت سے نص نہ ہونے پر اس حدیث پاک کی روشنی میں قیاس ورائے سے شرعی مسئلہ معلوم کرنے کو جائز قرار دیا ہے، مگر اپنے جاہل صاحب نے تمام محدثین کے علی الرغم پہلے تو اس حدیث کا انکار کیا اور اس کو ضعیف بتلایا پھر فرماتے ہیں کہ:

"اجتہدت (کذا) برای ولا الو کا مطلب یہ ہے کہ اپنی پوری قوت رائے صرف کر کے میں دوبارہ سہ بارہ اور بار بار نصوص میں مسئلہ پیش آمدہ کا حل تلاش کروں گا،" ص۲۵۸

یہ ہے جامعہ سلفیہ بنارس کے استاذ حدیث صاحب کی علمی قابلیت، اسی انداز پر جامعہ سلفیہ بنارس میں حدیث کا درس دیا جاتا ہے، یعنی احادیث پاک کو مسخ کرنے کا کارنامہ انجام دیا جاتا ہے۔ کسی محدث کو اس حدیث پاک کا یہ مطلب کب سوجھا ہوگا۔ اور کمال تو ان قابل سلفی محدث اور شیخ الحدیث صاحب کا یہ ہے کہ حوالہ میں "عام کتب سلفیہ"

فرما رہے ہیں - یعنی موصوف صاحب کو خود پتہ ہے کہ حدیثِ پاک کا جو انھوں نے مطلب بیان کیا ہے وہ خانہ ساز ہے اور اس کا حوالہ وہ کسی کتاب سے نہیں دے سکتے تو عوام کو بے وقوف بنانے کیلئے حوالہ کے لئے "عام کتب سلفیہ" کہہ دیا۔ مزید قابلیت یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ کیا ہیں موصوف کو اس کا بھی پتہ نہیں ہے۔

سلفیت کے نام پر یہ غیر مقلدین قرآن و حدیث کا کیسا مذاق بنائے ہوئے ہیں سوچ کر ہی طبیعت کانپ جاتی ہے کہ کتاب و سنت کے ساتھ یہ کھلواڑ اللہ کی پناہ -

ان کی قابلیت اور حدیث پاک اور ارشاداتِ نبویہ کے ساتھ ان شیخ الحدیث صاحب جو جامعہ سلفیہ بنارس میں حدیثِ پاک کا درس دیتے ہیں اور اس جامعہ کا ان کو شیخ الحدیث کہا جاتا ہے، کا ایک اور کھلواڑ ملاحظہ فرمائیں -

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نماز پڑھا رہے تھے تو آپ کو محسوس ہوا کہ کچھ لوگ آپ کے پیچھے قرأت کر رہے ہیں تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز بعد اس پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ لعلکم تقرأون خلف امامکم ؟ یعنی شاید تم لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہو ، یہ آپ کا اپنے مصلیوں سے سوال تھا جس میں ان کے امام کے پیچھے قرأت کرنے پر ناگواری کا اظہار ہے - سارے محدثین شراح حدیث نے اس جملہ کا یہی مطلب لیا ہے مگر ہمارے جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ

> "لعل کا لفظ اظہار شبہ ہی کیلئے نہیں خاص ہے، فرقہ دیوبندیہ کے ایک عالم لغت کی کتاب مصباح اللغات ص۸۰۲ میں ہے کہ لعل جب باری تعالیٰ عز اسمہ کی طرف سے ہو تو وجوب کے معنی ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ قول نبوی دراصل قولِ الٰہی ہوتا ہے " ص۲۴۴

یعنی اس حدیث پاک کا مطلب موصوف کے خیال کے مطابق یہ ہے کہ تم لوگ وجوبی طور پر قرآن کی تلاوت امام کے پیچھے کرو ، اسلئے کہ لعلکم تقرأون قول الٰہی ہے -

دیکھئے موصوف صاحب جو جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث ہیں اور حدیثِ پاک کا

درس دیتے ہیں کتنی دور کی کوڑی لائے ہیں، حدیث پاک کے ساتھ یہ کھلواڑ نہیں ہے تو کیا ہے اور اب ارشادات نبویہ کا مذاق بنانے والے لوگ حدیث کا درس دینے لگے ہیں، اس سے اندازہ لگائیے کہ سلفیوں کی درسگاہوں میں سلفیت کے نام پر احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسا کھلواڑ بنا لیا گیا ہے ۔

اور غضب تو یہ ہے کہ موصوف سلفی صاحب کو اپنی اس بات پر اتنا اصرار ہے کہ اسکو بنیاد بنا کر احناف کو سب و شتم کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

"افسوس کہ فرقہ دیوبندیہ اپنے گھر کی بات بھی محض سلفیت سے عداوت رکھنے کے سبب اندھا بہرا ہوجانے کے باعث نہ سمجھنے کا مظاہرہ کر رہا ہے یا پھر فی الواقع بقول فاروقی اھل الرای اعداء السنن ہونے کے باعث عداوت سنن نے اس فرقہ کو تمام حواس خمسہ سے محروم کر دیا ہے ۔" ص ۲۴۴

جامعہ سلفیہ بنارس کے یہ شیخ الحدیث جو جامعہ سلفیہ بنارس میں حدیث کا درس دیتے ہیں کس قماش کے محدث ہیں اس کا اندازہ آپ کر رہے ہوں گے ، ذرا ان کی دیانت داری اور علمی قابلیت کی ایک مثال اور ملاحظہ فرمائیں ، اور لطف اندوز ہوں ۔

موصوف نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی پہلے تو یہ غلط سلط عبارت نہ معلوم کہاں سے نقل کی ۔

فان جهر الامام لم يقرأ الاعند الاسكاتة فله الخيرة فان قرأ فليقرأ الفاتحة قرأة لا يشوش على الامام هذا الاقوال عندى وبه يجمع بين احاديث الباب "

اس غلط سلط عبارت کا جو حوالہ دیا ہے وہ بھی غلط ہے ، حوالہ دیتے ہیں حجۃ اللہ البالغہ ص ۹/۱۷۰ حالانکہ حجۃ اللہ میں اس صفحہ پر اور اس جلد میں یہ غلط سلط موصوف کی نقل کردہ عبارت نہیں ہے ، معلوم نہیں کس کتاب سے اس کو نقل کیا ہے ۔ عبارت بالکل غلط ہے ، اب اس کا ترجمہ جو موصوف نے نہایت قابلانہ اور دیانتدارانہ اور سلفیانہ فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو ،

فرماتے ہیں :

" یعنی اگر نماز ظہر کی ہو تو مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی لازم ہے مگر امام کے سکتات میں[1]

اور سری نماز میں ہو تو اسے فاتحہ اور مزید قرآن خوانی کا اختیار ہے " ص ۲۰۵

اہل علم غور فرمائیں گے کہ یہ ترجمہ کسی پڑھے لکھے کا ہوگا یا کسی جاہل کا، اور کیا جو عبارت ہے اس کا یہی ترجمہ ہوگا ؟ خیر یہ تو موصوف صاحب کی جہالت ہے کہ ان کو کتاب کی عبارت ہی کا پتہ نہیں چل سکا کہ کیا صحیح اور کیا غلط ہے ، اور ترجمہ تو ان کی اعلیٰ قابلیت کا شاہکار ہے۔

آیئے شاہ صاحب کی اصل عبارت کو دیکھیں کہ شاہ صاحب کیا فرماتے ہیں، حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص۹ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :

وان کان ماموما وجب علیہ الانصات والاستماع یعنی اگر نمازی مقتدی ہے تو اس پر خاموش رہنا اور امام کی قرأت کی طرف کان لگانا ضروری ہے ،

موصوف نے یہ پوری عبارت حذف کر دی اس کہ اس میں شاہ صاحب کا مسلک بالکل واضح تھا۔ پھر فرماتے ہیں۔

فان جهر الامام لم يقرأ الا عند الاسكاتة یعنی پس اگر امام جہر کرے تو وہ نہ پڑھے مگر جب امام خاموش ہو ۔ پھر فرماتے ہیں کہ ۔

وان خافت فلہ الخیرۃ یعنی اگر امام سری نماز پڑھائے تو مقتدی کو اختیار ہے کہ قرأت کرے یا نہ کرے ۔ فان قرأ فلیقرأ الفاتحۃ قرأۃ لا یشوش علی الامام یعنی اگر سری نماز میں وہ سورہ فاتحہ پڑھے تو اس طرح پڑھے کہ امام کو تشویش میں نہ ڈالے ، وھذا اولی الاقوال عندی اور یہی میرے نزدیک سب سے بہتر قول ہے ۔

آپ اس پوری عبارت میں غور فرمائیں، کیا کسی ایک جگہ بھی شاہ صاحب غیر مقلدین والے مذہب کو بیان کر رہے ہیں یا اس کی تائید کر رہے ہیں، وہ تو صاف فرماتے ہیں کہ مقتدی پر سکوت اور کان لگا کر سننا واجب ہے ، اگر جہری نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ

---

(۱) یہ فان جهر الامام کا ترجمہ ہے، ماشاء اللہ چشم بد دور۔

پڑھیں تو جب امام خاموش ہو جب پڑھیں، یعنی پڑھنا بھی شاہ صاحب کے نزدیک واجب اور فرض نہیں بلکہ اگر ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی پڑھے تو امام کے خاموش ہونے پر پڑھے، اور سری نمازیں تو مقتدی کو اختیار دیتے ہیں کہ چاہے وہ سورہ فاتحہ پڑھے چاہے نہ پڑھے۔

حضرت شاہ صاحب کی بات کیا ہے اور جامعہ سلفیہ بنارس کا شیخ الحدیث اپنے جاہل عوام کو کیا سمجھانا چاہتا ہے، اس طرح کی الٹ پھیر سے وہ اپنی قابلیت کا سکہ جمانا چاہتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

بسا اوقات تو موصوف جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب اتنا شاندار جھوٹ بولتے ہیں کہ ان کی جرأت کی داد دینی پڑتی ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی ترک قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں مؤطا امام مالک کی صحیح سند کے ساتھ یہ روایت ہے۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت ابن شہاب زہری حضرت ابن اکیمہ لیثی سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ جہری نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے پیچھے ابھی کچھ پڑھا ہے، تو ایک آدمی نے کہا کہ ہاں میں نے پڑھا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں بھی کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرأت کرتے میں کیوں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد لوگ جہری نمازوں میں آپ کے پیچھے کچھ بھی پڑھنے سے رک گئے۔

اس صحیح روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جہری نمازیں مقتدی کو کچھ بھی پڑھنا ممنوع ہے، اور صحابہ کرام نے جہری نمازیں امام کے پیچھے قرأت کو اجماعاً ترک کر دیا تھا۔ چونکہ یہ صحیح حدیث غیر مقلدین کے مذہب پر بم کا گولہ تھی اس وجہ سے جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب کو اسی حدیث میں بہت سی خرابیاں نظر آگئیں، اور ارشاد فرمایا گیا۔

۔ ہم کہتے ہیں کہ دیوبندی کی اس حدیث کے راوی ابن اکیمہ نے اسے روایت کرتے رہنے کے بعد اس میں موجود علل قادحہ کو محسوس کرتے ہوئے اسے بیان کرنے سے رجوع کرلیا جیسا کہ امام یوسف یعقوب بن سفیان فسوی نے نقل کیا کہ عن الزھری عن ابن اکیمۃ ثم رجع عنہ۔ تاریخ فسوی جلد دوم ص ۲۱۵ و ص ۲۱۶)

موصوف صریح کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں، آج تک کسی محدث نے یہ نہیں کہا ہے کہ ابن اکیمہ کو اس روایت میں علل قادحہ نظر آئی تھیں اور انھوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ موصوف نے تاریخ فسوی کا جو حوالہ دیا ہے وہ بھی بالکل غلط ہے، تاریخ فسوی میں ہرگز یہ بات نہیں کہی گئی ہے، یہ روایت تاریخ فسوی جلد ایک ص ۴۰۱ طبع بیروت پر ہے جس کا جی چاہے دیکھے اور اس شیخ الحدیث صاحب کی جرأت کا عالم یہ ہے کہ ابن اکیمہ کے اس حدیث سے رجوع کے سلسلہ میں عربی کی اپنی طرف سے ایک عبارت بھی گڑھ لی۔

موصوف صاحب اس بالکل صحیح سند والی روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں:

" صاف واضح ہے کہ ابن اکیمہ بعد میں اس روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کا احساس کر کے اسے متروک قرار دیا اور اسکی روایت سے باز آگئے " ص ۲۷۲

کس قدر جھوٹا ہے جامعہ سلفیہ کا یہ شیخ الحدیث ابن اکیمہ کی طرف بالکل غلط بات منسوب کر کے اس صحیح روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیتا ہے۔ یہ ہے ان سلفیوں کی احادیث رسول پاک کے بارے میں جرأت اور ان کی دیدہ دلیری، یہ کس قدر بے حیائی اور جرأت سے احادیث کو رد کرتے ہیں اور ان کو ذرا بھی خدا کا خوف نہیں ہوتا ہے۔

موصوف صاحب کو شاید احساس ہے کہ ان کا یہ جھوٹ چل نہیں سکتا اور اہل علم ان کی کارستانیوں سے واقف ہو جائیں گے تو اب وہ اس حدیث پاک کا مطلب بیان کرنے لگے، اور مطلب بھی ایسا بیان کیا ہے کہ سلفیت کے حلقہ میں اگرچہ واہ واہ کا شور مچ جائے مگر اہل علم ان شیخ الحدیث صاحب کی جہالت اور سفاہت کا رونا روئیں گے۔ دیکھئے کیا ارشاد

ہوتاہے، فرماتے ہیں جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب ۔

" اس روایت کے مطابق قرأۃ خلف الامام کا ذکر ہے، صرف قرأت فاتحہ خلف الامام کا ذکر نہیں ہے اور بہت سارے صحابہ فاتحہ سے زائد قرأۃ قرآن خلف الامام کیا کرتے تھے جب انھوں نے یہ فرمان نبوی جہری نماز کے بعد سنا تو سورہ فاتحہ خلف الامام کا جہری وسری نمازوں میں پڑھنا اس لئے برقرار رکھا کہ آپ فرما چکے تھے کہ قرأت فاتحہ خلف الامام فرض و رکن ہے لہٰذا انھوں نے جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پر ہی اکتفاء کا التزام شروع کردیا، مگر غیر جہری نمازوں میں فاتحہ سے زائد والی قرأت خلف الامام کو باقی رکھا ۔" صفحہ ۲۴۲

یہ ہے قابل شیخ الحدیث صاحب کی اس حدیث پاک کی شرح و توضیح، اہل علم اندازہ لگائیں کہ جامعہ سلفیہ بنارس میں شیخ الحدیث لوگ کس طرح حدیث پڑھاتے ہیں، یہ شیخ الحدیث اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ یہ حدیث پاک کا جو بھی من گھڑت مطلب بیان کریں گے لوگ اس پر آمنا وصدقنا کہہ دیں گے ۔

حدیث پاک میں صاف ارشاد ہے کہ فانتھی الناس فیما جھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی صحابہ کرام آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنے پر آپ کی ناگواری کو معلوم کرکے جہری نمازوں میں قرأت کرنے سے رک گئے، اور موصوف شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے جہری وسری نمازوں میں سورہ فاتحہ خلف الامام کو باقی رکھا، ہے کوئی ٹھکانہ اس جہالت کا، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا پھر فرمایا کہ ان کنتم لابد فاعلین فلیقرأ احدکم فاتحۃ الکتاب فی نفسہ، یعنی اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو اپنے جی میں سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو، موصوف شیخ الحدیث صاحب اس کا مطلب بیان کرتے ہیں، اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم مقتدیوں کیلئے قرأت خلف الامام تو لابد و ضروری ہے

ہی کہ تم صرف فاتحہ خوانی ہی کرو ص۲۴۰

اہل علم غور فرمائیں کہ موصوف نے اس حدیث کا مطلب بیان کرنے میں اپنی قابلیت کا کیسا سرمایہ خرچ کیا ہے۔ کب کسی شارح حدیث کو یہ مطلب سوجھا ہوگا، احادیث کا اس طرح کا مطلب سلفیت کی فیکٹری میں تیار ہوتا ہے۔

موصوف شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس کی قابلیت کے اس طرح کے نمونوں سے پوری کتاب بھری ہے، آپ کی لطف اندوزی کے لئے یہ چند باتیں نقل کر دی گئی ہیں، اب ایک اور بات عرض کر کے میں اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص قرآن کا مطلب اپنی رائے اور من گھڑت بیان کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے، مگر موصوف جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب اس حدیث رسول کی بالکل پرواہ نہیں کرتے ہیں اور قرآن پاک کی آیتوں کا مطلب بیان کرنے میں ایسی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے کہ یہ شخص کس مٹی کا بنا ہوا انسان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک میں تفسیر بالرای پر جو شدید وعید ہے اس پر ذرا بھی کان دھرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔

قرآن پاک میں یہ آیت ہے۔

لاتحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه یعنی اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم آپ قرآن کو جلدی یاد کرنے کیلئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ فاذا قرأنٰه فاتبع قرآنه، ہم جب اسے پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کے درپے رہیں، (ترجمہ از جوناگڈھی)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فاتبع قرآنه کی تفسیر میں فرماتے ہیں فاستمع له وانصت یعنی قرآن کی طرف توجہ دو اور خاموش رہو، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرأت قرآن پاک کے وقت خاموش رہنا اور قرآن کی طرف کان لگانا ضروری ہے، جہری نمازوں میں بھی چونکہ امام زور سے قرأت کرتا ہے اس وجہ سے اس آیت سے

امام بخاری کی تفسیر کی روشنی میں لوگوں نے کہا ہے کہ مقتدی کو امام کے پڑھنے کے وقت خاموش رہ کر اس کی قرأت کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔

اب سنئے موصوف جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب اس آیت کی تفسیر میں اپنی قابلیت کا کیسا مظاہرہ کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرأت جبریل کی اتباع کیجئے یعنی ان کے ساتھ ساتھ ان کے سکتہ کی حالت میں آپ ایک ایک آیت جہری آواز کے بغیر سری طور پر پڑھتے جائیے" ص ۲۶۳

آیات قرآنیہ کی یہ تحریف معنوی جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب کی گمراہی کی انتہا ہے، مگر موصوف اس قدر بے حیا ہیں کہ اپنی اس تفسیر کی صحت اور من گھڑت مطلب کی تائید میں خود کسی مفسر کا قول پیش کرنے کے بجائے نہایت بے شرمی سے فرماتے ہیں۔

"فرقہ دیوبندیہ میں دم ہے تو ثابت کریں کہ آپ جبریل کے ساتھ قرأت بالجہر یا بالسر نہیں کرتے تھے" ص ۲۶۳

یعنی دعویٰ تو خود کریں، اور دلیل اپنے مخالف سے مانگیں، ہے اس ہٹ دھرمی کا کچھ علاج۔ موصوف بیچارے کو ابھی پتہ نہیں کہ دلیل کس کے ذمہ ہوتی ہے

سعودیہ والے غیر مقلدین کے ترجمہ کلام پاک و تفسیر میں اس جگہ یہ لکھا ہے۔

"اس حکم کے بعد آپ خاموشی سے سنتے، موصوف شیخ الحدیث صاحب ذرا اپنے اس مفسر سے بھی یہی مطالبہ کریں جو مطالبہ انھوں نے فرقہ دیوبندیہ سے کیا ہے۔

موصوف جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب نے آیت پاک کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ کسی مفسر کسی محدث نے یہ مطلب کسی کتاب میں نہیں بیان کیا ہے، اگر موصوف کا یہ من گھڑت مطلب نہیں ہے تو اس کی تائید میں وہ کسی مفسر یا محدث کا قول پیش کریں ورنہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نگاہ میں ہونا چاہئے، آپ

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کی ہلاکت کا باعث یہ بھی ہوگا کہ لوگ یتعلمون القرآن لیتأولونہ علی غیر ما انزل اللہ یعنی لوگ قرآن سیکھیں گے اور اس کا مطلب اپنی طرف سے گڑھ کر مراد خداوندی کے خلاف بیان کریں گے۔

محمد ابوبکر غازی پوری قسط ۳

مقام صحابہؓ کتاب وسنت کی روشنی میں
اور
مولانا مودودی

انبیاء ورسل کے بعد صحابہ کا گروہ وہ مقدس گروہ ہے جس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی، نبوت ورسالت کے بعد صحابیت کا شرف انسان کا سب سے عظیم فخر ہے۔ قرآن وحدیث میں انبیاء ورسل کے بعد سب سے زیادہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مدح وثنا ہے جس طرح انبیاء ورسل کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کیلئے چنا تھا اسی طرح آنحضورؐ کی صحبت اور آپ کا دست وبازو بننے اور دین کی نشر واشاعت اور دعوت وتوحید اور شریعتِ الٰہیہ کو عام وشائع کرنے کیلئے اللہ نے صحابہ کرام کو چنا تھا۔

صحابہ کرام نے جان کی بازی لگا کر مال ودولت کو قربان کر کے اور گھر بار، وطن وغیرہ سے اللہ کیلئے دست کش ہو کر دین کے پرچم کو بلند کیا اور اپنے خون سے چمنستان اسلام کی آبیاری کی ہزار طرح کی مصیبتیں جھیل کر اللہ کے رسول کی تائید ونصرت کی اور کلمۂ حق کا اظہار و اعلان کیا اور اسلام کے آوازۂ حق سے قیصر وکسریٰ کے در ودیوار ہلا دیئے۔ خائب وخاسر دنیائے انسانیت کو پیغام فیروزمندی سنایا اور انسانیت کاملہ اور اخلاق وکردار، دینداری تقویٰ، خلوص وللہیت، عدل وانصاف اور حق کیلئے جینے اور حق کے لئے مرنے کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال چشم فلک نے نہیں دیکھی تھی، انھوں نے جو تعلیم درسگاہِ نبوت سے

حاصل کی تھی اس کا مکمل و کامل نمونہ بن کر دنیا کو عدالت و دیانت کا سبق پڑھایا وہ نبوت کے عکس کامل تھے، کتاب و سنت سے ان کو سچا عشق تھا وہ بنص قرآنی اللہ کے محبوب و مرضی تھے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے طغرائے امتیاز سے وہ کامیاب و سرفراز تھے۔

ان سے محبت کرنا ایمان کی علامت بنا، ان کے نقش پا کی پیروی کرنے والا مستحق جنت قرار پایا اور ان سے بغض رکھنا، ان کی عیب جوئی کرنا، ان پر طعن و تشنیع کرنا اسے نفاق اور عدم ایمان کی علامت قرار دیا گیا۔ ان پر سب و شتم کو دین و شریعت نے حرام کیا، ان کی ثقاہت و عدالت پر امت نے اتفاق عام کیا، قرآن نے ان کو خیر امت اور امتِ وسط کا خطاب دیا، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تعلق خاطر کا اظہار کیا اور ان سے محبت کو اپنی محبت کی علامت قرار دیا۔ آپؐ نے سارے صحابہ کو نجوم ہدایت بتایا اور ان کی اتباع واقتدا کو سعادت و فلاح کا ضامن قرار دیا اور اللہ کے راستے میں ان کا ایک مد خرچ کرنا بعد میں آنے والوں کے سونے کے پہاڑ کی مقدار خرچ کرنے سے افضل بتلایا۔ ان نفوسِ قدسیہ کو ساری امت کے لئے اور قیامت تک کیلئے مشعلِ ہدایت اور معیارِ حق قرار دیا۔

جن کے دلوں میں ایمان کا نور ہے اور جو صحابہ کرام کی عظمتِ شان اور دین میں ان کی رفعتِ مقام سے واقف ہیں انھوں نے صحابہ کرام کی شان اقدس کا ہمیشہ خیال رکھا اور ان کی زبان و قلم سے اس مقدس گروہ اور اسلام کے اس قافلۂ اول کے بارے میں کوئی نازیبا اور نامناسب بات نہیں نکلی۔ مشاجرات صحابہ تک کے بارے میں عام اہل سنت والجماعت نے یا تو اپنی زبان کو خاموش رکھا یا صحابہ کرام کی عام زندگی کو سامنے رکھ کر وہ بات کہی جو صحابہ کرام کے شایانِ شان تھی اور اس کے سوا کوئی صاحبِ ایمان اس مقدس گروہ کے بارے میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔

صحابہ کرام کے بارے میں اور خصوصاً مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں علماء اہل سنت والجماعت کا کیا موقف رہا ہے وہ اس کتاب سے آپ کو معلوم ہوگا اور وہاں اندازہ ہوگا کہ محتاط علماء امت صحابہ کرام کے بارے میں کس درجہ حساس تھے ان کے قلوب انکی عظمت سے کتنے لبریز تھے، ان کے دلوں میں شرف صحابیت کا کتنا احترام تھا اور ان کا تعلق

ان کے ساتھ کس درجہ عشق و شیدائیت کا تھا، وہ صحابہ کرام کی زندگی کے بعض نازک مراحل کا جب ذکر کرتے ہیں تو ان کا قلم کتنا محتاط، کتنا خائف اور کتنا سنجیدہ و پُروقار رہتا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں ان کے بارے میں ادنیٰ سوء ادبی تو کیا، ان کی طہارت ونزاہت ان کی خلوص وللّٰہیت کا نقش قائم ہوتا ہے، ان کے جمالِ تقدس سے دل روشن اور منور ہو جاتا ہے، ان کے ساتھ تعلق و شیفتگی میں اور اضافہ ہوتا ہے اور خانۂ دل ان کے کمالِ احترام و اجلال سے پُرنور رہتا ہے۔

بہرحال اگر یہ حقیقت ہے کہ آفتابِ عالم کو منور کرتا ہے اور ہلال دبدر کامل بنتا ہے تو اس حقیقت سے بھی کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ نبیوں اور رسولوں کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا گروہ پوری تاریخ انسانیت میں سب سے اعلیٰ، سب سے مقدس اور خلوص وللّٰہیت کا پیکر رہا ہے، اور اسلام کی تاریخ میں ان کا وجود غرۃ الجبین کی حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن اسلامی تاریخ کا یہ بڑا المیہ ہے کہ اسلام کے عہد اول ہی سے کچھ ایسے لوگ ہمیشہ پائے جاتے رہے جنھوں نے صحابہ کرام کے مقدس گروہ کو سب وشتم اور طعن وتشنیع کا ہدف بنایا اور ان کی ذاتِ مقدسہ کو مجروح و ملعون کرنے کے درپے ہوئے اور اس طرح اسلام کی شاندار اور روشن تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور اسلام کا نام لے کر اور دین کا لبادہ پہن کر اسلام کو بدنام کرنے کی ناروا تدبیر عمل میں لائی گئی۔

عبداللہ بن سبا یہودی (جس نے منافقت سے اسلام قبول کر لیا تھا) سے لے کر آج تک اس عمل کو برابر مختلف انداز میں دہرایا جارہا ہے اور علم و تحقیق کے نام پر اسلام کی ان مقدس ہستیوں کے خلاف شور و شغب برپا کر دیا گیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں یہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں اور یہ کام بھی اسلام کا کام ہے۔

یعنی اسلام جن سے ہم تک منتقل ہو کر کے آیا اور جو دین و شریعت کے پہلے

مآخذ و ناقل ہیں جن کے دین و دیانت پر امت نے اعتماد کر کے ان سے دین لیا انھیں کو نشانۂ ملامت بنا کر تم ہم سے یہ کہہ رہے ہو کہ ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں ؟

سوال یہ ہے کہ جن سے دین منتقل ہو کر کے ہم تک پہونچا ہے جب انھیں کے بارے میں یہ کوشش جاری ہے کہ ان کو ناقابلِ اعتبار ثابت کیا جائے اور اس کے لئے تاریخ سے دلائل مہیا کئے جا رہے ہیں تو پھر وہ دین جس کی آپ خدمت کر رہے ہیں اگر اسلام ہے تو یہی صحابہ کرام تو اس کے معمار اول ہیں، ان کے ناقابلِ اعتبار اور مجروح ہو جانے کے بعد اس دین کا اعتبار ہی کیا ؟ وہ کیوں کر قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے ؟ اس دین کی خدمت کا کیا مطلب! جب کسی عمارت کی بنیاد ہی کمزور تو پھر اسے کب تک لیپا پوتی سے سہارا دیا جا سکتا ہے اور قلم کی سحر نگاری اور خطابت و بیان کی جادو نگاری و شورا شوری سے کسی شے کی بدشکلی و بدہیئتی میں حسن و جمال کیونکر پیدا کیا جا سکتا ہے ؟

علم و تحقیق کوئی بری چیز نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کا یہ شوق پورا نہیں ہو سکتا اور کیا آپ کو آپ کے علم و تحقیق کی داد نہیں مل سکتی جب تک کہ آپ اسلام کے اس قافلۂ اول اور خیر امت پر تیشہ نہ چلائیں ؟ علم و تحقیق کے لئے کیا یہ بھی ضروری ہے کہ جس پر دین کا اعتماد ہو اسی اساس و بنیاد کو اکھاڑ پھینکا جائے۔

ابن سبا نے جو کام شروع کیا تھا اس کی تجدید آج بھی کی جا رہی ہے اور بڑی ہوشیاری و چالاکی سے کی جا رہی ہے، امتِ مسلمہ کو صحابہ کرام سے نا فر بنانے کا یہ سلسلہ مستمر ہے فرق یہ ہے کہ آج پیرایہ بدلا ہوا ہے اور اس سعی نا روا پر تحقیق و ریسرچ کا لبادہ ڈال دیا گیا ہے۔

افسوس اس کا ہے کہ یہ وبا جو بعض اسلامی ممالک سے چلی تھی اس نے ہندوستان و پاکستان میں بھی قدم جما لیا اور یہاں بھی علم و تحقیق کے نام پر اسی عمل قدیم کا اعادہ کیا جانے لگا۔

محمود عباسی کی کتاب ” معاویہؓ و یزید “ اور مولانا مودودی مرحوم کی کتاب ”خلافت

و ملوکیت " دراصل اسی کی صدائے بازگشت ہے ، محمود عباسی نے علم وتحقیق ہی کے نام پر اور تاریخ کے حوالوں سے ہی حضرت سیدنا حسینؓ کو باغی وظالم قرار دیا ہے اور حضرت معاویہؓ ویزید کے مناقب ومحامد بیان کئے ہیں ، اور مولانا مودودی نے بھی علم وتحقیق ہی کے نام پر اور تاریخ کے حوالوں سے صحابہ کرام کو عموماً اور سیدنا عثمان ، سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو بن العاص کو خصوصاً ظالم وخائن اور دین کو اس کے اصلی رخ سے پھیرنے والا ثابت کیا ہے اور حضرت علی اور ان کے اصحاب کے بارے میں عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا ہے اور ان کے فضائل ومناقب کو ثبت تحریر کیا ہے ۔

عصر حاضر کے ان دونوں مصنفوں نے امت مسلمہ کو علم وتحقیق کے نام پر ایسے فتنے میں مبتلا کر دیا ہے کہ اگر ان کا پوری طاقت کے ساتھ بروقت انسداد نہ کیا گیا تو آنے والی نسل کا انجام بڑا خطرناک ہو سکتا ہے اور اس زہر کا پھر کوئی تریاق نہیں ہو سکے گا ۔

ان دونوں کتابوں نے اسلام کے صدر اول کی جو تاریخ پیش کی ہے وہ نہایت مکروہ ہے ، ان دونوں کتابوں کو پڑھئے آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ قرن اول کا یہ مقدس گروہ آنحضورؐ کی صحبت سے فیضیاب اور شمع نبوت سے کسب نور کرنے والی یہ جماعت اور درسگاہ نبوت سے براہ راست اکتساب فیض کرنے والے یہ صحابہ کرام عام افراد انسانی سے قطعاً کسی بات میں ممتاز نہیں تھے حرص وآز کا ان پر تسلط تھا ۔ اخلاق فاضلہ سے وہ یکسر خالی تھے ۔ حکومت واقتدار کیلئے ہر جائز وناجائز کام کر سکتے تھے ، ایک دوسرے پر سب وشتم ان کا مشغلہ تھا عیاری ومکاری میں وہ طاق تھے ۔ اپنا مطلب حاصل کرنے کیلئے وہ رشوت دیتے اور لالچ دلاتے اور دروغ بیانی تک کو عمل میں لاتے تھے ۔ حکومت کے عہدے ان کو دیئے جاتے جن سے رشتہ داری اور قرابت کا تعلق ہوتا (اگرچہ وہ ان عہدوں کے اہل نہ ہوتے) اپنے اختیار خصوصی سے دین وشریعت میں وہ تغیر کرتے اور بیت المال کے مال کو اپنی جائز وناجائز ہر طرح کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے بے دریغ خرچ کرتے ۔ وہ معاذ اللہ بے غیرت اتنے تھے کہ کتاب وسنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی ہوتی مگر وہ خاموش رہتے ، غرض جاہلیت

کے زمانے کے سارے امراض ان میں جوں کا توں تھے، اسلام نے اور نبی کی صحبت نے انکی زندگی میں کوئی باطنی انقلاب نہیں پیدا کیا تھا، ان کی عادات و اخلاق میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا تھا، وہ اسلام سے پہلے جہاں تھے اسی منزل پر اسلام کے بعد بھی تھے۔

یہ ہے اسلام کے عہد اول اور صحابہ کرام کی وہ تصویر جو عصر حاضر کے ان مورخوں نے ہمارے سامنے پیش کی ہیں، اندازہ لگائیے کہ اگر یہی تصویر ہماری آئندہ نسل کے سامنے آئی تو پھر اسلام اور اسلامی تاریخ کے بارے میں ان کا ذہن کیا اثر قبول کرے گا اور صحابہ کرام کے بارے میں ان کے تصورات کیا ہوں گے۔

میں نے خود بعض ان لوگوں کو دیکھا ہے جو "معاویہ و یزید" پڑھ کر حضرت سیدنا حسین رض جگر گوشۂ رسول کے بارے میں بڑی بے باکانہ بلکہ گستاخانہ گفتگو کرنے لگے تھے۔

اور اسی طرح کا زہر "خلافت و ملوکیت" مولانا مودودی مرحوم کی کتاب سے بھی پیدا ہوا اور بعض عاقبت نا اندیشوں نے اس کتاب سے متاثر ہو کر حضرت سیدنا عثمان حضرت سیدنا معاویہ اور حضرت سیدنا عمرو بن العاص بلکہ ام المومنین حضرت عائشہ تک کو اپنے اعتراضات تک کا نشانہ بنایا۔ جماعت اسلامی سے منسلک لوگوں کا ذہن اسلاف کے بارے میں یوں ہی کبھی صاف نہیں رہا ہے اور وہ جسارت کے ساتھ ان کی شان میں گفتگو کرنے کے عادی تھے۔ اس کتاب نے ان کی اس جسارت میں مزید جرأت و قوت پیدا کر دی، اور وہ بلا تکلف صحابہ تک کے بارے میں نہایت عمومی انداز میں گفتگو کرنے لگے جو ایک مخلص باغیرت اور سچے مسلمان کیلئے جو صحابہ کرام کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق رکھتا ہے اور وہ اسے اپنے ایمان کا تقاضا سمجھتا ہے ناقابل برداشت عمل بن جاتا ہے۔

میری یہ بات محض افترا و بہتان نہیں ہے۔ افترا و بہتان سے اللہ کی ہزار بار پناہ بلکہ یہ واقعہ ہے اور میری اس بات کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس کو جماعت اسلامی کے افراد سے سابقہ پڑا ہے اور اسے اس کی خوش قسمتی یا بد قسمتی سے ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقعہ ملا ہے۔

محمود عباسی کی کتاب اگرچہ خطرناک تھی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس میں ان خیالات کا اظہار کیا گیا تھا جو مذہب اہلسنت والجماعت کے مسلک سے بالکل متضاد اور مخالف تھے لیکن محمود عباسی کی شخصیت بین الاقوامی نہیں تھی۔ اس لئے اس کا اثر اور ضرر بھی محدود رہا لیکن "خلافت و ملوکیت" میں صحابہ کرام کے بارے میں مولانا مودودی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور اپنی بعض دوسری تحریرات میں ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا اثر بڑا دوررس ہوا اس وجہ سے کہ ان کی شخصیت بین الاقوامی تھی اور لوگ ان کی تحریر سے متاثر تھے اور ایک بڑا گروہ آج بھی ان کے افکار و نظریات کا گرویدہ ہے اور انکی تحریرات سے اپنے نہاں خانۂ دل کو روشن کرنے والا ہے۔

خود میں نے جب اس کتاب کو پڑھا تو قریب تھا کہ میرا قدم جادۂ مستقیم سے ہٹ جائے اور کم علمی اور قلتِ مطالعہ کی وجہ سے صحابہ کرام کے بارے میں میرے اندر سوءِ ظن پیدا ہو جائے جو یقیناً میرے دین و ایمان کی موت تھی اور وہ دن میری زندگی کا منحوس ترین دن ہوتا۔ مولانا مودودی کی تحریرات سے اچھے اچھے لوگوں نے دھوکا کھایا ان کے سحر سامری میں کتنے صاحب ہوش و خرد گرفتار ہو گئے اور ان کی طرز نگارش اور اس کے حسن و جمال نے کتنوں کو صراط مستقیم سے برگشتہ کر دیا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودی کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنی بات کو نہایت عمدہ طریقہ سے مخاطب کے دل و دماغ میں اتار دیتے ہیں قلم کی یہ قوت و تاثیر انکی خاص صفت تھی، اس بارے میں بہت کم لوگ اس زمانہ میں ان کے سہیم و شریک رہے۔

میں جب کہ ہوش و خرد کی ابتدائی منزل میں تھا، زمانہ بھی طالب علمی کا تھا، میں نے اس کتاب کا شہرہ سنا اور اسے خرید کر پڑھا، پڑھا تو اس کا اثر وہ ہوا جو ابھی میں نے آپ سے عرض کیا ...... لیکن دارالعلوم دیوبند کے فیض نے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے گہری عقیدت نے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کے فضل نے مجھے بچا لیا۔

لیکن طبع تجسس پسند مجھ سے بار بار یہ سوال کرتی رہی کہ صحابہ کرام کی ایک تصویر تو وہ ہے جسے مولانا مودودی نے تاریخ کی مدد سے تیار کر کے ہمارے سامنے پیش کی جسے دیکھ کر

آج کے انسان اور صحابہ کرام کے بارے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، وہی سارے معائب اور اخلاق وعادات کا سفلہ پن جو آج کے انسان کی عامیانہ زندگی میں پایا جاتا ہے ان سے صحابہ کرام تک کی زندگی ملوث اور آلودہ تھی جیسا کہ مولانا مودودی کی یہ کتاب اس کا واضح ثبوت ہے لیکن کیا صحابہ کرام کی واقعی یہی تصویر ہے ؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر اور نگاہ نیک خوگر سے مشرف ہونے کے باوجود بھی ان کی زندگی میں کوئی قابلِ ذکر انقلاب پیدا نہیں ہوا ؟ دل کا بار بار تقاضا تھا کہ اس کا جواب خود قرآن وحدیث سے معلوم کیا جائے نیز علمائے امت اس بارے میں مولانا مودودی سے کہاں تک متفق ہیں اس کا علم خود ان کی تحریر اور ان کے اقوال سے حاصل کیا جائے اور دیکھا جائے کہ سلف سے خلف تک جمہور اہلسنت والجماعت کا صحابہ کرام کے بارے میں کیا مسلک رہا ہے اور اس طرح اپنی توفیق بھر امت کے افراد کو صحابہ کرام کے بارے میں سوءِ ظن اور سوءِ اعتقاد سے بچانے کی کوشش کی جائے۔

آئندہ اوراق میں ہم صحابہ کرام کا مقام کتاب وسنت اور علمائے امت کی نصوص اور تصریحات کی روشنی میں متعین کریں گے جس سے معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام کے بارے میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہئے اور ان کے بارے میں سوءظنی یا بدعقیدگی یا ان پر سب وشتم کا انجام کیا ہے۔

(وباللہ التوفیق) (جاری)

محمد اجمل مفتاحی

نورالدین نوراللہ الاعظمی

محدثین اور فقہاء کی کچھ دلچسپ اور قابل توجہ باتیں

(۱) خطیب نے اپنی سند سے حضرت امام شافعی کا یہ مقولہ نقل کیا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں۔ العلم جهل عند اهل الجهل كما ان الجهل جهل عند اهل العلم۔
یعنی جاہلوں کا پاس علم کا ہونا جہل ہے، جیسا کہ اہل علم کے پاس جہل کا ہونا جہل ہے۔
(الفقیہ والمتفقہ جز سابع ص ۷۶)

(۲) حضرت امام شافعیؒ اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے کہ ریاست حاصل کرنے سے پہلے فقہ سیکھ لو اس لئے کہ ریاست کی گدی پر بیٹھنے کے بعد فقہ حاصل کرنا دشوار ہوگا۔ (ایضاً ۷۵)

(۳) ابن درید سے پوچھا گیا کہ علم کب ضرر رساں ہوتا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ جب طبیعت ناقص اور روایت کی کثرت ہو۔ (ایضاً)

(۴) محمد بن عبید کہتے ہیں کہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک گھنی ڈاڑھی والا آیا اور اس نے ان سے بچوں جیسا سوال کیا، تو انھوں نے کہا کہ لوگو اس شخص کو دیکھو اس کی ڈاڑھی تو بتلا رہی ہے کہ چار ہزار سے کم اسے حدیث یاد نہ ہو اور یہ سوال بچوں والا کرتا ہے۔ (ایضاً ۸۱)

(۵) امام اعمش فرماتے تھے کہ کتابوں سے کثرت سے احادیث کا سیکھنا اور ان کی روایت کرنا اس سے آدمی فقیہ نہیں ہوتا ہے۔

(۶) حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اپنے دونوں بھانجوں ابوبکر اور اسماعیل

سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ حدیث سے محبت کرتے ہو اور اس کی طلب میں لگے رہتے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں ہمیں حدیث کا شوق ہے تو امام مالک نے بھانجوں سے کہا کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچاؤ تو حدیث کم سیکھو اور فقہ حاصل کرو۔ (ص ۸۲ ایضاً)

(۷) ابو عمر احمد بن محمد فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک صاحب علم نے کہا کہ ایک عورت ایک مجلس میں گئی جہاں بڑے بڑے محدثین جیسے یحییٰ ابن معین، ابو خثیمہ اور خلف بن سالم اور ان کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت تھی، یہ حضرات حدثنا فلاں، اخبرنا فلاں کہہ کر حدیثیں بیان کر رہے تھے، اس عورت نے جو غالباً مردہ کو غسل دیا کرتی تھی ان محدثین سے مسئلہ پوچھا کہ حائضہ عورت مردہ کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟ تو سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کسی کو اس کا جواب نہیں سوجھا، اس مجلس میں فقیہ ابو ثور بھی تھے انھوں نے اس عورت کی طرف اپنا رخ کیا تو ان محدثین نے کہا کہ ان سے پوچھو، تو ابو ثور نے کہا کہ حائضہ عورت مردہ کو غسل دے سکتی ہے اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے اور حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ میں حالتِ حیض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کنگھا کیا کرتی تھی۔

حضرت ابو ثور نے فرمایا کہ جب حائضہ عورت زندہ کو کنگھا کر سکتی ہے تو مردہ کو بدرجہ اولیٰ نہلا سکتی ہے۔

جب حضرت ابو ثور نے اپنی فقہ کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا تو ان محدثین نے روایت کرنا اس حدیث کو شروع کیا کہ اس کو فلاں نے روایت کیا اس کو فلاں نے روایت کیا، تو اس عورت نے کہا کہ تم لوگ ابتک کہاں تھے؟ (ایضاً ص ۸۲)

(۸) حضرت ابو حنیفہ سے لوگوں نے کہا کہ مسجد میں اہل فقہ کا ایک حلقہ ہے جو فقہ میں غور کرتے ہیں؟ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کیا ان کا کوئی بڑا اور استاذ بھی ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ نہیں تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا۔ لا یفقہ ھولاء ابداً یہ لوگ کبھی فقیہ

نہیں ہوسکتے، یعنی بلا استاذ کے فقہ یا کوئی علم بھی نہیں حاصل کیا جاسکتا (ص ۸۲ ایضاً)

(۹) نعیم (امام بخاری کے شیخ) کہتے ہیں کہ میں حضرت امام زفر کے پاس سے گذرتا تھا اور وہ چادر اوڑھے بیٹھے ہوتے، مجھے دیکھتے تو کہتے کہ ایک آنکھ والے ادھر آؤ تاکہ میں تمہارے لئے تمہاری حدیثوں کو چھانٹ پھٹک دوں، تو میں ان کو اپنی سنی ہوئی احادیث دکھاتا تو وہ فرماتے کہ اسے لیا جائے گا، اور اسے نہیں لیا جائے گا، اور یہ حدیث ناسخ ہے اور وہ حدیث منسوخ ہے۔ (ایضاً ص ۸۴)

(۱۰) عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت اعمش محدث کے پاس ایک مسئلہ لیکر آیا اس مجلس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ بھی موجود تھے تو امام اعمش نے حضرت امام ابوحنیفہ سے کہا کہ نعمان اس کا جواب دو، تو حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ کا جواب دیا، تو امام اعمش نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ جواب کہاں سے دیا؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ آپ ہی نے ہم سے جو حدیث بیان کی ہے اسی کی روشنی میں اس کا جواب دیا گیا ہے تو انھوں نے فرمایا۔ نحن صیادلۃ وانتم اطباء، ہم تو عطار لوگ ہیں طبیب تو تم لوگ ہو۔

(۱۱) عبداللہ بن المعتز فرمایا کرتے تھے کہ جیسے زیادہ بارش سے جنگل ہرا بھرا نہیں ہوتا اسی طرح سے غبی اور کند ذہن آدمی کیلئے تعلیم دینا نافع نہیں ہوتا۔ (ایضاً ص ۹۵)

(۱۲) ابن شبرمہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا، ابن شبرمہ نے اس کی وضاحت کی تو اس نے کہا کہ میں نے نہیں سمجھا، انھوں نے دوبارہ اس کی تفصیل کی تو پھر اس نے کہا کہ میں نے نہیں سمجھا، تو ابن شبرمہ نے کہا کہ اگر تو نے نہیں سمجھا ہے تو بار بار سمجھانے سے سمجھ جائے گا لیکن اگر تو نے اسلئے نہیں سمجھا ہے کہ تو سمجھتا نہیں ہے تو پھر ایک ایسا مرض ہے جس کا علاج نہیں ہے۔

(۱۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اے علم کے طلب کرنے والو، علم بڑی فضیلت والی چیز ہے، علم کا سر تواضع ہے، اور اس کی آنکھ حسد سے بری رہنا ہے، اور اس کا کان فہم ہے، اور اس کی زبان سچ بولنا ہے، اور اس کی حفاظت اسکی چھان پھٹک ہے

اور اس کا دل حسن نیت اور اس کی عقل چیزوں کا جاننا ہے اور اس چیز کا جاننا ہے جو امور دینی ہیں، اور اس کا ہاتھ شفقت ہے، اور اس کا پاؤں علماء کی ملاقات کرنا ہے اور اس کی ہمت سلامتی ہے، اور اس کی حکمت ورع ہے، اور اس کا مستقر نجات ہے، اور اس کا رہنما عافیت ہے اور اس کی سواری وفاداری ہے، اور اس کا ہتھیار نرم گفتگو ہے اور اس کی تلوار رضا ہے اور اس کا گھوڑا مدارات ہے اور اس کا لشکر علماء سے بحث و مباحثہ ہے، اور اس کا مال ادب ہے، اور اس کا خزانہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے، اور اس کا توشہ معروف ہے اور اس کا پانی ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک ہے، اور اس کی دلیل ہدیٰ ہے، اور اس کا ساتھی اچھوں کی صحبت و رفاقت ہے۔ (ایضاً ص ۹۷)

(۱۴) حضرت امام انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اسماعیل بن ابی ادیس اپنے ماموں حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے ستر محدث کو اس مسجد نبوی میں حدیث بیان کرتے ہوئے پایا انھوں نے مسجد نبوی کے ستونوں کی طرف اشارہ کیا جہاں ان کا حلقہ درس تھا، وہ سب قال فلاں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر اپنی سند سے حدیثیں بیان کرتے تھے مگر میں نے ان ستروں میں سے کسی ایک سے بھی حدیث نہیں لی حالانکہ ان میں ہر شخص اتنا امین تھا کہ اگر خزانوں کا اسے نگران بنا دیا جاتا تو وہ امین ہی ثابت ہوتا۔ پھر فرمایا کہ میں نے ان سے حدیث اس لئے نہیں لی کہ وہ علم حدیث کے آدمی نہیں تھے (یعنی صرف محدث تھے فقہ سے ان کو واسطہ نہیں تھا) (ایضاً ص ۹۸)

(۱۵) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کتاب و سنت کو بادشاہ بن کر اور اونچا بن کر نہیں حاصل کیا جا سکتا، جو اس علم کو حاصل کرے تو اسے قربانی دینی چاہیئے، اور تنگی کو برداشت کرنا چاہیئے اور علماء کی خدمت کرنی چاہیئے تب وہ کامیاب ہوگا۔ (ایضاً ص ۹۳)

(۱۶) عطیہ بن بقیہ اپنے والد بقیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز امام شعبہ نے ان سے کہا کہ اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آجائے تو تم لوگ کس سے پوچھوگے؟ (ان کا اشارہ تھا کہ میرے علاوہ کون دوسرا ہے) امام بقیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ ان صاحب کو

اپنے بارے میں کچھ زیادہ خوش فہمی ہوگئی ہے، تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک آدمی آیا اور اس نے امام شعبہ سے عرض کیا کہ ایک شخص نے ایک آدمی کو اس کی کھوپڑی پر ضرب لگائی ہے اور جس کو مارا ہے وہ کہتا ہے کہ اس کی قوت شامہ (سونگھنے کی طاقت) اس کی مار سے ختم ہوگئی ہے (تو اس کا کیا حل ہے) اب امام شعبہ دائیں بائیں کرنے لگے، بقیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بااصرار اس کا جواب لو، جب اس آدمی نے زیادہ اصرار کیا تو انھوں نے میری طرف توجہ کی اور کہا کہ خدا کی قسم میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں ہے، تمہیں اس کا جواب دو، بقیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے کہا کہ یہ خوب رہی وہ پوچھتا ہے آپ سے ہے، اور جواب میں دوں؟ تو انھوں نے کہا کہ اب میں تم سے پوچھتا ہوں، تو میں نے کہا کہ میں نے امام اوزاعی اور زہری سے یہ سنا ہے کہ ایسی حالت میں سرسوں کو خوب کوٹا پیسا جائیگا پھر اس کو اس کی ناک کے پاس لیجا کر سونگھایا جائے گا اگر اس کو چھینک آگئی وہ وہ مار کھانے والا جھوٹا ہے اور اگر اسے چھینک نہیں آئی ہے تو مار کھانے والا سچا ہے، تو شعبہ نے کہا کہ واقعی یہی جواب ہے جس کی قوتِ شامہ ختم ہوجائے اسکو چھینک کبھی نہیں آسکتی۔ (ایضاً ص ۸۵)

(۱۷) حرمازی فرماتے ہیں کہ ایک حبشی آدمی امام جعفر ابن محمد کی بڑی عزت کرتا تھا کچھ روز وہ ان کی مجلس میں نظر نہیں آیا تو انھوں نے اس کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے تو مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ ارے وہ تو نبطی ہے یعنی اس نے اس کو حقیر سمجھا اور بے حیثیت بنانا چاہا تو امام جعفر نے کہا اصل چیز آدمی کی عقل ہے، اور عزت کی چیز اس کا تقویٰ ہے، اور سارے آدمی آدم کی اولاد ہونے میں برابر ہیں۔ (ایضاً ص۱۲۰ جزعاشر)

(۱۸) مؤمل بن وہاب کہتے ہیں کہ میں نے حج کے موقع پر مسجد حرام میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو فتویٰ دے رہا ہے، عبا پہنے ہوئے لوگوں کا اس کے پاس مجمع ہے، تو ایک آدمی نے اس سے پوچھا کہ میں نے اپنا ناخن تراش لیا ہے تو اس نے کہا کہ ایک مینڈھا کی قربانی (دم) واجب ہوگئی، ایک دوسرے نے کہا کہ میرا ناخن اکھڑ گیا ہے تو اس کو

بھی کہا کہ تیرے اوپر ایک مینڈھا دم واجب ہو گیا اور پھر ایک تیسرے نے پوچھا اور پھر چوتھے نے پوچھا اس طرح متعدد لوگوں نے پوچھا اور اس کا جواب سب کے لئے یہی تھا کہ ایک مینڈھا کی قربانی واجب ہے، مؤمل فرماتے ہیں کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا اور میں مجمع کو پھاڑتے ہوئے اس کے پاس پہونچا اور کہا کہ افسوس تجھ پر یہ مینڈھا کا مسئلہ تو نے کہاں سے حاصل کیا جو کوئی تجھ سے پوچھتا ہے تو سب کو مینڈھا بتلاتا ہے، تو اس نے کہا کہ لوگ مجھ کو چھوڑتے کیوں نہیں کہ میں یہاں سے جاؤں۔ مؤمل فرماتے ہیں تو پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے باہر کیا۔ (ایضاً ص ۱۵۲ جزدس)

(۱۹) امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ وہ ربیعہ کے پاس گیا تو وہ بے تحاشا رو رہے تھے، تو اس نے ان سے کہا کہ آپ رو کیوں رہے ہیں کیا کوئی مشکل پیش آگئی ہے تو انھوں نے کہا کہ نہیں بات یہ ہے کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ جاہلوں سے فتویٰ پوچھا جا رہا ہے، میں اس پر رو رہا ہوں کہ اسلام میں یہ ایک بڑی بات پیدا ہو گئی ہے کہ جاہل مسند فتویٰ پر بیٹھ گئے ہیں۔

محمد اجمل مفتاحی

نورالدین نوراللہ الاعظمی

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرز تعلیم و تادیب

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بڑے چہیتے شاگرد تھے، اپنی ذہانت طباعی کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے منظور نظر تھے، ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہوئے حضرت امام اعظم ان کی عیادت کو جاتے تھے وہ ان کی صحت کی طرف سے فکر مند تھے، ایک دفعہ جب وہ حضرت امام ابو یوسف کی عیادت کو گئے تھے تو ان کی حالت زیادہ بگڑی ہوئی تھی امام ابوحنیفہ ان کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے اور انا للہ پڑھا، پھر فرمایا، میں امید کرتا تھا کہ ابو یوسف میرے بعد میری جگہ سنبھالیں گے، اگر ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے ساتھ بہت سا علم چلا جائے گا۔

پھر اللہ نے ابو یوسف کو صحت عطا فرمادی، ان کی بیماری رفع ہوئی اور صحت عود کر آئی، جب وہ تندرست ہو گئے تو لوگوں نے ان سے حضرت امام اعظم کی وہ بات کہی جو ان کے بارے میں امام اعظم نے فرمائی تھی، حضرت امام ابو یوسف کو اس سے حوصلہ ملا، اور لوگ بھی ان کے گرد جمع ہونے لگے، تو امام ابو یوسف نے الگ سے اپنا حلقہ درس قائم کیا، اور امام اعظم کے درس میں جانے کا سلسلہ کم کر دیا۔ جب حضرت امام اعظم کو معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف نے الگ سے اپنا مستقل حلقہ درس بھی قائم کر لیا ہے، اور ان کے بارے میں جو امام ابوحنیفہ نے تعریفی کلمات کہے تھے وہی تعریفی کلمات اس کا باعث بنے ہیں، تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جاؤ اور امام ابو یوسف سے یہ مسئلہ پوچھو کہ ایک شخص نے دھوبی کو ایک درہم میں کپڑا دھلنے کو دیا، جب وہ کچھ دنوں کے بعد اپنا

کپڑا لینے کے لئے گیا تو دھوبی نے انکار کر دیا کہ تمہارا کوئی کپڑا میرے پاس نہیں ہے، پھر دوبارہ کپڑے والا اپنا کپڑا مانگنے گیا تو اس دفعہ دھوبی نے اس کو اس کا کپڑا دیا۔ یہ کپڑا دھلا ہوا تھا تو اب کپڑے والا دھوبی کو کپڑا دھونے کی مزدوری ایک درہم ادا کرے گا یا نہیں؟ امام اعظم نے اپنے اس شاگرد کو یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر امام ابویوسف جواب میں کہیں کہ دھلائی کی اجرت واجب ہے، تو تم کہنا کہ آپ نے غلط مسئلہ بتلایا، اور اگر کہیں کہ اجرت واجب نہیں ہے تب بھی کہنا کہ آپ نے صحیح مسئلہ نہیں بتلایا۔

چنانچہ یہی مسئلہ لے کر حضرت امام اعظم کے یہ شاگرد حضرت امام ابویوسف کی درگاہ میں پہونچے، تو حضرت امام ابویوسف نے مسئلہ سن کر پہلے تو یہ جواب دیا کہ دھلائی کی اجرت واجب ہے، تو اس نے کہا کہ یہ غلط ہے، پھر حضرت ابویوسف نے کچھ غور کر کے کہا کہ اجرت واجب نہیں ہے تو اس نے اس دفعہ بھی یہی کہا کہ آپ کا جواب صحیح نہیں ہے، اب تو امام ابویوسف بہت پریشان ہوئے، اور بھاگے ہوئے اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہ کی خدمت میں پہونچے تاکہ ان سے اس مسئلہ کا حل دریافت کریں، امام ابوحنیفہ امام ابویوسف کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو دھوبی کے مسئلہ نے پریشان کر دیا ہے؟ تو امام ابویوسف نے فرمایا ہاں، میں اسی مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا ہوں، تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا اور جو فرمایا بس وہی سننے کے لائق ہے۔ فرمایا۔

سبحان الله! من قعد یفتی الناس وعقد مجلسًا یتکلم فی دین الله، وهذا قدره! لایحسن ان یجیب فی مسئلة من الاجارات۔

سبحان اللہ، ایک شخص لوگوں کو فتویٰ دینے کیلئے بیٹھتا ہے، اور اپنا حلقہ درس بھی قائم کر لیتا ہے، اور اللہ کے دین کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کرتا ہے اور اسکی حیثیت یہ ہے کہ اجارہ کے بابکے ایک مسئلہ کا ٹھیک ڈھنگ سے جواب نہ دے سکے۔

آدمی نے کہا کہ آپ اپنے رب سے پوچھ کر مجھے بتلائیے ، اتنے میں حضرت جبریل تشریف لائے تو آپ نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ ای البقاع خیر تو انھوں نے بھی کہا کہ لا ادری میں نہیں جانتا ہوں ، پھر آپؐ نے حضرت جبریل سے کہا کہ اپنے رب سے معلوم کرو ، تو حضرت جبریل نے اتنے زور سے جھر جھری لی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھینچے کے قریب ہوگئے ، پھر جبریلؑ نے کہا کہ میں از خود اپنے رب سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں رکھتا (جبریلؑ کا جھر جھری لینا اسی خوف سے تھا) تب اللہ نے جبریل سے کہا کہ مجھ سے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا ہے کہ کون سی جگہ اچھی ہے تو تم نے کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں ، اور انھوں نے پوچھا کہ کون سی جگہ بری ہے تو تم نے جواب دیا میں نہیں جانتا ہوں تو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کرو کہ بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں ۔

۱۰ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے ، یہ حدیث صحیح ابی عوانہ اور صحیح ابن خزیمہ اور احادیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہے ۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جو بات آدمی کو نہ معلوم ہو اس کا لا ادری سے جواب دینا یعنی یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا ہوں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا اور یہی طریقہ جبریل امین کا بھی تھا ، پس یہی طریقہ ہمیں بھی اپنانا چاہیے ، اس میں کوئی کسر شان نہیں ہے ، بلکہ یہی علم اور اخلاص کی بات ہے ۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ حضرت عزیر (جن کا ذکر قرآن میں ہے) نبی تھے یا نہیں ، اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ " تبع " (جس کا ذکر قرآن کی سورہ ق اور سورہ فرقان میں ہے) وہ نبی تھے یا نہیں ، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے ، اے لوگو

من علم منكم شيئًا فليقل ومن لم يعلم فليقل لما لا يعلم الله اعلم فان من علم المرأ ان يقول لما لا يعلم : الله اعلم

یعنی تم میں سے اگر کسی کو کچھ معلوم ہو تو اس کے بارے میں گفتگو کرے اور جو بات نہ معلوم ہو کہ تو کہدے کہ اللہ اس کو بہتر جانتا ہے، اس لئے کہ آدمی کے علم کی یہ بات ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے بارے میں اللہ اعلم کہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک آدمی نے کچھ پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ لا ادری، یعنی میں نہیں جانتا ہوں۔ جب وہ آدمی چلا گیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابن عمر نے لا ادری کہہ کر کیا ہی اچھی بات کہی، ان سے ایک بات پوچھی گئی جس کا انھیں علم نہیں تھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

یہ بات حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے شاگردوں کے بیچ کہی تھی اور پھر خود ہی ان کے سامنے اپنے اس عمل کی تعریف بھی کی تاکہ ان کے شاگرد جان لیں کہ نہ جاننے والی چیزوں کے بارے میں یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا ہوں یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ عالم کی یہی خوبی ہے کہ وہ جن باتوں کو نہ جانتا ہو ان سے اپنی لاعلمی کا صاف اظہار کر دے۔

حضرت سعید بن جبیر سے کوئی بات پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہوں، پھر کہا کہ اس آدمی کے لئے ہلاکت ہو جو بات نہ جانتا ہو اس کے بارے میں کہے کہ میں جانتا ہوں۔

حضرت ابن عون فرماتے ہیں کہ میں قاسم بن محمد کے پاس تھا کہ ایک آدمی ان کے پاس کچھ دریافت کرنے کے لئے آیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس بارے میں اچھی طرح نہیں جانتا ہوں، وہ شخص بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ مجھ کو لوگوں نے آپ ہی کے پاس بھیجا ہے میں آپ کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا ہوں، تو قاسم بن محمد نے اس سے کہا کہ میری لمبی ڈاڑھی کو مت دیکھو اور یہ نہ دیکھو کہ میرے پاس علم حاصل کرنے والوں کا جمگھٹا ہے،

شاگردوں کی بڑی بھیڑ ہے، خدا کی قسم میں اس مسئلہ کو اچھی طرح نہیں جانتا ہوں، ایک قریشی شیخ ان کے بغل میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے قاسم سے کہا کہ تم اپنی اس عادت پہ جمے رہو، خدا کی قسم جتنا تم میری نگاہ میں آج معزز ہوئے اتنا کبھی نہیں تھے، تو قاسم نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میری زبان کاٹ لی جائے مگر مجھے یہ نہیں پسند ہے کہ جو بات میں نہ جانوں اس کے بارے میں اپنی زبان کھولوں۔

عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام مالک کی مجلس میں تھے کہ ایک آدمی داخل ہوا اور اس نے امام مالک سے کہا کہ میں چھ مہینہ کی مسافت طے کر کے آپ کے پاس آیا ہوں، مجھے میرے شہر والوں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے کو بھیجا ہے، امام مالک نے فرمایا پوچھو، تو اس نے مسئلہ پیش کیا، تو امام مالک نے فرمایا، میں اس مسئلہ کو اچھی طرح نہیں جانتا ہوں، امام مالک کے اس جواب سے وہ شخص مبہوت ہو کر رہ گیا اور اس نے کہا کہ میں اپنے شہر والوں کو کیا جواب دوں گا، تو امام مالک نے فرمایا، تو ان سے یہ کہنا کہ مالک نے کہا کہ میں اس مسئلہ کو اچھی طرح نہیں جانتا ہوں۔

ایک شاعر کہتا ہے ؎

اذا ما قلت الامر علماً فقل به ۔۔۔ وایاك والامر الذی انت جاهله

یعنی جب تم کسی بات کو خوب اچھی طرح جان لو تو کہو ۔۔۔ اور اس بات کے کہنے سے بچو جس کو تم نہیں جانتے ہو

(از جامع بیان العلم لابن عبدالبر)

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

غیر مقلد مفسر کی جہالت پر شیخ جمن کا تبصرہ

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی آپ کو کل کا قصہ معلوم ہے، علامہ مرنجا مرنج اور شیخ جمن حفظ اللہ میں کل بڑی تکرار ہوگئی ۔

باپ ۔ تکرار ہوگئی ؟ قصہ کیا ہوا، آج کل جماعتِ اہلحدیث کے لوگوں میں نزاع بڑھتا جارہا ہے، جگہ جگہ آپس میں تکرار ہو رہی ہے، علامہ مرنجا مرنج اور شیخ جمن حفظ اللہ دونوں ہی اپنے بڑے پکے اپنے والے ہیں، ان کا آپس میں تکرار کرنا جماعت کے لئے نقصان دہ ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ مرنجا مرنج کے مطالعہ میں آج کل ہمارا سعودیہ والا ترجمہ قرآن ہے، سورہ جمعہ کی اس آیت یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع کی تفسیر میں انھوں نے یہ لکھا دیکھا ۔

بعض حضرات نے وذروا البیع (خرید و فروخت چھوڑ دو) سے استدلال کیا ہے کہ جمعہ شہروں میں فرض ہے اہل دیہات پر نہیں کیونکہ کاروبار اور خرید و فروخت شہروں میں ہوتی ہے، دیہاتوں میں نہیں، اپنی اس فقاہت پر انکو بڑا ناز ہے کہ قرآن کے الفاظ سے فقہ حنفی کا مسئلہ ثابت کر دیا حالانکہ دنیا میں کوئی گاؤں ایسا نہیں ہے جہاں خرید و فروخت اور کاروبار نہ ہوتا ہو اسلئے یہ دعویٰ خلافِ واقعہ ہے، دوسرا بیع اور کاروبار سے مطلب دنیا کے مشاغل ہیں وہ جیسے بھی ہوں اور جس قسم کے بھی ہوں اذان جمعہ کے بعد انھیں ترک کر دیا جائے۔...... تف ہے ایسی فقاہت پر اور ہزار بار پناہ ایسے طفلانہ استدلال سے۔

ابا جی! مرنجا مرنج حفظہ اللہ اس عبارت کو پڑھ کر بھڑک گئے اور شیخ جمن حفظہ اللہ کے پاس دھماکہ دار وارد ہوئے کہ دیکھو ہمارے مفسر صاحب نے فقہ حنفی کی کیسی مٹی پلید کی ہے۔

باپ۔ بیٹا عبارت تو واقعی زوردار ہے مگر شیخ جمن نے کہا کیا کہ دونوں میں تکرار ہو گئی؟

بیٹا۔ ابا جی شیخ جمن نے کہا کہ ہمیں انصاف سے کام لینا چاہیے، ہم اہلحدیث لوگوں کو بلاوجہ کسی کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، کاروبار کا اصل مرکز اور تجارت کی اصل جگہ گاؤں اور دیہات نہیں ہوتے تجارت اور کاروبار کی اصل جگہ شہر ہوا کرتا ہے اسلئے فقہ حنفی کا مسئلہ اپنی جگہ پہ بالکل درست ہے اور جس حنفی عالم نے اس آیت سے شہروں ہی میں جمعہ کی فرضیت ثابت کی ہے ان کا استدلال اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ تف ہمارے مفسر صاحب کی حماقت اور جہالت پر ہے جو اس استدلال کو طفلانہ کہتے ہیں۔ بیع سے اصل مراد خرید و فروخت ہی ہے، دوسرے مشاغل اس میں ضمناً داخل ہیں، حنفی عالم نے اصل سے استدلال کیا ہے، تو اس استدلال کو غلط قرار دینا عین حماقت ہے۔

دوسری جہالت ہمارے مفسر صاحب کی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مشاغل دنیویہ کو اذانِ جمعہ

کے بعد ترک کردیا جائے، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ جب اذان شروع ہو اسی وقت ترک
کردیا جائے جس کو اتنی سمجھ نہ ہو وہ قرآن کی تفسیر کی جرأت ہی کیوں کرتا ہے۔
باپ - بیٹا، بات تو شیخ جمن حفظہ اللہ کی دل کو لگتی ہے، تجارت، کاروبار، خرید و فروخت
کی اصل جگہ دیہات نہیں ہوا کرتا ہے، ان کا مرکز تو شہر ہی ہوتے ہیں ۔
بیٹا - ابا جی اتنی موٹی موٹی بات بھی ہمارے علمار کو سمجھ میں نہیں آتی، ہمارے علمار کو اپنی
ہنسی اڑوانے میں مزہ آتا ہے کیا ؟
باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

کیا مسلم شریف میں بھی ضعیف احادیث ہیں ؟
شیخ جمن سے میاں کلو حفظہ اللہ کا چبھتا سوال ۔

بیٹا، ابا جی
باپ - جی بیٹا
بیٹا - ابا جی سعودیہ والا جو قرآن چھپا ہے، اس پر طرح طرح کے سوال ابھر رہے ہیں، اور
خود ہمارے علمار میں سر پھٹول کی نوبت آ پہونچی ہے۔
باپ - بیٹا۔ اس قرآن کی ہماری جماعت میں بڑی دھوم مچی ہے، اس پر جس کی تفسیر چھپی ہے
وہ فضیلۃ الشیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ہیں، اور فضیلۃ الشیخ مولانا صفی الرحمٰن
مبارکپوری حفظہ اللہ نے اس پر نظر ثانی کی ہے، اس لئے اس قرآن پر سوالات اٹھنے کا
کوئی سوال ہی نہیں ہے، بڑی محقق تفسیر والا قرآن ہے ۔
بیٹا - ابا جی کل فضیلۃ الشیخ کلو حفظہ اللہ فضیلۃ الشیخ جمن حفظہ اللہ کی خدمت میں یہی قرآن
لے کر حاضر ہوئے اور پہلے تو ان سے پوچھا کہ مسلم شریف میں کتنی ضعیف احادیث ہیں؟
باپ - ہائیں ہسلم شریف میں ضعیف احادیث بیٹا ہم سب اہلحدیث کا عقیدہ تو یہ ہے کہ
بخاری و مسلم میں کوئی ضعیف حدیث نہیں ہے ۔

بیٹا ۔ جی ابا جی، اب تک تو ہمارا یہی عقیدہ تھا، مگر اب ہمارے علماء کو مسلم شریف کی احادیث کے بارے میں بھی شک پیدا ہونے لگا ہے کہ اس میں ضعیف احادیث بھی ہیں ۔

باپ ۔ بیٹا تو فضیلۃ الشیخ جمن حفظہ اللہ نے شیخ کلو حفظہ اللہ کو کیا جواب دیا ۔

بیٹا ۔ ابا جی انھوں نے وہی کہا جو آپ فرما رہے ہیں کہ مسلم شریف میں کوئی بھی ضعیف حدیث نہیں ہے ۔

باپ ۔ بیٹا پھر شیخ کلو نے کیا کہا ؟

بیٹا ۔ ابا جی شیخ کلو حفظہ اللہ نے سعودیہ والا قرآن اٹھایا اور سورہ فاتحہ کا پہلا صفحہ کھولا جس میں یہ عبارت تھی ۔

قرآن مجید میں جو آیا ہے ۔ جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو ، یا حدیث واذا قرأ فانصتوا (بشرط صحت) جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو ، کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرأت خاموشی سے سنیں امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں ۔

شیخ کلو حفظہ اللہ نے شیخ جمن سے پوچھا کہ واذا قرأ فانصتوا والی حدیث تو مسلم شریف کی ہے ، اس کے بارے میں « بشرط صحت » جو مفسر صاحب نے لکھا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان کو اس حدیث کی صحت تسلیم نہیں ہے ، تو کیا مسلم شریف کی احادیث بھی ضعیف ہیں اور ان کی صحت مشکوک ہے ؟

باپ ۔ بیٹا شیخ کلو کا سوال تو واقعی بڑا چبھتا ہوا ہے ، فضیلۃ الشیخ جمن حفظہ اللہ نے اس کا کیا جواب دیا ؟

بیٹا ۔ ابا جی شیخ جمن حفظہ اللہ بڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے ، کبھی کبھار حقہ کا دو ایک کش لگا لیتے ، تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ جاہل لوگوں نے اہل علم کا منصب حاصل کر لیا ہے جس کو احادیث میں قیامت کی علامات میں سے

بتایا گیا ہے، آج تک ہمارے کسی عالم نے قرآن کی کوئی تفسیر لکھی نہیں تھی اب ایک تفسیر شائع بھی ہوئی ہے تو اس سے لوگوں نے پیسہ تو کمالیا مگر علم بدنام ہوا، اور ہماری جماعت کی رسوائی میں اضافہ ہوا، پھر فرمایا کہ اس تفسیر میں یہی ایک بات نہیں اور بھی قابلِ مواخذہ بہت سی باتیں ہیں، مثلاً دیکھو وکلوا واشربوا ولاتسرفوا (اعراف) کا ترجمہ اس کلام پاک میں یہ کیا گیا ہے۔ وکلوا، اور خوب کھاؤ۔ کلوا کا ترجمہ خوب کھاؤ کس قدر جہالت سے بھرا ہوا ترجمہ ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے ولاتسرفوا کھانے میں اسراف یعنی حد سے آگے نہ بڑھو، تو اگر کلوا کا ترجمہ خوب کھاؤ کیا جائے گا تو کھانے میں اسراف سے منع کرنا بے معنی ہو جائے گا۔ اور دونوں جملوں کا معنی ایک دوسرے سے متضاد ہو گا۔

باپ ۔ بیٹا شیخ حسن حفظہ اللہ کی نگاہ بڑی گہری ہے، ان کا علم بڑا وسیع ہے۔

بیٹا ۔ اباجی علم کی یہ وسعت یہ گہرائی ہمارے فضیلۃ الشیوخ لوگوں میں کیوں نہیں پیدا ہوتی ہے؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

نقد و تبصرہ

پاکستان کے مشہور مجلہ البلاغ کراچی کا ارمغان حق جلد اول پر تبصرہ

غیر مقلدین کے افکار و نظریات کی تردید میں علماء اہلسنت کی طرف سے اچھا خاصا مواد وجود میں آچکا ہے جس کا بغور مطالعہ کرلینے سے غیر مقلدین کے پھیلائے ہوئے غلط خیالات کی حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔

انڈیا میں مولانا ابوبکر غازیپوری صاحب زید مجدہم بھی اس موضوع پر وقیع اور قابل قدر کام کر رہے ہیں، اس بارے میں انکی متعدد تحریری کاوشیں بھی منظر عام آچکی ہیں۔ اس مقصد کیلئے انھوں نے "زمزم" کے نام سے باقاعدہ ایک مجلہ بھی جاری کیا ہے جسمیں مختلف مضامین کے ساتھ ساتھ قارئین کے خطوط کے جوابات کا ایک سلسلہ بھی چل رہا ہے، اس میں غیر مقلدین کے اعتراضات کے مدلل جواب تحریر کئے جاتے ہیں جنکو پڑھنے سے منصف مزاج قاری مطمئن ہوجاتا ہے۔

انہی جوابات کا مجموعہ "ارمغان حق" کے نام سے ہندوستان میں شائع ہوا تھا جسمیں تقریباً چالیس عنوانات پر گفتگو موجود ہے، فاضل مصنف کی اجازت سے حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری صاحب دامت برکاتہم نے یہ کتاب پاکستان میں بھی شائع کردی ہے، اپنی طرف سے کتاب کے شروع میں ایک معلوماتی مقدمہ بھی تحریر فرمادیا ہے۔

ہمارے خیال میں اہل علم و عوام دونوں کیلئے اس کتاب کا مطالعہ انشاء اللہ بہت نافع ہوگا۔ (ابو معاذ)

موبائیل نمبر ـ ۹۴۵۱۰۰۶۴۹۹

محمد اجمل مفتاحی

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی ۰۴

ادارئیہ

گستاخِ رسول کا عبرتناک انجام
ڈنمارک کے اخبار کا ایڈیٹر جل کر مرگیا

پاکستانی روزنامہ نوائے وقت نے ایک سعودی اخبار کے حوالہ سے جب یہ خبردی کہ ڈنمارک کے اخبار جالینن پوسٹن کا گستاخ ایڈیٹر اپنے کمرہ میں جل کر مرگیا تو ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اس گندے اخبار کے گستاخ ایڈیٹر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اخبار میں کارٹون شائع کر کے پورے عالم اسلام کو انتہائی کرب میں مبتلا کر دیا تھا اور پوری دنیا صدائے احتجاج بن گئی تھی، نہ معلوم اس کے خلاف احتجاج میں کتنی قیمتی جانیں چلی گئیں، یورپ اور مغربی ممالک نے آزادی رائے کے نام پر اس گستاخ رسول کی حمایت میں اپنی اسلام دشمنی کا کھلم کھلا مظاہرہ کیا، چونکہ مسلمانوں میں اس کارٹون کی اشاعت پر بے چینی کی لہر تھی اور پورا عالم اسلام سراپا احتجاج بنا ہوا تھا، حتیٰ کہ بعض مسلمانوں کی طرف سے اس خبیث ایڈیٹر کے قتل پر بڑے انعام کا بھی اعلان ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے اخبار کے ایڈیٹر کو ڈنمارک حکومت نے پورا تحفظ فراہم کیا تھا، اور اسکی حمایت میں اسلام کے سارے دشمن ایک آواز ہو گئے تھے، مگر اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی ہے، اور اللہ کی پکڑ کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں، اور جب اللہ کے غضب اور انتقام کی آندھی چلتی ہے تو انسانی ساری تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں اور دنیا کے فرعون اپنے انجام کو پہونچتے ہیں، اسرائیل کا فرعون اور انسانیت دشمن وزیر اعظم شیرون کی

آج جو حالت ہے وہ دنیا دیکھ رہی ہے، دماغ کی رگ پھٹ چکی ہے، اور مدتِ دراز سے نزع کی اور نہ جینے کی حالت میں، اسرائیل کے کسی اسپتال میں مردہ جیسا پڑا ہوا ہے اور دوسروں کے لئے باعثِ عبرت بنا ہوا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ شرمناک کارٹون شائع کرنے والا اخبار کا ایڈیٹر سمجھ رہا تھا کہ حکومت کی سیکورٹی میں وہ عافیت اور سکون کی زندگی گذارتا رہے گا مگر قدرت کا فیصلہ اس کیلئے کچھ اور ہو چکا تھا، سعودی عرب کے ایک اخبار کے حوالہ سے پاکستان کے روزنامہ نوائے وقت نے یہ خبر شائع کی ہے کہ کارٹون شائع کرنے والا یہ ایڈیٹر زندہ جل کر مرگیا، یہ اپنے کمرہ میں تھا کہ اس کمرہ میں آگ بھڑک اٹھی اور یہ بدبخت اس آگ کی نظر ہو گیا، ڈنمارک کی حکومت اور مغربی اخبار اس خبر کو چھپا رہے ہیں مگر آج کی دنیا میں کسی حادثہ کا چھپانا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

مغربی دنیا کی یہ بھی دوغلی پالیسی کا ایک حصہ ہے کہ محمد رسول عربی کے کارٹون کی اشاعت تو آزادی صحافت کا نام دیا گیا، اور اب جب اس آزادی صحافت کا بھیانک انجام اور قدرت کا انتقام وجود پذیر ہوا تو اس خبر کو مغربی اور یورپی اخبارات اور ذرائع اعلانات چھپا رہے ہیں۔

بہر حال اس خبر سے پوری دنیا کے مسلمان خوش ہیں، وقت حاضر کے فراعنہ جو اپنی طاقت کے نشہ میں چور ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ ظلم و ستم کی ناؤ زیادہ دیر نہیں چلتی ہے، آج ان فرعونوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ گولہ بارود کی طاقت سے مسلمانوں کو نہیں دبایا جاسکتا، اسلئے کہ وقت آتا ہے تو ان کا بچہ بچہ گولہ بارود بن جاتا ہے، اور موت کو گلے لگانے کو وہ ہنسی کھیل سمجھتا ہے، اسرائیل، عراق، افغانستان میں ہر روز یہ تماشا مغربی دنیا دیکھ رہی ہے، تو ان شیطانوں نے مسلمانوں کو اذیت میں مبتلا کرنے کا یہ اوچھا اور غیر شریفانہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کبھی مقدس قرآن کے بارے میں کوئی گندہ مضمون شائع کرایا جاتا ہے، تو کبھی مسلمانوں کے پیغمبر کیخلاف منہ کی غلاظت باہر کیجاتی ہے اور کبھی ان کا کارٹون شائع کیا جاتا ہے، کبھی انکو دہشت کے بھیس میں دکھلایا

جاتاہے۔ اس طرح مسلمانوں کے جذبات سے مسلسل کھیلنے کی مذموم کوشش جاری ہے، اور موجودہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد اور سب سے بڑا ظالم امریکہ اور اس کا صدر بش ان ناشائستہ حرکات کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا ہے اور اگر مسلمان اس طرح کی غیر انسانی حرکتوں پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں تو انکو دقیانوسی عمل بتلایا جاتاہے۔

دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ امریکہ اور اس کا صدر بے پناہ طاقت کا مالک ہے، مگر اس طاقتور کا جو حال ہے وہ ساری دنیا کیلئے باعثِ عبرت ہے اور ہر فرعون وقت کیلئے الارم کی گھنٹی ہے۔ اسامہ اور ملا عمر کے نام سے امریکہ کا صدر کانپا کرتا ہے، ہر امریکی پر اسامہ اور ملا عمر کا بھوت سوار ہے، نہ آزادانہ کہیں امریکہ کا صدر آسکتا ہے اور نہ جاسکتا ہے، ابھی جون کے مہینہ میں امریکہ کے صدر بش نے ایسے خفیہ طریقہ سے عراق کا سفر کیا ہے کہ خود امریکہ کے نائب صدر کو اس کا علم نہیں تھا، ڈر کا عالم تو یہ ہے، یہ خدائی مسلسل عذاب ہے جس میں امریکہ کے لوگ اور اس کا صدر گرفتار ہے، امریکی اور برطانوی فوجیں جو عراق میں ہیں، ان میں خودکشی کا اوسط بڑھتا جارہا ہے، ہزاروں کی تعداد میں امریکی اور برطانوی فوج نفسیاتی دباؤ کا زبردست شکار ہیں۔ ایک اسامہ نے امریکہ کو زبردست مالی بحران میں مبتلا کر دیا ہے۔ ۲۴ر دسمبر ۲۰۰۵ء کے راشٹریہ سہارا اردو میں یہ خبر شائع ہوئی تھی۔ جس کا متن یہ ہے:

"امریکہ کے ایک خفیہ محکمہ کے افسر نے خفیہ رپورٹ دی ہے کہ امریکہ کی خفیہ ایجنسیوں پر امریکہ کا سالانہ ۴۴ ارب ڈالر سالانہ خرچ ہورہا ہے، جو کہ ہندوستانی کرنسی کے مطابق ۱۷ کھرب ۶۰ ارب روپے ہوتے ہیں، افسوس اتنا خرچ کرکے بھی امریکہ کی خفیہ ایجنسیاں اسامہ بن لادن کو گرفتار کرنا تو کیا اس کا پتہ بھی نہیں لگا سکیں"

اس کے علاوہ عراق اور افغانستان میں ار بہا ارب ڈالر امریکی فوجوں پر خرچ ہورہا ہے اتنے خرچ کا اثر امریکی عوام پر جو پڑا تو امریکہ میں ہائے وائے مچی ہے، اور امریکہ کے صدر کی

مقبولیت میں ہر روز گراوٹ بڑھتی جارہی ہے۔ برطانیہ میں ٹونی بلیر کا بھی یہی حال ہے۔
دنیا کے ممالک اپنی اپنی مصلحتوں کی بنا پر امریکہ کے خلاف چاہے زبان نہ کھولیں مگر پوری دنیا یہ سمجھ رہی ہے، اس وقت کا سب سے بڑا ظالم امریکہ ہے، اور سب سے بڑا دہشت گرد امریکہ کا صدر بش ہے، یہ ایسی ذلت و رسوائی ہے جس کو کوئی ادنٰی غیرت والا انسان اپنے لئے برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ بھی خدا کا ایک عذاب ہے۔ اگرچہ امریکہ کا صدر دل کا اندھا ہونے کیوجہ سے اسکو محسوس نہ کرے۔

بہرحال بتلانا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی توہین کرنے والے کا انجام بہت جلد دنیا نے دیکھ لیا۔ ڈنمارک کے اخبار کے گستاخ ایڈیٹر کا بھیانک انجام سے پیغمبر اسلام کے ہر گستاخ کی آنکھ کا پردہ ہٹ جانا چاہیے۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے ذرا بھی حجاب نہیں کہ ہم نے اس خبر کو بڑی خوشی سے پڑھا۔

اس طرح سے طوفان تو آیا نہیں کرتے
شاید پس طوفان کوئی تازہ گھر ہے

محمد ابو بکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روز قیامت اس آدمی کا خصم ہوں گا جس نے کسی مزدور سے پورا پورا کام لیا اور اس کی مزدوری نہیں دی۔ (بخاری)

کسی مزدور سے کام لیکر اس کی مزدوری نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے، اگر وہ مزدور دنیا میں اپنی کمزوری کی وجہ سے اپنا حق وصول نہیں کر سکا تو قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں خدا کے سامنے اس مزدور کی طرف سے اس حق مارنے والے سے جھگڑا کر کے اس کا حق وصول کروں گا۔

قیامت کے روز آپ جس کے خلاف ہوں اس کا انجام کتنا بھیانک ہوگا، اور اس کو کتنی سخت سزا سے سامنا کرنا ہوگا اس کا تصور کرنا بھی دشوار ہے۔

بہت سے بدبخت لوگ مزدوروں کا اور کام کرنے والوں کا حق دبا لیتے ہیں اور وہ مزدور اور کام کرنے والا اپنی کمزوری کی وجہ سے اپنی زبان بند کر لیتا ہے، لیکن اس کے دل کی آہ آسمان کا سینا پھاڑتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں اپنی فریاد لے کر پہونچتی ہے، ایسے لوگوں کا انجام بہت بھیانک ہونے والا ہے، دنیا میں نہیں تو آخرت میں کونین کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کا حق دلوائیں گے۔

آجکل مدارس کے مہتممین میں یہ وبا عام ہے، مدرسین سے کام لیکر ان کا حق مار لینا

تنخواہ وقت پر نہ دینا، یا ان کی تنخواہ کا کچھ حصہ کسی بہانہ سے کاٹ لینا اگر مدرس مدرسہ میں کام کرنا نہیں چاہتا ہے تو اس کی بقایا تنخواہ نہ دینا اس کی شکایت عام ہے، اور یہ دین کا کام کرنے والے لوگ ذرا بھی خدا کا خوف نہیں کھاتے کہ آخر اس ظلم کا انجام کیا ہوگا۔
کسی کا حق مارنا گناہ ہے، اور کسی مزدور اور اجیر کا حق مارنا تو بہت ہی بڑا گناہ کا کام ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کا حق ادا کر دو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ (ابن ماجہ) یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کا حق اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

جس مذہب میں مزدوروں اور اجیروں کی اتنی رعایت کی گئی ہے اس مذہب کے ماننے والے کسی مزدور اور اجیر کا حق دبالیں کس قدر بدبختی کی بات ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں (یعنی ان کا بھی اس میں حصہ ہے) پانی میں، گھانس میں، اور آگ میں۔ (ابوداؤد)

آگ، پانی اور گھانس کو اللہ نے اپنی قدرت سے بے حساب پیدا کیا ہے، انسان کو بلا مشقت یہ چیزیں حاصل ہوجاتی ہیں اسی وجہ سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ آگ پر میرا ہی حق ہے، پانی پر میرا ہی حق ہے، اور گھانس پر میری ہی ملکیت ہے، ان تینوں میں سارے انسان برابر ہیں، اگر کوئی دوسرا شخص بھی آگ پانی اور گھانس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس کو منع نہیں کیا جاسکتا۔

مگر یہ شرکت اور برابری ان تینوں چیزوں میں اس وقت ہے جب کہ یہ تینوں چیزیں کسی کی ملکیت میں داخل نہ ہو اور کسی نے اس کو اپنے لئے حاصل نہ کرلیا ہو، اگر کسی کی ملکیت میں یہ چیزیں آگئی ہیں تو بلا اس کی اجازت کے اب اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا، مثلاً کوئی شخص اپنے برتن میں پانی رکھے ہوئے ہے تو بلا اس کی اجازت اب اس پانی کا استعمال

جائز نہیں ہوگا، اسی طرح بقیہ دونوں چیزوں کا بھی حکم ہے، البتہ انسانیت کی بات یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں کا ان کا مالک ہونے کے بعد بھی اگر کسی کو ضرورت ہو تو لینے سے منع نہ کرے، اس لئے کہ اس نے انکو حاصل کرنے میں پیسہ نہیں خرچ کیا ہے، گھانس از خود پیدا ہوتی ہے، پانی اور آگ پیدا کرنے میں انسان کی محنت اور کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے اس وجہ سے ان کے استعمال سے کسی کو روکنا انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کے خلاف بات ہے، ان تینوں چیزوں میں سارے لوگ شریک ہیں، اور ان میں سب کا حق برابری کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث میں ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ زائد پانی کو مت روکو کہ اس کی وجہ سے زائد گھانس کو روکنے والے بن جاؤ، یعنی جو پانی تمہاری ضرورت پورا کر چکا ہو اس کا راستہ بند کرنا کہ وہ زمین نہ پھیلے جو گھانس کے اگنے کا ذریعہ بنتا ہے، جائز نہیں ہے، اس سے گھانس کا اگنا بند ہو جائیگا جس کی ضرورت دوسروں کو ان کے جانوروں کیلئے ہوتی ہے۔

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو جن کی ہماری نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے کتنے اہتمام سے بیان فرماتے ہیں، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کتنی دور رس تھی اور آپ اپنی امت کو کس رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے، حضورؐ کی ان تعلیمات پر اگر عمل کیا جائے تو مسلمانوں کی قدر دوسری اقوام کی نگاہ میں کتنی بڑھ جائیگی۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہبہ کر کے اس کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اس کو چاٹے۔ (بخاری)

ہدیہ دیکر اس کو واپس لینا اگرچہ قانوناً جائز ہے مگر یہ اتنی بری اخلاقی حرکت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کتے کی مانند قرار دیتے ہیں جو قے کر کے دوبارہ اس کو چاٹتا ہے، بعض علماء کے نزدیک ہدیہ دیکر اس کا واپس لینا جائز ہی نہیں ہے۔

ہدیہ اسلئے دیا جاتا ہے کہ آپس میں محبت قائم ہو، ہدیہ دیکر اس کو واپس لینے سے ہدیہ کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، اور محبت کی جگہ دشمنی اور عداوت دلوں میں گھر بنالیتی ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکریہ ادا کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ (احمد و الترمذی)

اگر تمہارے ساتھ کسی نے احسان کیا ہے تو تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔ تاکہ احسان کرنے والا سمجھے کہ تم نے اس کے احسان کی قدر کی ہے۔ اس سے اس کو خوشی حاصل ہوگی، علماء نے لکھا ہے کہ شکر گذاری زبان سے بھی ہونی چاہیئے، عمل سے بھی ہونی چاہیئے اور دل سے بھی ہونی چاہیئے۔ زبان سے شکر گذاری یہ ہے کہ مثلاً وہ کہے کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے میرے ساتھ مہربانی کی، عمل سے شکر گذاری یہ ہے کہ کسی وقت اس کے ساتھ بھی نیک سلوک کر دیا جائے۔ دل سے شکر گذاری یہ ہے کہ اپنے محسن کے بارے میں اچھا گمان رکھا جائے اور اس کی محبت دل میں ہو، ایک روایت میں ہے کہ جس کے ساتھ احسان کیا گیا ہے اس نے اگر یہ کہہ دیا کہ جزاک اللہ خیرا، تو اس نے اس کی بہت تعریف کی، یعنی کم سے کم اتنا تو ضروری ہے آدمی کو احسان کرنے والے کیلئے کرنا چاہیئے کہ اس کیلئے بھلائی اور خیر کی اللہ سے دعا کرے، یہ بھی بہت بڑا سلوک اور بدلہ ہے۔

ان چیزوں کے لحاظ کرنے سے آپس کی محبت بڑھتی ہے اور اسلامی اخوت کو قوت حاصل ہوتی اور اچھا معاشرہ قائم ہوتا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب
سکھر(ی) پاکستان

ناموسِ رسالت پر فدا ہو جانے والے ایک نوجوان کی ایمان افروز داستان

میں جب دوسری بار ۱۹۹۹ء میں پاکستان گیا تھا تو مجھے علیم الدین غازی کے مزار پر بھی حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اس نوجوان شہید کا نام تو کانوں میں بہت پہلے سے پڑا تھا، اور یہ بھی معلوم تھا کہ بد نام زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" کے مصنف راج پال کو اسی مرد مجاہد نے اپنے ایمانی جذبہ کی تڑپ سے مجبور ہو کر اپنے خنجر کا نشانہ بنایا تھا اور ناموس رسول پر قربان ہو گیا تھا لیکن مجھے اس نوجوان غازی کے تفصیلی حالات کا علم نہیں تھا۔

ڈنمارک کے اخبار کے گستاخ رسول اڈیٹر کے بھیانک انجام کی مناسبت سے "لولاک" مدینہ لاہور نے چند اسی قسم کے دوسرے گستاخانِ رسول کا ذکر کیا ہے، اس ذیل میں علیم الدین غازی کا بھی تذکرہ ہے، زمزم کے صفحات میں علیم الدین کے تذکرہ کو شائع کیا جا رہا ہے، تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اسے یہ ہرگز برداشت نہیں ہے کہ کوئی دریدہ دہن گستاخِ قلم پیغمبر اسلام کو اپنی دریدہ دہنی و گستاخ قلم کا نشانہ بنائے، اور اگر کبھی کسی نے ایسا کیا تو اس کا حشر کیا ہوا، یا ہوگا، علیم الدین الدین غازی کے اس تذکرہ میں اس کا جواب پوشیدہ ہے۔

محمد ابوبکر غازیپوری

راج پال ہندو کی توہین رسالت

۱۹۲۳ء کو لاہور میں راج پال ہندو نے رسوائے زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" شائع کی جس میں حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بڑی توہین کی گئی تھی۔ جب یہ کتاب چھپ کر بازار میں آئی تو مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمان زعماء نے حکومت سے اس کتاب کی فوری ضبطی اور اس کے ناشر کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا جس پر راج پال کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا۔ لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملزم کو چھ ماہ قید کی سزا دی۔ لیکن اس وقت شادی لال جیسا متعصب چیف جسٹس تھا اس کے ایماء پر راج پال ملزم کو سزا سے بری کر دیا گیا جس نے مسلمانوں کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔

چنانچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء کو جب ملعون راج پال اپنی دکان پر موجود کاروبار میں مشغول تھا۔ ایک مرد مجاہد خدا بخش نے جو اندرون یکی گیٹ لاہور کا رہنے والا تھا، اس خبیث پر تیز دھار دار چاقو سے حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا لیکن اس بد بخت نے اس وقت بھاگ کر اپنی جان بچالی۔ غازی خدا بخش کو زیر دفعہ ۳۰۷ الف تعزیراتِ ہند گرفتار کر لیا گیا اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور سی ایم بی اوگلوی کی عدالت میں اسکے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی، غازی خدا بخش نے اپنی طرف سے وکیل صفائی مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ راج پال مستغیث نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا: مجھ پر یہ حملہ" کتاب "رنگیلا رسول" کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کیا گیا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ ملزم خدا بخش اب بھی مجھے جان سے مار دیگا کیونکہ حملہ کے وقت ملزم چلایا تھا۔ "کافر کے بچے! آج تو میرے ہاتھ آیا ہے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا" عدالت کے استفسار پر اس مرد غازی نے گرج دار آواز میں کہا۔ میں مسلمان ہوں، ناموس رسالت کا تحفظ میرا فرض ہے، میں اپنے آقا کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔"

پھر راج پال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس نے میرے رسول کی شان میں گستاخی کی تھی اسلئے میں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن یہ کم بخت اس وقت میرے ہاتھ سے بچ نکلا۔ اقرار جرم کے بعد غازی خدا بخش کو سات سال قید سخت سنائی گئی۔

غازی عبدالعزیزؒ

اس واقعہ کے چند دن بعد ایک اور مرد غازی عبدالعزیز نے جو افغانستان سے اپنے سینہ میں اس دشمن اسلام راج پال کے خلاف غصہ کی آگ لے کر لاہور پہنچا تھا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء کی شام راج پال کی دکان پر آیا۔ اتفاقاً اس وقت راج پال کا ایک دوست سوامی ستیانند بیٹھا تھا جسے غازی عبدالعزیزؒ نے شاتم رسول سمجھ کر چاقو سے حملہ کر کے زخمی کر دیا، پولیس نے جائے واردات پر پہنچ کر غازی عبدالعزیز کو گرفتار کر لیا۔ عدالت نے اس مرد مجاہد کو بھی وہی سزا دی جو غازی خدابخش کو دی گئی تھی، جسے بھگت کر یہ دونوں غازی جیل سے سرخرو ہو کر نکلے۔

غازی علم الدین شہیدؒ کا راج پال پر حملہ

علم الدین ایک محنت کش نجار "طالع مند" کا بیٹا تھا۔ جب علم الدین پیدا ہوا تو اس کی ماں کی گود میں دیکھ کر ایک فقیر نے بشارت دی کہ تم لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہو کہ ایسا نیک بخت بچہ تمہارے گھر پیدا ہوا ہے۔ علم الدین نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اپنے محلہ کی مسجد میں حاصل کی جو اس زمانہ میں بازار سر فروشاں کے نام سے مشہور تھا۔ جب یہ بچہ ذرا بڑا ہوا تو باپ نے جلدی اسے اپنے ساتھ کام پر لگا یا جس میں اس نے بڑی جلدی مہارت حاصل کر لی۔

علم الدین کا ایک بچپن کا ساتھی عبدالرشید تھا جسے سب پیار سے "شیدا" کے نام سے پکارتے تھے، شیدا کے والد کی دکان مسجد وزیر خان کے سامنے واقع تھی۔ ایک دن دونوں دوست گھر سے شام کے وقت جب مسجد وزیر خان پہنچے تو وہاں ایک جلسۂ عام میں شیطان راج پال کے خلاف تقریریں ہو رہی تھیں جس میں یہ اعلان ہو رہا تھا کہ مسلمان اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن اس مردود راج پال کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تقریریں سن کر دونوں دوست تڑپ اٹھے، گھر آ کر علم الدین نے اپنے والد طالع مند سے پوچھا۔

سوال: کیا کوئی شخص جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے زندہ رہ سکتا ہے؟

جواب : باپ نے جواب دیا، بیٹا مسلمان اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

سوال : کیا اسے مارنے والے کو سزا ملے گی؟ علم الدین نے باپ سے دریافت کیا۔

جواب : ہاں بیٹا یہاں گوروں کے قانون کے مطابق اسکو پھانسی کی سزا ملے گی۔

اسی رات علم الدین نے دیکھا کہ خواب میں ایک بزرگ نمودار ہوئے ہیں اور اس سے کہہ رہے ہیں : علم الدین دشمن نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے تم ابھی سو رہے ہو، اٹھو اور جلدی کرو۔

یہ خواب دیکھ کر وہ فدائی رسول صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اٹھ بیٹھا اور اپنے اوزار لے کر صبح سویرے اپنے دوست شیدا کے گھر پہنچا اور وہاں سے دونوں دوست بھاٹی دروازے کے سامنے والے کھلے میدان میں جا پہنچے۔ علم الدین نے وہاں رازدارانہ طریقہ سے اپنے دوست شیدا کو رات والا خواب سنایا تو اسکی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اس نے بھی گزشتہ رات یہی خواب دیکھا تھا۔ اب دونوں دوستوں میں تکرار ہونے لگی، دونوں کا اصرار تھا کہ اس موذی کو مارنے کیلئے اسے بشارت ہوئی ہے۔ آخر طے پایا کہ قرعہ ڈالا جائے اسمیں جس کا نام آئے وہی اس کام کو سرانجام دے۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار قرعہ فال طالع مند کے خوش نصیب فرزند علم الدین کا نام نکلا جس پر اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ شیدا کو اپنے اس دوست کی خوش بختی پر رشک آیا۔ اس نے علم الدین کو اس کامیابی پر مبارکباد دی جس کے بعد دونوں دوست ایکدوسرے سے جدا ہو گئے۔ وہاں سے علم الدین سیدھے گھر پہنچے وہ گھر آ کر کچھ دیر کیلئے لیٹ گئے تو ذرا دیر کیلئے انکی آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی بزرگ دوبارہ نمودار ہو کر ان سے کہہ رہے ہیں۔

"علم الدین یہ وقت سونے کا نہیں بلکہ جس کام کیلئے تمہیں چن لیا گیا ہے اس کی تکمیل کیلئے فوراً پہنچو ورنہ بازی کوئی اور لے جائیگا۔"

جس پر وہ ایک بار پھر اپنے دوست شیدا کے پاس الوداعی ملاقات کیلئے پہنچے۔ اسے اپنی کچھ چیزیں بطور یادگار دیں اور دوبارہ گھر پہنچ کر انھوں نے اپنے منصوبے کی تکمیل کا پروگرام

اپنے ذہن میں مرتب کر لیا اور گھر میں کسی سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ اس ڈر سے کہ کہیں خون اور قرابت کے رشتے اس راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔ اس دن انھوں نے غسل کیا، سرخ دھاری دار قمیص اور سفید شلوار پہنی، سر پر پگڑی باندھی، صاف اور سجل لباس پر خوشبو لگائی، اس سے قبل انھوں نے اپنی ماں سے میٹھے چاول کی فرمائش کی تھی جسے باپ بیٹے نے مل کر تناول کیا۔ باپ کے کسی کام پر جانے کے بعد علم الدین نے اپنی معصوم بھتیجی کے ماتھے کو سوتے میں بڑے پیار سے چوما اور اپنی بھابھی سے کچھ پیسے لیکر اس سچ دھج سے خوشی خوشی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ علم الدین نے آج کے دن یہ سارا اہتمام کیوں کیا ہے ؟ گھر سے گمٹی بازار پہنچ کر وہاں آتمارام کباڑیے کی دکان سے ایک روپیہ میں ایک لمبا چاقو خریدا اور اسے شلوار کے نیفہ میں رکھ لیا، پھر وہ سیدھے دوپہر کے وقت انار کلی ہسپتال روڈ، راج پال کی دکان کے سامنے والی ٹال پر پہنچے۔

جوں ہی ٹال والے جوان نے علم الدین کو بتلایا کہ وہ منحوس دکان کے اندر داخل ہوا ہے تو وہ اپنے شکار کے تعاقب میں دکان کے اندر پہنچ گئے اور اسے دیکھتے ہی انکی آنکھوں میں خون اتر آیا، اس کے ساتھ ہی ان کے اندر عقابی روح بیدار ہوئی اور انھیں اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی۔ چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ جھپٹ کر علم الدین نے راج پال خبیث کے سینے میں چاقو پیوست کر دیا، جو اس کے دل کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ یہ ضرب ایسی کاری ثابت ہوئی کہ وہ مردود زخموں کی تاب نہ لا کر اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور وہیں اس نے دم توڑ دیا اس طرح اس بدبخت کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد غازی علم الدین جب دکان سے باہر نکلے تو مقتول کے ملازمین نے "مار دیا مار دیا" کا شور مچانا شروع کر دیا، جس پر قریب کے ایک ہندو دکاندار سیتارام کے لڑکے اور اسکے ساتھیوں نے آکر پیچھے سے اس نوجوان غازی کو پکڑ لیا جس پر علم الدین نے کہا آج میں نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے لیا "آج میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے لیا" اس عرصہ میں پولیس بھی جائے واردات پر پہنچ گئی جس نے غازی علم الدین کو گرفتار کر لیا اور ۱۰ اپریل ۱۹۲۹ء کو مسٹر لوئیس ایڈیشنل

مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں علم الدین کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند مقدمۂ قتل کی کارروائی شروع ہوئی۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران علم الدین کے چہرے پر معصوم مسکراہٹ کھیلتی رہی۔

شہادت قلم بند ہونے کے بعد سرسری بحث کے بعد مقدمہ سیشن کے سپرد ہوا۔ سیشن کورٹ نے ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو سزائے موت کا فیصلہ سنانا اور مسل حسب ضابطہ توثیق کیلئے لاہور ہائی کورٹ بھجوائی گئی۔

والدین کے حکم کی تعمیل میں علم الدین کی جانب سے بھی اس فیصلہ کیخلاف اپیل دائر کی گئی جس کی پیروی اس وقت کے چوٹی کے قانون دان اسلامیانِ ہند کے رہنما قائد اعظم محمد علی جناح نے کی۔ قائد اعظم کی بحث کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ راج پال نے "رنگیلا رسول" جیسی قابلِ اعتراض کتاب شائع کر کے پیغمبر اسلام کی توہین کی ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، چونکہ یہ کتاب اشتعال انگیزی کا سبب بنی اسلئے ملزم نے قتل عمد کا ارتکاب نہیں کیا لہذا اسے سزائے موت نہیں دی جا سکتی، اس کے جواب میں وکیل سرکار رام لال نے منجملہ دیگر دلائل کے یہ موقف اختیار کیا کہ پیغمبر اسلام کی اہانت واقعی افسوسناک بات ہے لیکن تعزیراتِ ہند میں اس جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں اسلئے مقتول نے کوئی خلافِ قانون حرکت نہیں کی تھی چنانچہ ملزم کا یہ فعل اشتعال انگیزی کی تعریف میں نہیں آتا اور اس نے سیشن کورٹ کی سزائے موت کا فیصلہ بحال رکھا۔ جب یہ فیصلہ غازی علم الدین کو سنایا گیا تو وہ مارے خوشی کے چیخ اٹھے۔ اور کہا

"اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش نصیبی ہوگی کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے اور بارگاہِ رسالت میں حاضری کی سعادت سے بھی مجھے سرفراز کیا جا رہا ہے"

جب ان کا غمگسار دوست "شیدا" ان سے ملاقات کیلئے میانوالی جیل پہنچا تو اسے غمگین دیکھ کر علم الدین نے کہا۔

"یار آج مجھے تو میری طرح خوش ہونا چاہیئے۔ اپنے آقا کے نام پر کٹ مرنا ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی آرزو ہے اور اللہ پاک کی یہ کتنی بڑی کرم نوازی ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں سے اپنے اس حقیر بندے کے ہاتھوں اس ناپاک شیطان کو ختم کرایا اور دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کی میری دلی مراد بھی پوری ہو رہی ہے۔ اسلئے تمام مسلمان بھائیوں تک میری یہ بات پہونچا دو کہ وہ میری موت پر غم نہ کریں بلکہ میرے لئے دعائے خیر کریں"

والدین اور عزیز و اقارب سے آخری ملاقات کے موقع پر اپنی والدہ سے کہا کہ وہ ان کا دودھ بخش دیں۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہنے لگے:

"ماں دیکھ تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے بیٹے کو شہادت کی موت مل رہی ہے مجھے تو ہنسی و خوشی رخصت کرنا چاہیئے"

پھر علم الدین نے پیالہ سے پانی پیا اور اسی پیالہ سے اپنے عزیزوں اور والد طالع مند کو پانی پلاکر پوچھا کہ انھیں بھی اس سے ٹھنڈک پہنچی ہے! سب نے جب اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگے، مجھے تو جگر تک ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے، پھر ان سب سے کہا کہ کوئی انکی موت پر آنسو نہ بہائے ورنہ انھیں اس سے تکلیف ہوگی۔

جیل کے حکام کو وصیت نامہ میں اپنے عزیزوں کیلئے یہ بات بطور خاص لکھوائی کہ ان کے پھانسی پر چڑھنے سے وہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا حقدار ہوگا اور انھیں تاکید کی کہ وہ نماز نہ چھوڑیں اور زکوٰۃ برابر ادا کریں اور شرع محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پر قائم رہیں۔

انجام کار ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو وہ دن آپہونچا جس کیلئے علم الدین کی جان بے تاب تڑپ رہی تھی۔ رات اس جوان شب زندہ دار نے ذکر الٰہی اور تہجد میں گزاری اور طلوع سحر پر انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز فجر ادا کی، اجل مجسٹریٹ داروغہ جیل اور مسلح

سپاہیوں کے ہمراہ استقبال کیلئے کوٹھری کے دروازے پر موجود تھا۔ مجسٹریٹ نے اس مردِ غازی سے پوچھا، کوئی آخری خواہش، تو کہا: "صرف دو رکعت نمازِ شکرانہ کی مہلت" اجازت ملنے پر سجدۂ شکر ادا کرنے کے بعد سرخوشی کے عالم میں وہ ان کے ساتھ سوئے دار چل پڑے، اس وقت جیل کے قیدی اپنی اپنی کوٹھریوں اور بارکوں میں اس فدائی رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری جھلک دیکھنے کیلئے تعظیماً کھڑے تھے۔ رفیقانِ زنداں کو الوداع اور سلام آخر کہتے ہوئے مقتل میں پہنچ کر جب تختۂ دار کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے جھوم اٹھے، پھر ساعتِ سعید کو قریب دیکھ کر تیزی سے تختۂ دار کی طرف بڑھے اور شوق میں چاہا کہ پھانسی کے پھندے کو جو وصالِ حبیب کا مژدۂ جانفزا لے کر نمودار ہوا تھا خود اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈال لیں، لیکن اسے خلافِ شریعت جان کر فوراً رک گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا:

"لوگو! گواہ رہنا، میں نے ہی راج پال کو حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر قتل کیا تھا اور آج اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہوئے ان کے خاطر اپنی جان نثار کر رہا ہوں"

یہ کہتے ہوئے اس نوجوان پروانۂ نبوت نے دار و رسن کو چوم کر اپنی جانِ عزیز ناموسِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دی۔

جیل کے حکام نے اپنے افسرانِ بالا کی ایما پر علم الدین شہیدؒ کی نعش کو ان کے والد اور عزیز و اقارب اور سینکڑوں مسلمانوں کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا جو جیل سے باہر اسے لیجانے کیلئے منتظر کھڑے تھے، اس بے تدبیری کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔

لیکن نقضِ امن کے اندیشہ کے پیشِ نظر جیل کے کارندوں نے حکومت کی خفیہ ہدایات پر شہیدِ نبوت کی لاش کو نہایت خاموشی کے ساتھ عجلت میں جیل کے احاطہ میں عام قیدیوں کے قبرستان کے اندر دفن کر دیا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

لاہور اور دوسرے شہروں میں ہڑتالیں شروع ہوئیں، کاروبار معطل ہوگیا، برہنہ پا اور برہنہ ماتمی جلوس نکلنے لگے اور مسلمانوں میں شدید ہیجان پیدا ہوگیا، اس پر اکابرین وقت جن میں علامہ اقبال پیش پیش تھے۔ سر محمد شفیع، جناب محسن شاہ والد محترم جناب جسٹس ڈاکٹر نعیم حسن شاہ چیف جسٹس پاکستان اور دوسرے قائدین کے ہمراہ گورنر سے ملے اور اپنے جواں سال شہید کی لاش کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جو اس یقین دہانی پر کہ وہ امن عامہ برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہونگے، حکومت نعش انکے حوالے کرنے پر رضامند ہوگئی، چنانچہ تدفین کے تیرہویں دن مسلمان مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنروں کی موجودگی میں شہید کی میت قبر سے نکالی گئی، عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ کئی دن گزر جانے کے باوجود لاش صحیح اور سالم حالت میں موجود تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی آنکھ لگی ہے۔

۱۴ر نومبر ۱۹۲۹ء کو سارے شہر اور اسکے گرد ونواح سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا ایک سیل بے پناہ فدائی رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے رواں دواں تھا۔ مسجد وزیرخان کے خدا ترس خطیب مولانا محمد شمس الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا ظفر علی خان نے اس شہید رسالت کی لحد میں تدفین سے قبل اتر کر کہا:

"کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی"

شہید کے جسم کو اشکبار آنکھوں سے علامہ اقبال جیسے شیدائی رسول نے قبر میں اتارا جس پر علامہ کی زبان سے بے اختیار نکل گیا:

"یہ جوان ہم سب پڑھے لکھوں سے بازی لے گیا"

محمد ابوبکر غازی پوری قسط ۲

مقام صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی

صحابی کی تعریف

سب سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ صحابی کہتے کسے ہیں اس بارے میں متعدد بات کہی گئی ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو وہ صحابی ہے خواہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل صحبت میسر رہی ہو یا نہ رہی ہو اس نے آپؐ سے روایت کی ہو یا نہ کی ہو، آپ کے ساتھ وہ جہاد میں شریک رہا ہو یا نہ رہا ہو، جس کی ایک نگاہ بھی آپ کے چہرۂ انور پر پڑ گئی اور اسے آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہو گیا خواہ اس کی مدت کتنی بھی تھوڑی رہی ہو وہ امت کے اسی گروہ مقدس کا ایک فرد ہے جس سے پاکیزہ و مقدس گروہ امت اسلامیہ کیا پوری تاریخ انسانیت میں پیدا نہ ہو سکا۔ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں :

اصح ما وقفت علیہ من ذلک	یعنی صحابی کی تعریف میں صحیح تر بات جس سے
ان الصحابی من لقی النبی صلی اللہ	میں واقف ہوا وہ یہ ہے کہ صحابی اسے
علیہ وسلم مومناً بہ ومات علی	کہیں گے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
الاسلام فیدخل فیمن لقیہ	حالت ایمان پر ملاقات کی ہو اور اسلام پر اس
طالت مجالستہ او قصرت ومن	کا خاتمہ ہوا ہو، آپ سے ملاقات کرنیوالوں میں

روی عنه او لم يرو ومن غزا معه او لم يغز ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه ومن لم يره لعارض۔ (الاصابة ص ج۱)

(یعنی صحابہ میں) ان کا بھی شمار ہے جن کی مجالست آپ کے ساتھ زیادہ رہی ہو اور اس کا بھی جسے اس کا موقعہ کم ملا ہو، وہ بھی جو آپ سے روایت کرنے والا ہو اور وہ بھی جس نے آپ سے روایت نہ کی ہو، وہ بھی جس نے آپ کے ساتھ جہاد کیا ہو اور وہ بھی جسے اس کا موقعہ نہ مل سکا، وہ بھی جس نے ایک نظر آپ کو دیکھا ہو اور اسے آپ کی مجالست حاصل نہ ہو سکی ہو اور وہ بھی جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن کسی عارض کی وجہ سے (مثلاً نابینا ہونے کے سبب) آپ کا چہرۂ اقدس نہ دیکھ سکا ہو۔

الکفایہ میں حضرت امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال محمد بن اسمٰعيل البخاري من صحب النبي صلى الله عليه وسلم او رآه من المسلمين فهو صحابي (ص۵۱)

یعنی امام بخاری نے فرمایا جس مسلمان نے آپ کی صحبت کا شرف حاصل کیا یا آپ کو اس نے دیکھا وہ صحابی ہے۔

اسد الغابہ میں حضرت امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے۔

قال احمد بن حنبل اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كل من صحبه شهرا او يوما او ساعة او رآه۔ (ص۱۲ ج۱)

یعنی اصحاب رسول میں سے ہر اس شخص کا شمار ہے جس نے آپ کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہو، خواہ ایک مہینہ یا ایک دن، یا ایک ساعت یا اس نے صرف آپ کو دیکھا ہو۔

صحابہ میں فرق مراتب

صحابہ کرام میں فرق مراتب تھا، جو مقام حضرت صدیق کا تھا وہ کسی دوسرے صحابی کا نہیں تھا اور سارے صحابہ میں جو مرتبہ خلفائے راشدین کا تھا وہ دوسروں کا نہیں تھا، چنانچہ علماء نے اس

فرق مراتب کی تفصیل اس طرح کی ہے۔

وفی شرح السنۃ قال	یعنی شرح السنہ میں ہے کہ ابو منصور
ابو منصور البغدادی اصحابنا	بغدادی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا
مجمعون علی ان افضلہم الخلفاء	اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل
الاربعۃ علی الترتیب	خلفائے اربعہ (اپنی ترتیب خلافت کے
المذکور ثم تمام العشرۃ ثم	اعتبار سے) ہیں پھر بقیہ عشرہ مبشرہ ہیں،
اھل بدر ثم احد ثم بیعۃ	پھر اصحاب بدر، پھر اصحاب احد، پھر
الرضوان ومن لہ مزیۃ من اھل	وہ جنھوں نے بیعت رضوان کی اور عقبہ اولیٰ
العقبتین من الانصار وکذالک	وثانیہ میں سے وہ افراد جن کو دونوں بیعتوں
السابقون الاولون وھم من صلیٰ	میں خصوصیت حاصل تھی، نیز سابقین اولین
الی القبلتین وقیل اھل بیعۃ	اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کعبہ اور بیت المقدس
الرضوان۔	دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور بعض لوگوں
(مرقاۃ من حاشیۃ المشکوٰۃ)	نے کہا ہے کہ سابقین اولین وہ لوگ ہیں جو
ص ۵۵۳ ج ۲	بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔

سارے صحابہ جنتی ہیں

صحابہ کرام کی افضلیت اور ان کے فرق مراتب کی یہ تفصیل اپنی جگہ پر صحیح ہے، سارے صحابہ فضل وکمال اور مقام ومرتبہ میں ایک جیسے نہ تھے ان میں فرق مراتب تھا اور ہر ایک کا اپنا اپنا مقام تھا لیکن عام امت کے اعتبار سے صحابہ کرام کا ہر فرد ماہ وانجم کی حیثیت رکھتا ہے اور بلا کسی ادنیٰ شک وشبہ سارے صحابہ جنتی ہیں، ان میں کا ہر فرد عدالت وثقاہت کے انتہائی مرتبہ پر تھا، ہمیں کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی زبانِ طعن دراز کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، صحابہ کرام کے ہر فرد کے جنتی ہونے پر خود قرآن ناطق وشاہد ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

لا یستوی منکم من انفق	یعنی جنھوں نے تم میں سے فتح مکہ کے پہلے اللہ

من قبل الفتح وقاتل اُولٰئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وكلاً وعد الله الحسنیٰ ۔

کے راستے میں اپنا مال خرچ کیا ہے اور قتال کیا ہے وہ ان سے اونچے درجے والے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ اور قتال کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کیلئے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگرچہ فتح مکہ سے قبل جو لوگ ایمان لاچکے تھے اور جنھوں نے دین کیلئے جان ومال قربان کیا تھا وہ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں سے افضل واعلیٰ ہیں، مگر اللہ نے بلا کسی تخصیص جنت کا وعدہ سارے اصحاب رسولؐ سے کیا ہے خواہ وہ فتح مکہ سے پہلے کے ہوں یا بعد کے ۔

صاحبِ تفسیر مظہری اس آیت کے تحت لکھتے ہیں ۔

فانه صریح فی ان جمیع الصحابة اولهم وآخرهم وعدهم الله الحسنیٰ یعنی الجنة

یعنی یہ آیت اس باب میں بالکل صریح ہے کہ سارے صحابہ پہلے کے ہوں کہ بعد کے سب سے اللہ نے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ کیا ہے۔

سارے صحابہ عادل ہیں اس پر بھی تقریباً ساری امت کا اتفاق ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں ان میں کا فرد عدالت وثقاہت کے بلند مقام پر فائز تھا، خود قرآن نے ان کی عدالت، طہارت، صداقت کی گواہی دی ہے، اس سلسلے میں تفصیل تو بعد میں آئے گی لیکن اجمالاً یہاں علمائے امت کے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔ خطیب بغدادی کفایہ میں فرماتے ہیں۔

یجب النظر فی احوالهم سوی الصحابی الذی رفعه الی رسول الله صلی الله علیه وسلم لان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعدیل الله لهم واخباره

یعنی راویوں کے احوال میں نظر کرنا ضروری ہے سوائے صحابی کے جس نے آنحضورؐ کی طرف کوئی بات منسوب کی اسلئے کہ صحابہ کی عدالت ثابت اور معلوم ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اللہ نے

عن طهارتھم ۔ (ص ۴۶) انکی تعدیل کی ہے اور انکی طہارت کی خبر دی ہے۔

خطیب نے متعدد آیات سے اس بات کو ثابت کیا ہے ۔ اسکے بعد فرماتے ہیں۔

ووصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصحابۃ مثل ذالک واطنب فی تعظیمھم واحسن الثناء علیھم ۔

اور قرآن ہی کی طرح آنحضورؐ نے بھی صحابہ کا بیان کیا ہے اور انکی عظمت کے بیان میں طویل کلام فرمایا ہے اور انکی تعریف بیان کی ہے۔

اور شوکانی فرماتے ہیں ۔

اعلم ان ماذکرنا ہ من وجوب تقدیم البحث عن عدالۃ الراوی انما ھو فی غیر الصحابۃ فاما فیھم فلا ۔ لان الاصل فیھم العدالۃ فقبل روایاتھم من غیر بحث عن احوالھم حکاہ ابن الحاجب عن الاکثرین قال القاضی ھو قول السلف وجمھور الخلف وقال الجوینی بالاجماع ووجہ ھذا القول ماورد من العمومات المقتضیۃ لتعدیلھم کتاباً وسنۃ ۔

(ارشاد الفحول ص ۶۵)

یعنی یہ بات جان لینی چاہئے کہ ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ راوی کی عدالت کی بحث کو مقدم کرنا ضروری ہے وہ صحابہ کے علاوہ کیلئے ہے ۔ صحابہ کرام کی عدالت کے بارے میں بحث وتحیص کی ضرورت نہیں ہے ان کی روایت ان کے احوال سے واقفیت حاصل کئے بغیر قبول کی جائیگی ۔ ابن حاجب نے اس کو اکثر لوگوں کا مسلک بتایا ہے ، اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہی سلف کا قول ہے اور متاخرین میں سے یہی جمہور کا مسلک ہے اور جوینی نے اسکو اجماعی بات بتلایا ہے، اور اس قول کی وجہ یہ ہے کہ کتاب وسنت میں ایسے بیانات ہیں جو صحابہ کی عدالت کے مقتضی ہیں ۔

اور علامہ ابن قدامہ روضۃ الناظر وجنۃ المناظر میں فرماتے ہیں ۔

والذی علیہ سلف الامۃ وجمھور الخلف ان الصحابۃ رضی اللہ عنھم

یعنی وہ بات جس پر امت کے سلف اور جمہور متاخرین ہیں کہ صحابہ کی عدالت اللہ کی تعدیل کرنے

معلومة عدالتهم بتعديل الله وثنائه عليهم۔ قال الله تعالى السابقون الاولون وقال لقد رضي الله عنهم وقال محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار وقال النبي صلى الله عليه وسلم خير الناس قرني وقال ان الله اختارني واختار لي اصحابًا واصهارًا وانصارًا فاي تعديل اعم من تعديل علام الغيوب وتعديل رسوله صلى الله عليه وسلم (ص ٣٠١ـ٣٠٠)

اور اللہ نے جو انکی تعریف و ثنا فرمائی ہے اس سے معلوم ہے۔ ارشاد باری ہے والسابقون الاولون الآیۃ۔ نیز اللہ کا ارشاد ہے رضی اللہ عنہم الآیۃ۔ نیز اس کا ارشاد ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار الآیۃ نیز آنحضور کا ارشاد ہے خیر القرون قرنی الخ نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے چنا اور میرے لئے اصحاب و اصہار اور انصار کو چنا تو پھر اللہ علام الغیوب اور اسکے رسول کی تعدیل کے بعد اس سے صحیح تر اور کون سی تعدیل ہو سکتی ہے۔

اور اسی کتاب کے حاشیہ میں ہے۔

ان الله تعالى اثنى عليهم وكل من اثنى الله عليه فهو عدل وهذا معتقدنا فيهم الا ان يثبت بطريق قاطع ارتكاب واحد لفسق مع علمه به وذلك مما لا يثبت فلا حاجة لهم الى التعديل۔

(حاشیہ روضۃ الناظر ص ۳۰۰)

یعنی اللہ نے صحابہ کرام کی تعدیل کی ہے اور جس کی اللہ تعریف کرے وہ عادل ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں یہی ہمارا عقیدہ ہے الا یہ کہ کسی قطعی ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے کسی نے کسی فسق کا ارتکاب اسکو فسق سمجھتے ہوئے کیا ہے اور یہ بات کسی صحابی کے بارے میں ثابت نہیں اس وجہ سے انکی تعدیل کی حاجت نہیں۔

(جاری)

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کے قلم و زبان کے کچھ نمونے

محب گرامی مولانا محمد ابوبکر غازی پوری صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

زمزم کے شمارہ نمبر ۱ جلد نمبر ۵ میں مشہور اور نامور اہلحدیث عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری کی کتاب تحقیق الکلام کے بارے میں آپ نے مفصل اور دلچسپ مضمون لکھ کر ہماری معلومات میں بیش بہا اضافہ کیا، تحقیق الکلام کا بڑا چرچا سنا تھا، آپ کے مضمون نے ہمیں حیران و ششدر کر دیا، "و غلط بود آنچہ ما پنداشتیم" والی مثل صادق آئی۔

آپ نے لکھا ہے کہ یہ صاحب یعنی تحقیق الکلام کے مصنف ہمارے اکابر کے بارے میں بڑے زبان دراز تھے، کیا اس کا کچھ نمونہ آپ ان کی کتابوں سے پیش کریں گے کہ "داشتہ بکار آید" امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

والسلام

اخوکم

زین الاسلام حیدرآباد

زمزم :۔ میں نے اپنے اس مضمون میں جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے، یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ مبارکپوری صاحب ہمارے اکابر کے بارے میں "بڑے زبان دراز"

تھے، اگرچہ واقعہ یہی ہے کہ مولانا مبارکپوری صاحب کا اسلوب کلام ہمارے اکابر کے بارے میں بڑا جارحانہ وعامیانہ ہوتا ہے، مگر جو لفظ آپ نے میری طرف منسوب کیا ہے اس کا نام ونشان بھی میرے مضمون میں نہیں ہے۔

اب رہا یہ کہ مولانا مبارکپوری صاحب کا طرز تحریر واسلوب کلام ہمارے اکابر کے بارے میں بڑا جارحانہ وعامیانہ ہوتا ہے، تو یہ بات ان کی ہر کتاب میں ملے گی، آئیے میں آپ کو ان کی بہت مشہور کتاب "ابکار المنن" کی سیر کراتا ہوں، یہ کتاب مولانا مبارکپوری صاحب نے علامہ شوق نیموی کی کتاب "آثار السنن" کے جواب میں لکھی ہے، آثار السنن کتاب کے وجود میں آنے کے بعد غیر مقلدین کے حلقہ میں ہلچل مچ گئی تھی(۱)۔ خورد وکلاں سب پریشان نظر آنے لگے تھے، علامہ نیموی نے اس کتاب میں احناف کے

---

(۱) حالانکہ حضرات غیر مقلدین کی ہلچل بلاوجہ تھی، علامہ شوق نے یہ کتاب غیر مقلدین کے رد میں نہیں لکھی تھی، نہ پوری کتاب میں غیر مقلدین کے کسی اکابر کا نام آیا ہے، نہ کہیں دور ونزدیک سے ان سے ادنیٰ سا تعرض کیا گیا ہے، اس کتاب میں علامہ شوق نیموی نے احادیث وآثار سے احناف کے مستدلات کو سلیقہ سے جمع کر دیا ہے، اور ہر حدیث پر محدثانہ نظر ڈال کر گفتگو کی ہے، اور اس کی تعلیق میں ان کے مستدلات پر جو دوسرے علماء فقہ کی طرف سے اعتراض ہوتے ہیں ان کا جواب علمی انداز میں دیا ہے، مگر غیر مقلدین کے علماء کو اس کتاب سے بڑی پریشانی لاحق ہوئی، اور انکو یہ گوارا نہیں ہوا کہ کوئی حنفی عالم اپنے مسلک کے مستدلات کو جمع کرے، حالانکہ اگر کسی کو پریشانی ہونی چاہئے تھی تو شوافع کو ہوتی، مالکیہ کو ہوتی، حنابلہ کو ہوتی، اس لئے کہ فقہ حنفی کو انھیں تینوں فقہوں سے ہمسری ہے، غیر مقلدین کا مذہب وعقیدہ اور ان کا وجود تو ابھی ابھی چار دن کی بات ہے، علامہ شوق نیموی کو کیا غرض تھی کہ ان کو منہ لگائیں، مگر غیر مقلدین نے زبردستی اس کتاب کو اپنے خلاف سمجھا، اور اس کے جواب کے درپے ہوئے اور زبان وہ استعمال کی کہ اللہ کی پناہ۔

مستدلات کو بہت مضبوطی سے ذکر کیا ہے، اور طرز تحریر بھی محدثانہ اختیار کیا ہے، یہ مخالف حلقہ وہ تھا جس نے زبردستی اس کتاب کو اپنے خلاف باور کیا، حالانکہ اس حلقہ کا اس فسانہ میں کہیں دور دور تک بھی ذکر نہیں تھا، مگر احناف کے دلائل کالعدم کیسے قرار دیئے جائیں غیر مقلدین کو اس کی بڑی فکر رہتی ہے، اور مبارکپوری صاحب کی تو پوری زندگی ہی احناف کے رد و ابطال میں گزری تھی،

پٹنہ میں مشورہ ہوا، اکابر غیر مقلدین جمع ہوئے اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب کو اس کتاب کے رد کا کام سپرد کیا گیا، مولانا عبدالرحمٰن صاحب بھی اس کتاب سے بڑی ضیق میں تھے، مزاج چڑچڑایا ہوا تھا، مولانا نے ابکار المنن کے نام سے اس کا جواب لکھنا شروع کیا، مولانا عبدالرحمٰن کے مزاج کی چڑچڑاہٹ اس کتاب میں جگہ جگہ ظاہر ہے، اور ظاہر ہے کہ جب مزاج برافروختہ ہو تو زبان کہاں قابو میں رہے گی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے اس کتاب میں علامہ شوق کے بارے میں جس اسلوب تحریر کو اپنایا ہے اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) نیموی جاہل یا متجاہل

علامہ شوق نیموی کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

ولا يقوله الا جاهل عن الاصول او متجاهل، (ص ۲۳)

(ابکار کا نیا ایڈیشن طبع جامعہ سلفیہ بنارس)

یعنی یہ بات یا تو اصول سے جاہل کہے گا یا جو جان بوجھ کر جاہل بنا ہو وہ کہے گا۔

علامہ نیموی نے کون سی ایسی بات کہدی ہے کہ مولانا مبارکپوری صاحب اتنے برہم ہیں، تو وہ صرف یہ ہے کہ علامہ نیموی نے ایک حدیث کی سند کو مضطرب کہا ہے، اور وہ سند حافظ ابن حجر کی تحقیق میں بھی مضطرب ہے، اگرچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سند کا یہ اضطراب حدیث میں کوئی خرابی نہیں پیدا کرتا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ان هذا ليس اضطرابا قادحا۔ یعنی اس اضطراب سے

حدیث میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی ہے۔ علامہ شوق فرماتے ہیں کہ جب سند میں اضطراب ہے، تو بہرحال یہ دلیل ہے کہ راوی ضابط نہیں تھا، اور اصولاً یہ حدیث ضعیف ہوئی۔

یعنی علامہ شوق نیموی کا مناقشہ جو کچھ ہے حافظ ابن حجر کے ساتھ ہے، جو خود مقلد ہیں مگر پریشانی غیر مقلد صاحب کو ہو رہی ہے، اور علامہ شوق کو جاہل اور متجاہل ہونے کا حکم صادر کیا جا رہا ہے۔

(۲) نیموی نے اپنی جہالت کی وجہ سے تعجب کیا ہے۔

مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں:

قلت ولو تعجب النیموی ..... فلا عجب فان الجاهل لجهالته

ربما یتعجب علی الخبیر ویطعن علیه (ص۳۲)

میں کہتا ہوں، یعنی اگر نیموی کو تعجب ہوا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جاہل کو عام طور پر اس کی جہالت کی وجہ سے باخبر کی بات سے تعجب ہوتا ہے اور وہ اس پر طعن کرتا ہے۔

اندازہ لگائیے لہجہ کی سختی اور شوخی کا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مبارکپوری صاحب جلے بھنے بیٹھے ہیں اور قلم کو بالکل بے لگام کر دیا ہے۔

بات صرف اتنی ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے ایک حدیث کو جید الاسناد کہا ہے، علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جید الاسناد کیسے ہوگی مع انہ مضطرب المتن جداً، جب کہ وہ متن کے اعتبار سے بہت زیادہ مضطرب ہے۔ وفی رفعه نظر، اور اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے، یعنی علامہ نیموی خالص اصولی اور محدثانہ گفتگو کر رہے ہیں، اور انکی گفتگو یحییٰ بن معین سے ہے، اور بخار چڑھ رہا ہے مبارکپوری صاحب کو، اور علامہ نیموی کے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔

(۳) علامہ نیموی پر کذب صریح کی تہمت

ایک جگہ علامہ نیموی ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ خالد بن ابی نوف

نے سلیط سے حدیث کو نہیں روایت کیا ہے بلکہ خالد اور سلیط کے بیچ میں محمد بن اسحٰق ہے۔
اس پر مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں ۔

واما قوله: بل بينهما محمد بن اسحٰق ادعاء محض لا دليل عليه بل هو عندي كذب صريح ۔ (ص ۵۲)

یعنی نیموی کا یہ کہنا کہ ان دونوں کے درمیان محمد بن اسحٰق ہے محض دعویٰ ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ میرے نزدیک صریح جھوٹ ہے ۔

مولانا مبارکپوری صاحب نے علامہ شوق کو یہاں صریح جھوٹ سے متہم کیا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ مبارکپوری صاحب کا یہ شور وغوغا بلا وجہ ہے، اولاً تو یہ شوق نیموی کسی غیر مقلد سے نہیں اُلجھ رہے ہیں، ان کی گفتگو خالص اصولی ہو رہی ہے، دوسرے یہ کہ جو بات علامہ نیموی نے کہی ہے وہی بات کسی نہ کسی درجہ میں حافظ ابن حجر نے بھی کہی ہے، حافظ ابن حجر زیر بحث حدیث کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں۔ قیل بینهما محمد بن اسحٰق یعنی کہا گیا ہے کہ ان دونوں راوی کے بیچ میں محمد بن اسحٰق ہے، گرچہ حافظ ابن حجر نے اس کو قیل سے بیان کیا ہے مگر اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ محدثین کا ایک گروہ اس کا بھی قائل تھا تو اس واشگاف حقیقت کے باوجود مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا کہ علامہ شوق نے صریح جھوٹ بولا ہے کس قدر ظلم ہے ۔

(۴) نیموی نے غفلت میں بکواس کی ۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے ۔

قد غفل النيموي وتفوه في غفلته ما تفوه ۔ (ص ۳)

یعنی نیموی غفلت کا شکار ہوئے اور جو کچھ بکا ہے اسی غفلت میں بکا ہے ۔

حالانکہ نیموی اگر غفلت کا شکار ہوئے ہیں تو جو بات نیموی نے کہی ہے وہی بات حافظ ذہبی نے بھی کہی ہے تو وہ بھی غفلت کا شکار ہوئے، اور اگر نیموی کا کلام بکواس ہے تو حافظ ذہبی کا کلام بھی بکواس ہے۔

ناظرین حیران ہوں گے کہ وہ کون سی بات ہے جس پر مولانا مبارکپوری صاحب اس قدر خشمگین ہیں۔ کیا نیموی نے کسی غیر مقلد کو برا بھلا کہا ہے، یا جماعت اہلحدیث کے کسی عالم پر کوئی اعتراض کیا ہے: جی نہیں یہ سب کچھ نہیں ہے، علامہ نیموی نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ مشہور تابعی ابن سیرین نے حضرت عبداللہ بن عباس سے حدیث سنی ہے اور دلیل میں حافظ ذہبی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ سمع محمد اباھریرۃ وعمران بن حصین وابن عباس وابن عمر وطائفۃ۔ یعنی محمد بن سیرین نے حضرت ابوہریرہ حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور صحابہ کی ایک جماعت سے حدیث سنی ہے۔

یہ ہے علامہ شوق کی بات اس پر مبارکپوری صاحب برہم ہیں کہ نیموی نے یہ کیوں کہا کہ محمد بن سیرین نے ابن عباس سے سنا ہے۔

حالانکہ مبارکپوری صاحب کو تو حافظ ذہبی پر اپنا غصہ اتارنا چاہئے تھا، علامہ نیموی تو حافظ ذہبی کی بات کے ناقل ہیں، اور انھوں نے اپنی تحقیق میں حافظ ذہبی پر اعتماد کیا ہے۔

(۵) علامہ نیموی پر خیانت کا الزام۔

علامہ شوق نیموی نے مسند بزار کی ایک حدیث تیمم کے سلسلہ کی نقل کی ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے، علامہ شوق نے حافظ ابن حجر کے اس کلام سے اس حدیث کی سند کے حسن ہونے پر استدلال کیا ہے، اس پر مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں:

قلت قد خان النیموی فی نقل کلام الحافظ من الدرایۃ فلم ینقل بتمامہ بل نقل بقدر ما ینفعہ (ص۲۲۳)

یعنی میں کہتا ہوں کہ نیموی نے حافظ کے کلام کو درایہ سے نقل کرنے میں خیانت کی ہے، انھوں نے پورا کلام نقل نہیں کیا ہے بلکہ صرف اتنا نقل کیا ہے جو ان کیلئے مفید ہے۔

جب کہ مبارکپوری صاحب نے حافظ کا جو پورا کلام نقل کیا ہے اس میں صاف موجود ہے کہ اخرجه البزار باسناد حسن یعنی بزار نے اس کو حسن سند سے ذکر کیا ہے۔

اس میں خیانت کا دور دور تک نشان نہیں ہے، مگر مبارکپوری صاحب کو اس میں خیانت نظر آرہی ہے، رہا یہ کہ حافظ نے اس کے بعد یہ کہا ہے کہ اسکو ابوداؤد نے اس طرح نقل کیا ہے اور فلاں حدیث میں فلاں بات ہے تو علامہ نیموی کو اس سے غرض نہیں تھی وہ تو صرف یہ بتلا رہے ہیں کہ تیمم میں دو دفعہ ہاتھ مارنے کی حدیث کے بارے میں بزار کی سند کو حافظ نے حسن کہا ہے، اور اس بارے میں جو حافظ نے کہا ہے وہی نقل کیا ہے تو خیانت کی تہمت لگانا سراسر زیادتی ہے،

(۶) نیموی بدفہم۔

علامہ نیموی نے ابن خزیمہ کی روایت جس میں ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا تو آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر رکھکر سینہ پر رکھا، کے بارے میں لکھا ہے کہ وفی اسنادہ نظر، اس کی سند میں نظر ہے اور علی صدرہ سینہ پر ہاتھ رکھنے والی بات محفوظ نہیں ہے۔

تو اس پر مبارکپوری صاحب کو غصہ آگیا کہ نیموی نے اس کی سند کو ضعیف کیوں کہا اور سینہ پر ہاتھ رکھنے والی بات کو غیر محفوظ کیوں کہا، اور پھر علامہ نیموی کے بارے میں یوں گہر افشانی کی۔

قلت: قول النیموی فی اسنادہ نظر مبنی علی سوء فہمہ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ نیموی کا یہ کہنا کہ اس کی سند میں نظر ہے انکی بدفہمی پر مبنی ہے۔

حالانکہ ابن قیم بھی وہی فرماتے ہیں جو علامہ شوق نیموی فرماتے ہیں، اور دور حاضر کے امام غیر المقلدین الشیخ محمد ناصر الدین بھی وہی فرماتے ہیں جو علامہ شوق فرماتے ہیں، اب کوئی بتلائے کہ بدفہم کون ہے علامہ شوق نیموی یا کوئی اور۔

اس حدیث کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے جو ضعیف ہے، اور علی صدرہ کی زیادتی کو نقل کرتا ہے، مسلم شریف میں بھی حضرت وائل کی صحیح سند سے یہ روایت ہے

جس میں علی صدرہ کا لفظ نہیں ہے، یعنی علی صدرہ کی زیادتی صرف مؤمل نقل کرتا ہے، کسی اور سند میں یہ لفظ نہیں ہے۔

اور مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں محدثین کیا فرماتے ہیں وہ بھی سن لیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے، سب کو معلوم ہے کہ جب امام بخاری کسی کے بارے میں یہ لفظ استعمال کریں تو محدثین کے نزدیک وہ راوی سخت مجروح ہوتا ہے، یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں کہ یجب علی اهل العلماء ان یقفوا عن حدیثه فانه یروی المناکیر۔ یعنی اہل علم پر واجب ہے کہ اس کی حدیث سے توقف کریں اسلئے کہ وہ منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ اور محمد بن نصر المروزی فرماتے ہیں، المؤمل اذا انفرد بحدیث وجب ان یتوقف ویتثبت فیه لانه کان سئ الحفظ کثیر الخطا یعنی جب مؤمل کسی حدیث کو تنہا بیان کرے تو ضروری ہے کہ اس میں توقف کیا جائے اور احتیاط برتی جائے اس لئے کہ وہ برے حافظ والا اور بہت زیادہ غلطی کرنے والا ہے۔ (کذا فی تھذیب التھذیب ج ۱۰ ص ۳۸۱ از اعلاء السنن)

اب اگر ایسی حدیث کے راوی کے بارے میں علامہ شوق نیموی فرمائیں کہ فی اسنادہ نظر کہ اس کی سند میں نظر ہے تو اس کو بدفہمی پر محمول کرنا اور سوء فہم کا طعنہ دینا کہاں کا انصاف ہے۔

(۷) نیموی شیطانی وسوسہ کا شکار ہوئے ہیں۔

علامہ شوق رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں جس کا اوپر ابھی تذکرہ ہوا یہ تحقیق پیش کی ہے کہ اصل لفظ هذہ علی هذہ تھا جس کو کاتب نے غلطی سے یضعہا علی صدرہ کے لفظ سے کتابت کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ والصحیح یضع هذہ علی هذہ کما ینا سبه قوله، وهف یحیی الیمنی علی الیسری فوق المفصل ویوافقه سائر الروایات۔

یعنی میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے، اور صحیح لفظ یضع هذہ

علیٰ صدرہ نہیں ہے بلکہ یضع ھذہ علیٰ ھذہ ہے۔ یحییٰ نے اس حدیث کی شرح میں یہ کہا ہے کہ الیمنیٰ علی الیسریٰ فوق المفصل یعنی داہنا ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھا یہ کلمہ اس شرح کے مناسب ہوگا اور تمام روایتوں میں توافق بھی پیدا ہوجائے گا۔

اس پر مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں۔

فھو من وسوسۃ الشیطان فعلیہ ان یستعیذ باللہ من الشیطان الرجیم

یعنی یہ شیطانی وسوسہ ہے، نیموی پر ضروری ہے کہ وہ شیطان مردود سے پناہ مانگے (ص۲۲)

اب آپ دیکھیں کہ شیطانی وسوسہ کا کون شکار ہوا ہے، تو مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ کی جو سند ہے وہ بعینہ وہی سند ہے جو مسلم شریف کی ہے اور مسلم شریف کی سند میں مؤمل بن اسماعیل نہیں ہیں جس کو لے کر نیموی نے اعتراض کیا ہے۔ اور علی صدرہ کی زیادتی کو غیر محفوظ کہا ہے۔

مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں :

فالظاہر ان حدیث وائل بزیادۃ «علی صدرہ» فی صحیح ابن خزیمۃ بھذا السند۔ یعنی ظاہر یہی ہے کہ وائل کی حدیث میں علی صدرہ کی زیادتی صحیح ابن خزیمہ میں اسی (مسلم والی) سند سے ہے۔

اب سنئے کہ ابکار کا محقق اور معلق جو خود ایک بڑا فاضل غیر مقلد ہے وہ کیا کہتا ہے وہ لکھتا ہے :

لیس الامر کذالک، یعنی بات وہ نہیں ہے جو مبارکپوری صاحب فرمارہے ہیں، مسلم کی سند الگ ہے اور صحیح ابن خزیمہ کی سند الگ ہے۔ مسلم کی سند میں مؤمل بن اسماعیل نہیں ہے اور صحیح ابن خزیمہ کی سند میں مومل بن اسماعیل ہے، معلق کی پوری عبارت یہ ہے۔

ولیس الامر کذالک، بل اسنادہ ھکذا (ابوبکر وابن خزیمۃ) ابوموسیٰ نا مؤمل، سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر،

یعنی بات وہ نہیں ہے جو مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں، بلکہ اس کی سند یہ ہے، ابو بکر (ابن خزیمہ) ابو موسیٰ مؤمل، سفیان، عاصم بن کلیب، کلیب عن وائل بن حجر۔

پھر محقق صاحب فرماتے ہیں۔ ومناقشۃ المؤلف لیس یبنی علی الصواب۔ (ص ۱۵)
یعنی مؤلف کا یہ مناقشہ (یعنی نوک جھونک) صواب پر مبنی نہیں ہے۔

اب بتلایا جائے کہ شیطانی وسوسہ کا شکار کون ہوا ہے، محقق نیموی یا محدث مبارکپوری۔ مبارکپوری صاحب نے علامہ شوق کا مذاق اڑانے کے لئے اس جگہ عربی کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

فکم من عائب قولاً صحیحًا وآفتہ من الفہم السقیم

یعنی بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو صحیح بات پر ناراض ہوتے ہیں۔ اور انکی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ انکی سمجھ بیمار ہوتی ہے۔

اب ناظرین خود فرمائیں کہ یہ شعر کس پر چسپاں ہو رہا ہے، محقق نیموی پر یا محدث مبارکپوری پر۔

(۸) مولانا مبارکپوری صاحب نے اپنی کتاب ابکار المنن شائع کرنے سے پہلے اس کا ایک اشتہار شائع کیا تھا، جس کا عنوان رکھا تھا اعلام اھل الزمن، اس کے صفحہ دو پر حضرت نیموی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مؤلف نے (یعنی محدث نیموی نے) اپنی اس کتاب (آثار السنن) میں عمداً وقصداً وہ چالاکیاں اور بے باکیاں کی ہیں کہ الایمان والحفیظ۔

مزید ارشاد ہوتا ہے۔

جس شخص کی معلومات کا دائرہ اتنا تنگ ہو اس کی کتاب سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے یا ضرر (ایضاً ص ۵)

ابکار میں جگہ جگہ علامہ نیموی کو متعصب، جاہل، خائن دکھلایا گیا ہے، خیر یہ نمونے تو ہم نے حضرت نیموی کے بارے میں مبارکپوری صاحب کے پیش کئے ہیں، تمام احناف کو

مبارکپوری صاحب کس طرح مخاطب کرتے ہیں، تو ایک جگہ اس بحث میں کہ پاؤں سے پاؤں کو ملا کر کھڑا ہونا چاہئے، مبارکپوری صاحب تمام احناف پر اس طرح چوٹ کرتے ہیں۔

(۹) احناف کے خلاف مبارکپوری صاحب کی زبان کا نمونہ۔

قلت هكذا احال اكثر الناس فى هذا الزمان فانهم لو فعل بهم ذلك فنفروا كانهم حمر وحش وصارت هذه السنة عندهم كانها بدعة (ص۹۵)

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہی حال ہمارے اس زمانہ کے اکثر لوگوں کا ہے، اگر ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر کھڑا ہو یا جاتا ہے تو وہ اس طرح بدکتے ہیں جیسے جنگلی گدھے ہیں، اور یہ سنت ان کے نزدیک بدعت ہے۔

حالانکہ کسی حدیث میں پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونے کا بیان نہیں ہے، بلکہ کندھے کو کندھے کے مقابل کر کے کھڑے ہونے کا بیان ہے، اور دو آدمی اس طرح کھڑے ہوں کہ بیچ میں شگاف نہ رہے، اس کا بیان ہے۔

(۱۰) ایک جگہ احناف کے مذہب کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وهذا احد مسالكهم الضعيفة المردودة التى ردتها الاحاديث الصحيحة الصريحة (ص۲۰۸)

یعنی یہ احناف کے ضعیف اور مردود مسلکوں میں سے ایک ہے جن کو صحیح اور صریح حدیث نے رد کر دیا ہے۔

یہ تلک عشرۃ کاملۃ کے پیش نظر ان کی صرف ایک کتاب سے دس مثالیں پیش کی گئی ہیں، ورنہ مولانا مبارکپوری کی کتابیں عام طور پر اس طرح کے کلمات شنیعہ سے بھری ہوئی ہیں۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد ابوبکر غازی پوری

پہلی قسط

کتاب و سنت، اقوال صحابہ و اقوال ائمہ سے قیاس شرعی کا ثبوت
خطیب بغدادی کے کلام کی روشنی میں

خطیب بغدادی کی بہت مشہور کتاب " الفقہ والمتفقہ " ہے، جس میں انہوں نے فقہ و اہل فقہ اور فقہ کا علم سیکھنے سکھانے، پھر اس کے چاروں دلائل اور اسکے علاوہ اس علم فقہ سے متعلق بہت ساری جزئیات کے بارے میں مفصل گفتگو کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب فقہ کے سلسلہ میں معلومات کا ایک خزانہ ہے، اس کتاب میں خطیب نے صحیح قیاس کے مشروعیت اور اس کے لازم العمل ہونے پر بھی کتاب و سنت اور آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں بہت مفصل گفتگو کی ہے۔(۱)

اس کتاب میں قیاس و رائے کی مشروعیت اور اس پر عمل کے لازم ہونے کے سلسلہ میں خطیب نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے جو استدلال کیا ہے اس کو ناظرین زمزم کیلئے اس قسط میں اپنے الفاظ میں پیش کر رہا ہوں۔

---

(۱) یہ کتاب باریک ٹائپ میں چار سو صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے اور اس کے صفحات بھی عام کتابوں کے صفحات سے سائز میں بڑے ہیں، میرے پاس اس کا دار الکتاب العلمیہ بیروت والا نسخہ ہے۔

قیاس کا ثبوت قرآن پاک سے

خطیب نے پہلا استدلال اس بارے میں قرآن پاک کی اس آیت سے کیا ہے۔
خدا کا ارشاد ہے۔ یَاأَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ۔ یعنی اے ایمان والو تم لوگ حالت احرام میں شکار مت کرو، سو جس نے کسی جانور کا تم میں سے اس حال میں شکار کیا تو اس کو جس طرح کا اس نے جانور شکار کیا ہے اس کا تاوان اسی طرح کا ادا کرنا ہوگا۔

خطیب فرماتے ہیں کہ اللہ نے یہ تو صاف صاف فرمادیا ہے کہ حالتِ احرام میں اگر کسی نے شکار کیا تو اس کا تاوان دینا ہے، مگر یہ تاوان کیا ہوگا اس پر اللہ کی طرف سے کوئی صریح بات نہیں کہی گئی ہے، اس جانور کے مماثل تاوان کے معلوم کرنے کا طریقہ سوائے اجتہاد اور قیاس کے کوئی دوسرا نہیں ہے، پس یہ آیت قیاس و اجتہاد کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

(۲) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فاسق کی شہادت کو مردود قرار دیا ہے اور قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ کسی آدمی کی عدالت کا معیار کیا ہے کہ جس سے وہ فاسق کے درجہ سے نکل کر عادل قرار پائے اور اس کی شہادت قابلِ قبول ہو، کسی آدمی میں کچھ گناہ کا پایا جانا اس کے فاسق ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ بقول خطیب، کوئی آدمی (انبیاء علیہم السلام کے علاوہ) ایسا نہیں ملے گا جو معصیت سے بالکل محفوظ ہو، پس معلوم ہوا کہ یہ معلوم کرنے کیلئے کہ عادل کون ہے اور فاسق کون ہمارے پاس ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہم آدمی کے احوال کا جائزہ لیں اور جس شخص میں معصیت کا پہلو زیادہ ہو اس کو فاسق قرار دیں اور جس شخص میں طاعات زیادہ ہوں اس کو عادل قرار دیں، یعنی کسی کے فاسق ہونے کا فیصلہ اس کے حالات کا جائزہ لیکر رائے و قیاس ہی سے ہوگا۔

(۳) اسی طرح سے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ، یا قرآن میں یہ آیت ہے کہ ما فرطنا فی الکتاب من شئی ، دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا دین مکمل ہے ، اور کتاب اللہ میں ہر چیز کا بیان ہے ، اللہ نے دین کے سلسلہ کی کسی بات کو چھوڑا نہیں ہے ۔

مگر قرآن پاک میں دین کے سلسلہ کی ساری جزئیات نہیں ہیں ، اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے امت کو ساری جزئیات سے باخبر کیا ہے ، اور ان جزئیات جانے بغیر اس پر عمل نہیں ہو سکتا اور بغیر جزئیات کے علم کے دین کے کامل ہونے کا علم ممکن نہیں ہے ، تو اب ان جزئیات کے جاننے کا طریقہ سوائے اجتہاد و قیاس کے ذریعہ مسائل کے استخراج و استنباط کے اور کوئی دوسرا نہیں ہے ، اس سے معلوم ہوا کہ قیاس والے کے بغیر پورے دین پر عمل ممکن نہیں ہے ۔

(۴) قرآن پاک میں ہے ۔ فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ و رسولہ یعنی اگر تم لوگوں کے بیچ کسی دینی و شرعی مسئلہ میں اختلاف ہو تو معاملہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف لیجاؤ ۔

خطیب فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کی طرف معاملہ کو لیجانے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ۔ (۱) یا تو وہ مسئلہ کتاب و سنت میں منصوص ہوگا ، اگر یہی شکل ہے تو پھر اس کا کوئی مطلب نہیں ہے کہ اللہ و رسول کی طرف لیجاؤ ۔ (۲) یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کو ان چیزوں کی طرف لیجاؤ جو ان چیزوں کے مشابہ اور ان کی نظیر نہیں ہیں ، اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور نہ ایسا کرنا جائز ہے ۔ (۳) تیسرا مطلب یہ ہے کہ پیش آمدہ واقعہ کی کتاب و سنت میں جو اس کے مشابہ مسئلہ ہے اس کی طرف اس نئے حادثہ کو رد کرکے اس کا حکم معلوم کرو اور چونکہ پہلے دونوں معنوں کا مراد لینا فاسد ہے اس وجہ سے یہی تیسرا معنی متعین ہے ، اور اسی رد النظیر الی النظیر کا نام فقہاء کی اصطلاح میں قیاس ہے ۔

قیاس ورائے کا ثبوت سنت رسول اللہ سے

پھر خطیب نے قیاس کا اثبات سنت سے کیا ہے، اور اس سلسلہ میں پہلی حدیث حضرت معاذؓ والی ذکر کی ہے۔

ابوعون ثقفی فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ کے شاگردوں نے جن کا تعلق شہر حمص سے تھا حضرت معاذ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان سے پوچھا کہ معاذ تم فیصلہ کس طرح کروگے ؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، حضورؐ نے ان سے کہا کہ اگر تم مسئلہ کا حکم کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو کس طرح فیصلہ کروگے ؟ تو انھوں نے عرض کیا میں سنت رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا اگر تم کو وہ حکم سنت رسول اللہ میں بھی نہ ملے تو کس طرح فیصلہ کروگے ؟ تو حضرت معاذ نے جواب دیا اجتھد برائی ولا آلو، میں امکان بھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ میرا یہ جواب سن کر آپ نے خوشی میں دست مبارک سے میرا سینہ تھپتھپایا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔

خطیب نے اس حدیث کو متعدد سندوں سے نقل کیا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ اگر قیاس کا مخالف یہ اعتراض کرے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس کے روایت کرنے والے حضرت معاذ کے مجہول شاگرد ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت حارث بن عمرو کا یہ قول ، عن اناس من اصحاب معاذ ، یعنی مجھ سے حضرت معاذ کے متعدد شاگردوں نے اس حدیث کو بیان کیا ہے ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث مشہور تھی اور اس کے روایت کرنے والے حضرت معاذ کے بہت سے شاگرد تھے، پھر ہمیں حضرت معاذ کا فضل اور ان کا زہد معلوم ہے، ان کے شاگردوں کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب دیندار، فقہاء اور اصحاب زہد و صلاح تھے، اس لئے

ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضرت معاذ کی طرف غلط بات منسوب کریں گے
نیز اسی حدیث کو حضرت عبد الرحمن بن غنیم نے اور ان سے عبادہ بن نسی نے روایت کیا ہے
اور یہ سند متصل ہے اور اس سند کے تمام راوی معروف اور ثقہ ہیں، اور تیسری بات
یہ ہے کہ اہل علم نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس سے قیاس کے مشروع ہونے پر دلیل
پکڑی ہے، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے، اس کی مثال ایسی ہے
جیسا کہ حدیث میں ہے ۔ لا وصية لوارث یعنی وارث کیلئے وصیت نہیں ہے، یا یہ حدیث
هو الطهور ماءه و الحل ميتته یعنی سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مرا ہوا
پاک ہے ۔ یا آنحضور کی یہ حدیث اذا اختلف المتبايعان في الثمن والسلعة
قائمة تحالفا وترادا البيع، یعنی بیع وشرا کرنے والے سامان کی قیمت کے بارے میں
الگ الگ بات کہیں اور سامان موجود ہے تو دونوں سے قسم لی جائے گی، اگر دونوں نے قسم
کھالی تو سامان والا اپنا سامان واپس لے گا اور قیمت والا اپنی قیمت واپس لیگا ۔

اسی طرح سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ دیت عاقلہ پر ہے[1] ۔

خطیب فرماتے ہیں کہ یہ تمام حدیثیں سند کے اعتبار سے ثابت نہیں ہیں، لیکن ان
احادیث کو محدثین کے جم غفیر نے جم غفیر سے نقل کیا ہے، اور امت نے اسکو قبول کیا ہے ۔
محدثین کا ان احادیث کو جم غفیر سے نقل کرنا اور امت کا انھیں قبول کر لینا یہی ان کے صحیح ہونے
کی دلیل ہے، اب اس کے بعد ان کے سندوں کی صحت کے ثبوت کی ضرورت نہیں رہ جاتی
ہے، اسی طرح سے حضرت معاذ والی حدیث کا قصہ ہے کہ جب فقہاء و محدثین نے اس
روایت سے احتجاج کیا ہے تو اب اس کی سند دیکھنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی اور
اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا ۔

پھر خطیب فرماتے ہیں کہ :

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت معاذ کی حدیث خبر احاد سے ہے اور خبر واحد سے اس مسئلہ میں حجت پکڑنا درست نہیں ہے، تو ہم کہیں گے یہ حدیث آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لاتجتمع امتی علی الضلالۃ (میری امت گمراہی پر نہیں جمع ہو سکتی ہے) سے زیادہ مشہور ہے اور زیادہ ثابت ہے، پھر جب مخالف لاتجتمع والی حدیث سے اجماع کے ثبوت پر استدلال کرتا ہے تو اس حدیث سے قیاس کے ثابت اور حجت شرعی ہونے پر استدلال کرنا زیادہ اولیٰ ہوا۔

اور دوسرا جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ اس مسئلہ میں خبر واحد سے استدلال جائز ہے۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خبر واحد سے بہت سے مسائل شرعیہ کو ثابت کیا جاتا ہے، اور کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے میں، حدود قصاص میں نکاح وطلاق میں وغیرہ مسائل میں خبر واحد سے دلیل لائی جاتی ہے، تو پھر خبر واحد سے قیاس کا ثابت ہونا تو اور بھی اولیٰ ہے، اس لئے کہ قیاس کے ذریعہ سے ان مسائل کو جانا جاتا ہے، یعنی قیاس ان مسائل شرعیہ کے جاننے کا ذریعہ اور ایک طریقہ ہے۔ اور مسائل ہی اصل مقصود ہوتے ہیں تو جب خبر واحد سے اصل مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے تو اس سے اس چیز کو جو ان مسائل مقصودہ کا ذریعہ ہے اور وسیلہ خبر واحد سے کیوں نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس میں کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

قیاس کے ثبوت کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم اپنے فیصلہ میں اجتہاد کرتا ہے تو اگر اس کا فیصلہ غلط ہے تو وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر اس کا فیصلہ ٹھیک ہوتا ہے تو اللہ کی طرف سے اسکو دو اجر ملتا ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد اور رائے کا استعمال کرنا جائز ہے اور شریعت کی طرف سے حاکم کو اس کا حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے حتیٰ کہ اگر اس کا فیصلہ غلط بھی ہوتا ہے تو بھی وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ خطا کرنے والے حاکم کو اجر ملنے کا جواز کیا ہے اور کیوں اسے اجر ملے گا بلکہ وہ تو ایک طرح سے گناہ کا مرتکب ہوا ہے کہ اس نے اپنے اجتہاد میں سستی کی ہے اور پوری توانائی نہیں صرف کی ہے جب ہی تو اس نے غلط فیصلہ کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حاکم کو اس کے غلط فیصلہ کرنے پر اجر نہیں ملا ہے بلکہ اس نے جو اجتہاد کیا ہے اس پر اجر ملا ہے، فیصلہ میں اس نے عمداً غلطی کا ارتکاب نہیں کیا ہے، اسلئے اس کی غلطی تو اللہ کی طرف سے معاف ہے، مگر اس نے غور و فکر کرنے میں اپنی جو ذاتی اور ذہنی قوت صرف کی ہے یہ اجر اس کی اسی محنت کا نتیجہ ہے، اور جس کا فیصلہ صحیح ہوا تو اس کو ایک اجر اجتہاد کا ملا اور ایک اجر صحیح فیصلہ کرنے کا ملا۔

خطیب نے رائے واجتہاد کے ثبوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ سعید بن المسیب حضرت علی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہت سی چیزیں آپ کے بعد پیش آئیں گی، جن کا حکم نہ قرآن میں ہوگا اور نہ آپ کی احادیث میں تو ہم کیا کرینگے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ اس کیلئے میری امت کے صالحین وعابدین کو غور وفکر کیلئے جمع کرو اور ان سے مشورہ کرکے ان کا فیصلہ کرو، اور اس بارے میں کسی ایک کی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

حضرت علی ہی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیاس کے ذریعہ حق کو اہل بصیرت واولوالالباب جان لیتے ہیں۔

خطیب بغدادی نے اسی سلسلہ میں حضرت عمر کی یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک روز میرے اوپر نشاط زیادہ طاری تھا، میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا، میں نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم دریافت کیا کہ روزہ باقی رہا یا بوسہ لینے سے روزہ ختم ہوگیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ تبلاؤ کہ اگر تم منہ میں پانی لے کر کلی کرو تو تمہارا روزہ باقی رہے گا یا ختم ہو جائیگا؟

تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اس سے تو میرے روزہ کو کچھ نقصان نہیں پہونچے گا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اسی طرح حالتِ روزہ میں بوسہ کا بھی حکم ہے۔

خطیب اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کو اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ حالتِ روزہ میں بیوی کا بوسہ لینا ممنوع ہے، اسی وجہ سے انھوں نے اس عمل کو ایک بڑا گناہ خیال فرمایا، اسلئے آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ حضور سے معلوم فرمائیں کہ حالتِ صوم میں بیوی کا بوسہ لینا جائز ہے یا ناجائز ہے، اسلئے کہ اس کا ناجائز ہونا تو ان کے علم میں تھا جبھی تو اسکو بڑا گناہ سمجھا، وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلئے تشریف لائے تھے کہ یہ معلوم کریں کہ اس کی وجہ سے ان پر کفارہ کیا واجب ہوگا۔

خطیب فرماتے ہیں کہ بیوی کا بوسہ لینا ممنوع ہے اس کے بارے میں نہ کتاب اللہ میں کوئی بات تھی نہ اللہ کے رسول کی سنت میں اس کا کوئی حکم تھا، اس فعل کی ممنوعیت کو حضرت عمر نے اپنے اجتہاد اور اپنی رائے سے جانا تھا، انھوں نے اس کو وطی پر قیاس کیا تھا کہ چونکہ وطی میں عورت سے لذت حاصل کرنا ہوتا ہے اور بوسہ سے لذت حاصل ہوتی ہے اور چونکہ وطی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے بوسہ لینے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، تو دونوں کا حکم ایک ہوگا، اس قیاس کے ذریعہ سے حضرت عمر کو حالت صوم میں بوسہ کی حرمت کا علم ہوا تھا، لیکن جب انھوں نے اس مسئلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رکھا تو حضورؐ نے بتلایا کہ تمہارا یہ اجتہاد غلط ہے اور بوسہ کو عورت کے ساتھ جماع کرنے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ حالتِ صوم میں بوسہ لینا اس طرح کا معنیٰ رکھتا ہے جس طرح آدمی نے پانی کو منہ میں لیکر کلی کر دیا، اگر پانی پیٹ میں پہونچے تو روزہ ٹوٹتا ہے صرف منہ کے ظاہر حصہ میں پانی لگنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جس طرح آدمی کی شرمگاہ اگر عورت کے ظاہر حصہ پر لگے تو اس سے وطی کا معنیٰ نہیں پایا جاتا۔

سلمان بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب

کسی کو کسی لشکر کا امیر بنا کر بھیجتے تو اس کو کچھ وصیت فرماتے مثلاً تقویٰ اختیار کرنے کی اور مسلمانوں کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرنے کی، اور آخر میں یہ بھی فرمایا کرتے کہ جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تم سے صلح کی بات کریں تو ان سے اللہ کے حکم پر کوئی عہد مت کرنا بلکہ اپنی رائے اور اپنی صوابدید کے مطابق تم ان سے معاملہ کرنا، اس حدیث سے بھی رائے واجتہاد کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ اگر دینی امور میں رائے وقیاس سے کام لینا جائز امر نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امراء کو اپنی رائے واجتہاد سے کام لینے کا حکم نہ فرماتے۔

خطیب بغدادی نے اس حدیث سے بھی اجتہاد ورائے کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے، حضرت ام عطیہ انصاریہ فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ نے غسل دینے والی عورتوں سے فرمایا کہ بچی کو تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ غسل دو، اگر تم لوگ مناسب خیال کرو تو پانی میں بیری کی پتی ملا کر غسل دو۔

خطیب کہتے ہیں کہ میت کو غسل دینا فرض ہے البتہ یہ کہ غسل کتنے مرتبہ دیا جائے، غسل دینے والی عورتوں کی رائے واجتہاد پر اسکو چھوڑا، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام نے اس بارے میں اپنے اجتہاد سے کام لیا ہے، اور آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ دینی وشرعی مسائل میں رائے کا استعمال کرنا اور اجتہاد کرنا مشروع ہے۔

رائے واجتہاد کی مشروعیت کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کی جنگ کے موقع پر یہ اعلان کیا تھا کہ کوئی بنی قریظہ میں پہونچنے سے پہلے ظہر کی نماز ادا نہ کرے، لا یصلین احد الظہر الا فی بنی قریظہ، جب لوگ بنی قریظہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ ہی میں ظہر کا وقت ہوگیا، بعض لوگوں کو خوف ہوا کہ بنی قریظہ پہونچتے پہونچتے ظہر کا وقت نکل جائے گا۔ اور ظہر فوت ہوجائے گی تو انھوں نے وقت کے اندر ہی راستہ ہی میں نماز پڑھ لی، اور

کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم تو وہیں نماز پڑھیں گے جہاں پر پہونچ جانے پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، تو انھوں نے بنی قریظہ پہونچ کر ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب اس کا وقت ختم ہو چکا تھا، یعنی ظہر کی نماز کی قضا کی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مسئلہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو کچھ نہیں کہا، اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے حضورؐ کے حکم کے باوجود اپنے اجتہاد سے راستہ میں نماز پڑھ لی تھی ان کا یہ اجتہاد جائز تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صریح حکم کی مخالفت پر خاموش نہ رہتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ دو آدمی سفر پر نکلے، راستہ میں نماز کا وقت آگیا، ان کے پاس وضو کیلئے پانی نہیں تھا، دونوں نے تیمم کرکے نماز ادا کی پھر انکو نماز کا وقت موجود ہی تھا کہ پانی مل گیا، تو ان میں سے ایک نے وضو کرکے نماز کو دوبارہ پڑھ لیا اور اس کے ساتھی نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر یہ دونوں جب سفر سے واپس ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا قصہ پیش کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہا جس نے نماز کو دہرایا نہیں تھا تم نے سنت کے مطابق نماز ادا کی، اور تمہاری نماز جائز ہے، اور جس نے نماز کو دہرایا تھا اس سے کہا دُہرا اجر ملے گا۔

ان دونوں صحابہ کرام کا عمل اپنے اجتہاد اور اپنی رائے سے تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دینی و شرعی مسائل میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور آپ کو اس کی اطلاع بھی ہوئی تھی مگر آپ ان کو اجتہاد اور رائے کے استعمال سے منع نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بنی قریظہ کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کیلئے حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنانے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کو اپنی خدمت میں بلایا اور ان سے کہا کہ یہ لوگ اپنا فیصلہ تم سے کرانا چاہتے ہیں، تو حضرت معاذ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے جن لوگوں نے مسلمانوں

سے جنگ کیا ہے انھیں قتل کیا جائے اور ان کے بال بچوں کو غلام بنا لیا جائے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے فیصلہ سے خوش ہو کر فرمایا کہ یہ فرشتہ والا فیصلہ ہے۔ اور بعض روایت میں ہے کہ یہ وہ فیصلہ ہے جو اللہ نے آسمان پر کیا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ نہ کتاب اللہ سے تھا نہ سنت رسول اللہ سے ان کا یہ اپنا اجتہاد تھا، اس سے معلوم ہوا کہ دینی و شرعی معاملات میں اجتہاد کرنا جائز اور مشروع ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کا یہ فیصلہ سنایا کہ دو عورتیں تھیں، دونوں کا اپنا اپنا بچہ تھا، ایک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک عورت کے بچہ کو اٹھالے گیا، اب دونوں عورتیں جھگڑنے لگیں، یہ کہتی کہ تیرا بچہ لے گیا ہے اور وہ کہتی کہ تیرا بچہ لے گیا ہے، پھر یہ دونوں اپنا مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں، حضرت داؤد نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا، جب ان دونوں کا گزر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے ہوا اور ان کو اس فیصلہ کا علم ہوا تو انھوں نے کہا کہ چھری لاؤ میں اس بچہ کا دو ٹکڑا کر کے تم دونوں کو اس کا ایک ایک حصہ دوں گا اس پر بڑی تو خاموش رہی مگر چھوٹی نے رونا چلانا شروع کر دیا اور کہا کہ آپ ایسا نہ کریں یہ بچہ اس بڑی ہی عورت کا ہے، اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ بچہ بڑی کا نہیں ہے اسی چھوٹی عورت کا ہے، اور پھر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

خطیب فرماتے ہیں :

وفی هذا الخبر دلیل ان داؤد وسلیمان لم یحکما الا من جهة الاجتهاد لانه لوکان ما حکم به داؤد نصا لم یسع سلیمان ان یحکم بخلافه۔ ولوکان ما حکم به سلیمان ایضا نصا لم یخف علی داؤد۔

یعنی اس خبر میں یہ دلیل ہے کہ حضرت داؤد اور سلیمان نے اپنے اجتہاد سے اس قضیہ میں فیصلہ کیا تھا، اس لئے کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام نے نص سے فیصلہ

کیا ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اختلاف کی گنجائش نہیں تھی، اور اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی نص کی روشنی میں ہوتا تو یہ نص حضرت داؤد سے مخفی نہ ہوتی۔

اور اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دو مختلف اجتہادوں میں حق ایک ہی میں ہوگا، اس لئے کہ اگر حضرت داؤد کا فیصلہ بھی حق ہی ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے فیصلہ کے خلاف کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

سلیمان علیہ السلام کا اجتہاد یہ تھا کہ جب دونوں عورتیں اپنے دعویٰ میں برابر ہیں اور ایک کو عمر میں بڑے ہونے کی فضیلت حاصل ہے تو وہی اس لڑکے کی زیادہ حقدار ہے، جب کہ حضرت سلیمان کی رائے میں یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ لڑکا اس بڑی عورت کا ہے۔

اور بہت سے اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء گزشتہ کے فیصلوں کی اتباع کرنا ہم پر ہم پر واجب ہے، اگر اس فیصلوں کے خلاف ہماری شریعت میں کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ اس طرح کا فیصلہ کرنا ہمارے مذہب میں اجماعاً جائز نہیں ہے اس لئے ہم اس کو اس اجماع کی وجہ سے قبول نہیں کرتے۔

قرآن پاک میں اسی طرح کا ایک اجتہادی اور فیصلہ انھیں دونوں انبیاء علیہما السلام حضرت داؤد و حضرت سلیمان کا مذکور ہے، قصہ یہ ہے کہ کسی شخص کی بکری کسی کا کھیت چر گئی تھی، تو اس بارے میں جب کھیت والے نے بکری کے مالک سے اپنے نقصان کا مطالبہ کیا تو حضرت داؤد کا فیصلہ کچھ اور تھا اور حضرت سلیمان کا فیصلہ کچھ اور تھا، دونوں نے الگ الگ اجتہاد کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی خدا کی طرف سے تصویب ہوئی، اس قصہ میں بھی کوئی وحی نہیں تھی اسلئے دونوں کو اجتہاد کرنا پڑا، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین بھی اجتہاد و رائے سے شرعی امور میں کام لیتے تھے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

ولیمہ کے بارے میں ایک خط اور اس کا جواب

محترم حضرت مولانا غازی پوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

گذارش ہے کہ شادی کے بعد جو ولیمہ کے نام سے کھانا کھلایا جاتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، براہ کرم مطلع فرمائیں، اگر شرعاً اس کی کوئی اہمیت ہے تو اس کا وقت کیا ہے، اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

انوار احمد هگلی

محترم!

شادی کے موقع پر دولہا کی طرف سے جس دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔

ولیمہ کی دعوت سنت ہے، آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی دیا ہے اور اس کو خود بھی کیا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب شادی کی تھی تو آپ نے ان سے کہا تھا۔ اَولِمْ ولو بشاۃ۔ یعنی ولیمہ کا کھانا کھلاؤ خواہ ایک بکری ہی ذبح کرو۔ (بخاری)

حضرت بریدہ رضؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کی شادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کی تو آپؐ نے فرمایا لابد للعروس من ولیمۃ

یعنی دولھا کو ولیمہ کی دعوت کرنا ضروری ہے ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا الولیمۃ حق وسنۃ جس کو دعوت ولیمہ میں بلایا جائے اور وہ دعوت قبول نہ کرے اس نے شریعت کی نافرمانی کی ۔ (مسند احمد)

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو ایک بکری ذبح کرکے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا تھا ۔ (بخاری)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تو آپ نے تین روز تک دعوتِ ولیمہ کی ۔

غرض ولیمہ کا اہتمام کرنا مسنون و مشروع ہے، بلکہ شوافع میں سے بعض حضرات تو اس کو واجب کہتے ہیں، مگر اکثر علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے، مگر استحبابِ تاکیدی ہے

البتہ ولیمہ میں فضول خرچی، دکھاوا اور لہو ولعب نہ ہونا چاہئے کہ اس کی وجہ سے یہ مسنون و مشروع عمل ناجائز ہو جائے گا ، اسی طرح دعوت ولیمہ میں صرف مالداروں اور صاحب حیثیت لوگوں کو پوچھنا اور غریبوں کو نظر انداز کر دینا بھی مذموم ہے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

شر الطعام طعام الولیمۃ یدعی الیہا الاغنیاء ویترک الفقراء ۔

یعنی بدترین دعوت ولیمہ کی دعوت ہے جس میں مالداروں کو تو بلایا جائے اور فقراء اور غرباء کو نظر انداز کر دیا جائے ۔

ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنا اگر اس میں لہو ولعب نہ ہو تو واجب ہے ، اللہ کے رسول کا ارشاد ہے ۔ ومن لم یجب فقد عصی اللہ ورسولہ یعنی جس نے ولیمہ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ۔

اگر ولیمہ ایک روز سے زائد کیا جا رہا ہے تو پہلے روز تو شریک ہونا سنت ہے ، دوسرے روز کی شرکت مستحب ہے اور تیسرے روز کا شریک ہونا نہ سنت ہے نہ مستحب ۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر آدمی نفل روزہ رکھے ہوئے ہو اور اس کو دعوتِ ولیمہ

یں مدعو کیا گیا ہے تو نفل روزہ توڑ کر دعوت کا کھانا کھانا چاہئے اور اس کی قضا بعد میں کرے۔
دار قطنی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعوت میں شریک تھے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی تھی، ایک آدمی اس دعوت سے الگ ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں روزہ سے ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ تمہارا بھائی تم کو دعوت دیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ میں روزہ سے ہوں، روزہ توڑ دو، اور اس کی قضا بعد میں کسی دن کرو۔

البتہ دعوت قبول کرنا ضروری ہے، اگر کسی وجہ سے دعوت کا کھانا مدعو نہ کھائے تو شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے مثلاً بیماری وغیرہ کا کوئی عذر ہے یا کھانے میں پرہیز کا وہ عادی ہے تو اس شکل میں کھانا کھانا واجب نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مسلم شریف میں نقل کیا گیا ——— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اذا دعی احدکم فلیجب فان شاء اکل وان شاء ترک یعنی تم میں سے جب کسی کو دعوت دی جائے تو وہ دعوت کو قبول کرے، اب اگر طبیعت چاہتی ہے تو کھائے اور اگر کھانا کھانے کا تقاضا نہیں تو نہ کھائے۔

دعوت نہ قبول کرنے کی وجہ سے دوسرے کو ہتک عزت کا احساس ہوتا ہے۔ اور مسلم کی عزت کا خیال کرنا اس کا اکرام ہے اور اکرام مسلم واجب ہے، اس وجہ سے دعوت کو رد کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر ولیمہ کی دعوت میں خلافِ شرع امور پائے جارہے ہیں تو اس میں اس کو ضرور جانا چاہئے جو ان امور پر انکار کرے اور لوگوں کو شریعت سے آگاہ کرے، اگر وہ ایسا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اس کو شرکت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دسترخوان پر مت بیٹھے جہاں شراب چلائی جاتی ہو، پس جس طرح شراب حرام اور اس دعوت میں شریک ہونا جائز نہیں جس میں شراب پلائی جاتی ہو، اسی طرح

دوسری حرام چیزوں کا بھی حکم ہے، پس جس کو ان امور پر نکیر کرنے کی قدرت ہو وہ تو اس طرح کی دعوت میں شریک ہو، ورنہ اس کی شرکت جائز نہیں ہے۔

گزشتہ مذکورہ بالا بیانات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ولیمہ کی دعوت بیوی کے ساتھ ہمبستری کے بعد کرنی چاہیئے، ہمبستری سے پہلے کی دعوت کو ولیمہ کی دعوت نہیں کہا جائیگا۔

محمد اجمل مفتاحی

نعیم الظفر نعمانی
مولانا
محمد حنیف ملی

اتحاد بین الأنام

سیرت کا پیغام

اللہ تعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا کیا ہے وہ کامل و مکمل نیز اللہ رب العالمین کا پسندیدہ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" جس نبی کے ذریعہ یہ مذہب ہمیں ملا ہے وہ نبی جامع الصفات اور ہمہ گیر کمالات کے مظہر ہیں۔ اسلام کے تمام احکامات اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اس کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ آپؐ کے یہاں شریعتِ موسوی کی شدت کے ساتھ مسیحیت کی اخوت بھی پائی جاتی ہے۔

اتحاد و اجتماعیت کے مظاہر ہمیں اسلام کے احکامات میں بآسانی مل جائیں گے نمازوں کا مساجد میں باجماعت ادا کرنا، نماز جمعہ کیلئے شہر کی جامع مسجد میں اجتماع، عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا، ایک علاقے میں بیک وقت تمام مسلمانوں کا روزہ شروع کرنا، اور بیک وقت عید الفطر منانا، ایام حج میں ایک ساتھ مسلمانوں کا جمع ہونا اور مناسک حج میں یکسانیت کا ہونا، مخصوص اور ہنگامی حالات میں جمیع مسلمانوں کیلئے یکساں ادا رکوع کی مشروعیت اور اس جیسے بے شمار احکام ہیں جن سے اسلامی اتحاد و اتفاق جھلکتا ہے

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں یہ وصف ہمیں ظاہری طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ آپؐ کی سیرتِ طیبہ میں زندگی کے تمام پہلو ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں، آپؐ کی زندگی میں ظلم کے پہاڑ بھی ٹوٹے، مصیبتوں اور آزمائشوں کی گھڑیاں بھی آئیں، ناکامیوں نے اپنا بسیرا بھی کیا، کامیابیوں اور کامرانی کے شادیانے بھی بجے، قوت و حکومت کے پرچم بھی لہرائے اور مسرتوں کے پھول بھی کھلے، آپؐ نے دوستی بھی برت کر دکھائی اور دشمنی بھی، جنگیں بھی لڑیں اور صلح و آشتی کے عہدنامے بھی کئے، دن دن بھر روزے رکھے اور رات رات بھر نمازیں بھی پڑھیں اور ملکی و سیاسی گتھیاں بھی سلجھائیں، غارِ حرا میں خلوت نشیں اور ماہِ رمضان میں معتکف بھی رہے اور خانگی زندگی کے نشیب و فراز بھی دیکھے، دینِ پاک کے سب سے بڑے مبلغ، ہادی اور رہبر کا فرض بھی انجام دیا، اور مسلمانوں کی آزاد ریاست کی داغ بیل بھی ڈالی ؎

مصور نے دکھایا تجھ میں ایسا حسن فنکاری

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتوں پر ذرا غائرانہ نظر ڈالیں تو ہمیں ان میں بڑے اچھوتے انداز میں اجتماعیت و اتحاد کا پیغام ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سارے انسانوں سے مخاطب ہے۔

"یاایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم" اے لوگو، اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔

اسلامی تعلیمات میں توحید و وحدت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس کا نتیجہ تمام انسانوں میں محبت و بھائی چارگی اور اتحاد و اتفاق کا اعتراف ہے، جب تمام انسان ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں تو انھیں بھائی بھائی بن کر ایک ساتھ رہنا چاہئے، ان کے رنگ و نسل کے امتیازات کوئی معنی نہیں رکھتے یہ صرف تعارف کا ایک ذریعہ ہیں، اس آیت پر غور فرمائیے جس میں تمام ہی انسانوں کو خطاب ہے۔

(ترجمہ) لوگو! میں نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جائیں، لیکن خدا کے

نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا دانا اور واقف کار ہے۔ (سورہ حجرات)

اس آیت پر توجہ دیں تو معلوم ہوگا کہ ساری انسانیت کو ایک ہی پیغام رسالت کے پرچم تلے زندگی گذارنے کا پیغام دیا جارہا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

وما ارسلنٰك الا كافة للناس اے محمدؐ! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔

نیز اسکی تائید میں دوسری آیت پیش خدمت ہے۔

(ترجمہ) اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ اے فرزندانِ آدم! میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول ہوں، اس اللہ کا رسول جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ (اعراف)

(ترجمہ) اے محمدؐ! ہم نے تمکو تمام دنیا کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یہ قرآن تمام انسانوں کیلئے پیغام ہے۔ (سورہ ابراہیم)

مسلمانوں کو خصوصًا ایسے کاموں سے بچنے کا حکم دیا جارہا ہے جس سے آپسیں فتنہ و فساد کے ابھرنے کا اندیشہ ہو یا اہل ایمان کے شیرازے کو منتشر کردے۔ دیکھئے قرآن کس بلیغ پیرائے میں مسلمانوں سے کہہ رہا ہے۔

(ترجمہ) "مسلمانو! (لوگوں کی بابت) بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیوں کہ بعض شک گناہ میں داخل ہیں، اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور تم میں کوئی ایک دوسرے کو برا نہ کہے، بھلا تم میں کوئی یہ گوارا کریگا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے اور اللہ سے تقویٰ کرو، بیشک اللہ رجوع ہونے والا اور رحم کرنے والا ہے (حجرات ۲)

اخوتِ اسلامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

(ترجمہ) مسلمان تو آپسیں بھائی بھائی ہیں، لہذا جب دو مسلمان بھائی آپسیں جھگڑیں تو انکی صلح صفائی کرادو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ وہ تم پر رحم و کرم فرمادے۔ پ ۲۶ ع ۱۳

شاعر مشرق اس کی ترجمانی میں اس طرح گویا ہوئے ۔۔

کل مومن اخوۃ اندر دلش

حریت سرمایۂ آب و گلش

اس امت کے دل میں یہ اصول مساوات جاگزیں ہو چکا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور حریت (جذبۂ آزادی) اس امت کے خمیر میں موجود ہے۔

اسی اخوت کی یہ خوبی ہے کہ اس سے امیر و غریب، شاہ و گدا، حاکم و محکوم، کالے و گورے، پست و بلند کے تمام امتیازات ختم ہو جاتے ہیں اور وحدت ملت و اتحاد امت کا ایک سنہرا ہار وجود میں آتا ہے سب کو ایک سا مرتبہ حاصل ہوتا ہے، یہاں تک کہ شاعر کہتا ہے ؎

اسود از توحید احمر می شود　　　خویشِ فاروقؓ و ابوذرؓ می شود

توحید کی برکت سے سیاہ آدمی بھی سرخ آدمی کا ہم پایہ ہو جاتا ہے، حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر وہ حضرت فاروقؓ و ابوذرؓ جیسی ہستیوں کا بھائی بن جاتا ہے۔

چنانچہ اسلام کی آغوش میں آتے ہی حضرت بلالؓ اور ان جیسے دوسرے حبشی غلام بھی وہی مرتبہ پاتے ہیں جو حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کا تھا۔

مزید برآں دربار رسالت میں قومی وحدت اور اتحاد کا دلکش و وسیع مظاہرہ ملتا ہے کہ جہاں بلالِ حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عدی طائی، طفیل دوسی، ابوسفیان اموی، ابو موسیٰ و عامر اشعری، [illegible] ابو حارث [illegible] وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیک وقت اپنی قوم و ملک کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نیز جذبۂ اسلامی اتحاد و اتفاق کا وہ بے مثال نمونہ ہے کہ جس میں ہر ایک دوسرے کے اندر اس طرح سمائے ہوئے ہے کہ ان کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا، یہ سب ایک دوسرے کے دشمن نہیں دوست ہیں، اپنے اپنے کام انجام دیکر بھی ایک دوسرے کی بقا و ترقی کے دل سے خواہاں ہیں ان میں ذرہ برابر بھی نسلی و قومی امتیاز نہیں، سب ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے ہوئے

اور باہم شیر و شکر ہو کر زندگی گذارتے نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال اس کیفیت کو اس طرح نظم فرماتے ہیں ؎

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز — قبلہ رو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

ہماری تاریخ میں ایسے بھی مواقع آئے کہ اسلاف نے اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دی اس انتشار و افتراق کے دور میں قرآن کا یہ پیغام۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا۔ ہمارے لئے ہمہ گیر فوائد و ترقی کا ضامن ہے ؎

ما ہمہ خاک و دل آگاہ اوست — اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

ہم سب خاک ہیں اور ہمارے جسم خاکی ہیں، دل زندہ و آگاہ فقط قرآن ہے۔
اے مسلماں (اس قرآن کو مضبوطی سے پکڑ) کیونکہ یہی خدا کی رسی ہے (جو طوفان باطل میں ہمیں ہلاکت سے بچاتی ہے اور کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے) لہٰذا اس وقت سب سے زیادہ ضرورت ملی اتحاد کی ہے جس کیلئے ہر کوئی اپنے مفادات سے زیادہ امت کے اجتماعی فوائد اور اس کے شیرازہ کو جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے اسلئے کہ مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج سے وحدت اسلامیہ پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہے اور قوم کا اجتماعی شیرازہ قطعی طور پر بکھر جاتا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہیں اتحاد و اتفاق کا عملی ثبوت پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے — تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا
یہ ہندی و خراسانی، یہ تورانی، وہ ایرانی — تو اے شرمندۂ ساحل، اچھل کر بے کراں ہو جا

لطیفہ شیرازی

خمار سلفیت

شیخ جمن حفظہ اللہ نے صوفی بدرالدجیٰ حفظہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کردیا

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - اباجی کل صوفی سمرقند حفظہ اللہ کی مسجد میں صوفی بدرالدجیٰ حفظہ اللہ نماز پڑھا رہے تھے، ابھی انھوں نے ایک رکعت پوری کی تھی کہ شیخ جمن حفظہ اللہ بھی مسجد میں پہونچے، جب انھوں نے دیکھا کہ صوفی بدرالدجیٰ حفظہ اللہ امامت کر رہے ہیں تو زور سے تکبیر کہہ کر کے اپنی نماز الگ شروع کردی، آمین اتنی زور سے کہی کہ بعض مصلیوں نے گھبرا کر کے نماز توڑ دی، نماز بعد مصلیوں نے ان سے کہا کہ آپ جماعت میں کیوں شریک نہیں ہوئے، تو انھوں نے جواب دیا کہ صوفی بدرالدجیٰ حفظہ اللہ کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

باپ - بیٹا صوفی بدرالدجیٰ حفظہ اللہ تو بڑے فاضل پرہیزگار آدمی ہیں، انکی داڑھی بھی ناف تک والی ہے، تو ان کے پیچھے شیخ جمن حفظہ اللہ نے نماز پڑھنے سے انکار کیوں کیا؟

بیٹا - اباجی شیخ جمن نے انکو رمضانی میوہ فروش کی دکان پر انگور کا جوس پیتے دیکھ لیا تھا۔

باپ - بیٹا تو انگور کا جوس پینے سے کیا نماز نہ ہوگی؟ کیسی عجیب بات کرتے ہو۔

بیٹا - شیخ جمن کہتے ہیں کہ انگور کا عصیر، یعنی انگور کا جوس شراب ہوتا ہے، اور شرابی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

باپ - بیٹا انگور کا عصیر کو شراب کس نے بتلایا ہے۔ یہ آواز تو پہلی دفعہ کان میں پڑ رہی ہے۔

بیٹا - ابا جی شیخ جمن کے مطالعہ میں آجکل مولانا محمد جوناگڈھی کے رسائل ہیں، اس سے شیخ جمن کو یہ سراغ لگا ہے، مولانا جوناگڈھی نے اپنے رسالہ ہدایہ پر ایک نظر میں عصیر العنب کا ترجمہ انگور کی شراب کیا ہے۔

باپ - بیٹا شیخ جمن کو میرے پاس لانا میں انکو سمجھا دوں گا کہ جوناگڈھی صاحب کی کسی بات پر اپنی تحقیق کی بنیاد نہ رکھیں، ورنہ ان کا مذاق الگ بنے گا اور ہماری جماعت کی بدنامی الگ ہوگی، یہ صاحب تو وہ ہیں کہ جنھوں نے اسی رسالہ میں ساق کا ترجمہ ران کیا ہے اسی پر تو سال گزشتہ شیخ ہدہد حفظہ اللہ نے ہنگامہ برپا کیا تھا کہ ہمارے علماء کو دینی و شرعی مسائل میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔

بیٹا - ابا جی جب ہمارے علماء کی لیاقت کا عالم یہی ہے کہ عصیر کا ترجمہ وہ خمر یعنی شراب کرتے ہیں اور ساق کا ترجمہ فخذ یعنی ران کرتے ہیں، تو انکو کتابیں لکھنے اور مجتہد بننے کا شوق کیوں بے چین کیئے رہتا ہے؟ کیا یہ ہمارے لئے باعثِ عار بات نہیں ہے؟

باپ - ہے بیٹا، ہمارے لئے اور ہماری جماعت کیلئے بڑے عار اور بڑے شرم کی بات ہے انھیں مولویوں سے جماعت رسوا ہو رہی ہے۔

بیٹا - ابا جی ہمارے حفظہ اللہ ہوں کا علمی معیار اتنا گھٹیا کیوں رہتا ہے؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

شیخ ہدہد حفظہ اللہ سے شیخ کٹورہ حفظہ اللہ کا مناظرہ

موضوع - چاروں مذاہب حق ہیں، حق نہیں ہیں۔

بیٹا - ابا جی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ ابا جی، کل رات محلہ کے چوپال میں ایک زبردست مناظرہ ہوا۔

باپ ۔ بیٹا یہ مناظرہ کس کے درمیان تھا؟

بیٹا ۔ ابا جی شیخ ہدہد حفظہ اللہ اور شیخ کٹورہ حفظہ اللہ میں کل بڑے زور کی ٹھن گئی جس نے مناظرہ کی شکل اختیار کر لی۔

باپ ۔ بیٹا، یہ دونوں حفظہ اللہ تو اپنے ہی ہیں تو ان کے درمیان مناظرہ کس بات پر ہوا۔

بیٹا ۔ ابا جی شیخ ہدہد حفظہ اللہ نے کل بھرے چوپال میں یہ کہہ دیا کہ چاروں مذاہب کی تردید حدیث میں ہے، اس پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ شیخ کٹورہ بھی موجود تھے انھوں نے شیخ ہدہد حفظہ اللہ سے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے۔ حضور کے زمانہ میں چاروں مذاہب تھے کہاں کہ حدیث سے اس کی تردید ہوگی، تو شیخ ہدہد نے کہا کہ یہ بات میں نہیں کہہ رہا ہوں یہ مولانا جوناگڈھی کا فرمان ہے، وہ اتنے بڑے عالم ہیں کہ دنیائے اہلحدیث انکے کارناموں پر فخر کرتی ہے، انھوں نے اس بات کو اپنی کتاب سراج محمدی میں کہا ہے بلکہ انھوں نے ایک عنوان ہی یہی قائم کیا ہے۔

" چاروں مذاہب کی تردید حدیث سے "، صـ۳ـ

باپ ۔ بیٹا پھر شیخ کٹورہ حفظہ اللہ نے کیا کہا۔

بیٹا ۔ انھوں نے پہلے تو ایک زوردار طوفانی قسم کا قہقہہ لگایا، پھر کہا کہ ارے میاں ہدہد تم کس کا نام لے رہے ہو، یہ جوناگڈھی صاحب تو کیا کہتے ہیں خود انکو پتہ نہیں رہتا، انکا قلم تو جو اس باختہ بنا چلتا رہتا ہے، وہ ہوائی اڑانے کے ماہر ہیں، انھوں نے شیخ ہدہد کو یہ چیلنج کر دیا کہ اگر جوناگڈھی صاحب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو وہ حدیث پیش کریں، جس میں ان چاروں مذاہب کا نام لے کر ان کا رد کیا گیا ہو۔

باپ ۔ بیٹا تو شیخ ہدہد نے وہ حدیث پیش کی۔

بیٹا ۔ نہیں ابا جی بس وہ چلا چلا کر یہی کہتے رہے کہ ہمارا اتنا بڑا عالم جھوٹ نہیں بولیگا۔

اس پر شیخ کٹورہ نے کہا کہ اگر مولانا جونا گڈھی کی یہ بات گپ نہیں ہے سچ ہے تو پھر ہم لوگوں کا مذہب بھی باطل، اسلئے کہ یہی جونا گڈھی اس کتاب میں اللہ کی حمد کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ

الحمد للہ اہلحدیث کی جماعت ہے کہ ان چاروں پر غالب ہے" صـ۳

تو اب بقول جونا گڈھی صاحب ہم لوگوں کا مذہب تو چار گنا مردود قرار پایا، اور ہم لوگوں کا یہ کہنا کہ ہمارا مذہب قرآن وحدیث والا ہے، باطل ہو گیا۔

باپ۔ بیٹا تو پھر شیخ ہدہد نے کیا جواب دیا۔

بیٹا۔ ابا جی وہ جواب کیا دیتے منہ تک گیا، اور ادھر شیخ کٹورہ زندہ باد کا نعرہ لگنے لگا۔ شیخ ہدہد کو شیخ کٹورہ حفظہ اللہ کی یہ پذیرائی بھاری لگی اور انھوں نے چپکے سے اپنے گھر کا راستہ لیا۔

باپ۔ بیٹا، مولانا جونا گڈھی بھی عجیب چکر چلاتے ہیں، ایک ہی رسالہ میں ایسی متضاد بات لکھ دیتے ہیں، اور جماعت کے لوگ دو گروہ میں بٹ جاتے ہیں۔

بیٹا۔ ابا جی، مولانا جونا گڈھی نے یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ان مذاہب کا نام بھی نہیں تھا صـ۳ تو پھر انھوں نے یہ عنوان کیوں قائم کیا "چاروں مذاہب کی تردید حدیث سے"

باپ۔ بیٹا، انکی کتابوں کو پڑھو تو دماغ چکر کھانے لگتا ہے، اناپ شناپ ہانکنا پوری زندگی ان کا مشغلہ تھا۔

بیٹا۔ ابا جی جب مولانا جونا گڈھی کی قابلیت وعلمیت کا یہی حال تھا تو آج ہمارے ادارے انکی کتابوں کو بڑے اہتمام سے کیوں شائع کر رہے ہیں۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

حنفی کی نماز جنازہ پڑھنا ازروئے قرآن جائز نہیں

مولانا جوناگڈھی کا فتویٰ

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی شیخ تاشقندی حفظہ اللہ کی خیریت آپ کو معلوم ہے ؟

باپ ۔ نہیں بیٹا، کیا ہوا، خیریت تو ہے، وہ بیمار تو نہیں ہیں ۔

بیٹا ۔ نہیں اباجی، بس آجکل وہ بڑے برہم برہم سے نظر آتے ہیں، شیخ جمن حفظہ اللہ کو دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں، شیخ بحرانی حفظہ اللہ کی مجلس میں آنا جانا ختم کر دیا ہے فضیلۃ الشیخ ستمگر حفظہ اللہ سے ناطہ رشتہ کمزور پڑ گیا ہے ۔

باپ ۔ یہ حالت انکی کب سے ہے ؟ انکی یہ خفگی اپنوں سے کسی طوفان کا پیش خیمہ ہے ۔ اللہ رحم فرمائے، بہت دنوں سے میرے پاس بھی نہیں آئے ہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی، شیخ جمن حفظہ اللہ نے آجکل یہ تبلیغ کرنی شروع کر دکھی ہے کہ حنفی مشرک ہوتا ہے، اس کی نماز جنازہ پڑھنی جائز نہیں ہے اور شیخ تاشقندی کی چاروں لڑکیاں ایک پہلی بیوی والی ایک دوسری بیوی والی ایک تیسری بیوی والی اور ایک چوتھی بیوی والی یہ سب کے سب حنفی خاندان میں بیاہی گئی ہیں، شیخ نقشبندی کے سسر کی نماز جنازہ ایک حنفی نے پڑھائی تھی، اسی پر شیخ نقشبندی حفظہ اللہ خفا ہیں کہ کیا ہماری لڑکیاں مشرکوں کے ساتھ بیاہی گئی ہیں، اور ہمارے سسر کی نماز جنازہ ناجائز تھی ؟

باپ ۔ بیٹا شیخ نقشبندی حفظہ اللہ کی خفگی سو فی صد درست ہے، ابتک تو ہمارے شہر کا یہی دستور رہا ہے کہ حنفی اہلحدیث کی نماز جنازہ اور اہلحدیث حنفی کی نماز جنازہ پڑھتے چلے آرہے ہیں، آپس میں شادی بیاہ بھی ہوتا چلا آرہا ہے ۔ شیخ

جن نے یہ بالکل نیا شوشہ چھوڑا ہے۔

بیٹا۔ اباجی بات یہ ہے کہ آجکل شیخ جمن جوناگڈھی مولانا کی کتابیں زیادہ دیکھ رہے ہیں یہ فتویٰ شیخ جوناگڈھی ہی کا ہے کہ حنفی مشرک ہوتا ہے اور مشرک کیلئے استغفار جائز نہیں (سراج ص۴۷) شیخ جمن حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں میت کیلئے استغفار ہوتا ہے، اسلئے حنفی کی نماز جنازہ پڑھنی جائز نہیں۔

باپ۔ بیٹا، مولانا جوناگڈھی کی یہ بات تو حد درجہ خطرناک ہے، اس سے کتنے گھرانے برباد ہونگے اور ہماری کتنی اولادیں ولد الحرام قرار پائیں گی اور ہمارے کتنے لوگ زانی قرار پائینگے اور پھر خدا نخواستہ یہاں طالبان کی حکومت قائم ہو گئی تو ہمارے کتنوں کو کوڑے لگیں گے، اور کتنے سنگسار ہوں گے، بیٹا مجھے تو ہول اٹھ رہا ہے۔ مولانا جوناگڈھی ایسے دیوانہ تو نہ تھے کہ وہ اس قسم کی بات اپنی کسی کتاب میں لکھیں گے، ذرا سراج محمدی کا ص۴۷ کھول کر دیکھو تو اس میں کیا لکھا ہے، کہیں شیخ جمن حفظ اللہ سے مولانا جوناگڈھی کی بات سمجھنے میں چوک تو نہیں ہو گئی ہے۔

بیٹا۔ اباجی ص۴۷ سراج محمدی میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے، "مشرکوں کے لئے استغفار منع ہے،" پھر لکھا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ جس وہابی کا باپ حنفی ہو کر مرا ہو وہ یہ دعا نہ پڑھے رب اغفرلی ولوالدی۔ جواب مشرکین کیلئے دعاء مغفرت ناجائز ہے قرآن فرماتا ہے ماکان النبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ (توبہ آیت ۱۲۱ ۱۱) یعنی نبی کو اور مومنوں کو اپنے مشرک قرابت داروں کیلئے بھی دعاء مغفرت نہ مانگنی چاہیئے۔

باپ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بیٹا۔ اباجی آپ انا للہ کیوں پڑھ رہے ہیں، کیا مولانا جوناگڈھی کی بات غلط ہے؟

باپ۔ بیٹا ان کی بات غلط ہو یا صحیح، مولانا جوناگڈھی نے جو آیت لکھی ہے نہ وہ صحیح ہے اور نہ اس کا ترجمہ صحیح، اور اس جہالت پر دعویٰ اتنا بڑا کہ ہمارے گھرانے زنا کار قرار

پائیں اور ہماری اولادیں حرامی بتلائی جائیں۔

بیٹا۔ اباجی تو صحیح آیت کیا ہے، اور اس کا صحیح ترجمہ کیا ہوگا؟

باپ۔ بیٹا صحیح آیت ما کان النبی نہیں ہے، بلکہ صحیح ما کان للنبی ہے، اور اس کا صحیح ترجمہ نبی کو اور مومنوں کو اپنے مشرک قرابت داروں کیلئے دعا مغفرت نہ مانگنی چاہئے۔ نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اگرچہ ہوں وہ قرابت والے۔

مولانا جوناگڈھی نے صفت موصوف کا ترجمہ کیا ہے، یعنی مشرک قرابتداروں، ترجمہ کیا ہے جو بالکل غلط ہے، اور پھر "بھی" کا اضافہ کر دیا ہے، جبکہ قرآن میں یہ لفظ نہیں ہے، اس اللہ کے بندے نے اس کتاب کے شروع صفحہ ۵ میں یہ عربی کی عجیب و غریب عبارت میں یہ خطبہ لکھا ہے۔ یارب لك الحمد حمداً کثیراً طیباً صلی و سلم علی نبیك الذی ارسلته بشیراً و نذیراً۔ یہ جناتی خطبہ جناتی عربی میں پہلی دفعہ کان میں پڑا ہے۔

بیٹا۔ اباجی جب ہمارے مولانا لوگوں کو نہ قرآن کی آیت صحیح لکھنی آتی ہے، نہ اس کا صحیح ترجمہ کرنا آتا ہے نہ صحیح عربی لکھنی آتی ہے تو ان کو فتویٰ دینے کا شوق کیوں چرا تا ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ قیامت قریب ہے کیا۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔ انکو شوق کیوں چراتا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونے والا اردو ماہی

دینی وعلمی مجلہ

زمزم

جلد ۹ — شمارہ ۵

رمضان، شوال ۱۴۲۷ھ

مدیر مسئول ومدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے

پاکستان اور بنگلادیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ۔ ۲۳۳۰۰۱ — فون نمبر ۲۲۲۱۷۵۷ — ۰۵۴۸

موبائل نمبر— ۹۴۵۱۰۰۶۳۹۹

فہرستِ مضامین

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس وقت یہ پرچہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا، معلوم نہیں اس وقت صورت حال کیا ہوگی، اس وقت مشرق وسطیٰ کی صورت حال یہ ہے کہ اسرائیل کی وحشیانہ بمباری اور زمینی و فضائی حملوں سے فلسطین اور لبنان کی سرزمین خوں آلودہ ہے، سیکڑوں سے زیادہ لبنانی اور فلسطینی بے قصور عوام جن میں اکثریت بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کی ہے ہلاک ہو چکے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی اسپتالوں میں پڑے ہیں جہاں انکے علاج کیلئے ضروری سامان بھی نہیں ہے، اسرائیلی حملہ کے پس پشت امریکی منصوبہ اور اس کی جنگی حکمت عملی ہے، امریکہ اسرائیل کے ذریعہ عربوں کی طاقت کو بالکل ختم کر دینا چاہتا ہے، وہ عرب حکمرانوں کو اتنا دہشت زدہ کر چکا ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف لب ہلانے کی جرأت نہیں کر رہا ہے، یہ عرب حکمراں وہ ہیں جن کی پوری زندگی عیش و عشرت کی رہی ہے انکو معلوم ہے کہ اگر انھوں نے امریکہ کے اشارہ اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا تو ان کا انجام بھی امریکہ عراقی صدر صدام والا کر دے گا اور جس طرح صدام کی ارضی جنت پر آج وحشت اپنا ننگا ناچ ناچ رہی ہے، ان کی خالی جنتوں کا بھی یہی حال ہوگا، اسلئے فلسطینی مرتے رہیں لبنانی کٹتے اجڑتے رہیں عرب حکمرانوں کی زندگی اگر خیریت سے گذر رہی ہے تو ان کو اس کٹنے اور مرنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔

اسرائیل کی ان تمام وحشیانہ کاروائی کے باوجود جس کو دنیا کا کوئی قانون

جائز نہیں کہہ سکتا، ایک سوال یہاں یہ ہے کہ آخر حماس کو یا حزب اللہ کو اسرائیل کے فوجیوں کو اغوا کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی، دونوں جگہ پر صرف چار فوجیوں کا اغوا کیا گیا اور اسکے نتیجہ میں اسرائیل نے لبنان اور فلسطین کو ویران کر کے رکھ دیا، اور ہزارہا ہزار لوگ بے گھر ہو گئے، سیکڑوں انسانی جانیں گئیں، ہزاروں نے اپنا ہاتھ پاؤں کھو دیا۔

یہ بے دانشی کا عمل کیوں کیا گیا؟ جب کہ معلوم ہے کہ اسرائیل اس قسم کی حرکتوں کو بہانہ بنا کر اپنے جنگی عزائم کی توسیع کرنے سے باز نہیں رہ سکتا، نہ حزب اللہ میں اتنا دم خم ہے اور نہ فلسطینیوں میں اتنا دم خم ہے کہ اسرائیل کا مقابلہ کر سکے، اسرائیل کا فضائیہ بے انتہا مضبوط ہے، وہ اپنے اس فضائیہ سے جب چاہے مصر، شام، عراق، ایران سعودیہ اور آس پاس کے تمام خلیجی ممالک کو تباہ کر دے۔ اس کی زمینی طاقت بھی بے انتہا ہے، حزب اللہ اور فلسطینیوں کو اس کا بار بار کا تجربہ بھی ہے پھر اس کی پشت پر دنیا کا سب سے بڑا شیطان امریکہ اور اس کا حلیف برطانیہ ہے، جو قدم قدم پر اسرائیل کی مدد کر رہے ہیں، اور جدید ترین ہتھیار سے اس کو لیس کر رہے ہیں، تو جب صورت حال یہ ہے تو پھر فلسطین یا حزب اللہ ایسی حرکت کیوں کر رہے ہیں جس کا فائدہ تو کچھ نہ ہو اور نقصان بے انتہا ہو، اپنے سے بے انتہا مضبوط طاقت کو لڑنے کا موقع فراہم کرنا یہ کون سی جنگی حکمتِ عملی یا سیاسی تدبر کی بات ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسرائیلی فوجیوں کا اغوا کرنا جس کے نتیجہ میں یہ جنگ بھڑکی ہے انتہائی غیر معقول حرکت تھی، جس کو کسی طرح بھی ہماری عقل قبول نہیں کرتی، ہم فلسطینیوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں، ہم لبنان پر اسرائیلی بمباری کی مذمت اور شدید مذمت کرتے ہیں لیکن ہم کسی ایسی حرکت کی تائید نہیں کر سکتے جو ہماری نگاہ میں غیر معقول ہو اور اس کا نقصان فائدہ سے زیادہ ہو، اور جس کے نتیجہ میں فلسطین اور لبنان کی عوام اسرائیلی درندگی اور بربریت کا شکار ہوں اس کے تو ہم مؤید ہیں کہ اگر اسرائیل کی طرف سے پیش قدمی ہو تو اس کا اپنے پاس جو بھی قوت ہے فلسطین اور لبنان ڈٹ کر مقابلہ کریں، اس میں اگر جانی و مالی نقصان

ہوتا ہے تو اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے، مگر اسرائیل کو اپنی طرف سے کوئی موقع فراہم کرنا کہ وہ اس کو بہانہ بنا کر فلسطینی اور لبنانی عوام کے خون سے ہولی کھیلے اسے ہم ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس طرح کے عمل سے فلسطین کو عالمی حمایت حاصل ہے اسمیں کمی ہوگی، اس وقت فلسطین کی سب سے بڑی قوت اس کیلئے یہی عالمی حمایت ہے، فلسطینیوں کو اپنے کسی عمل سے اس قوت کو کھونا نہیں چاہئے۔

اگر یہ سچ ہے جیسا کہ سنا جا رہا ہے کہ اسرائیلی فوجیوں کا اغوا خواہ لبنان میں ہو خواہ فلسطین میں یہ ایران کے اشارہ پر تھا اور ایران کا مقصد یہ تھا کہ جب اسکے انتقام میں اسرائیل لبنان اور فلسطین پر حملہ کرے گا تو دنیا کی نگاہ ایران سے ہٹے گی اور اسکے جوہری پروگرام بند کرنے پر جو مغربی ممالک کا دباؤ ہے اس میں کمی آئے گی اور کچھ دیر کیلئے ایران کو راحت ملے گی، اگر یہ بات سچ ہے تو یہ ایران کی انسان دشمنی کی بدترین مثال ہے، محض اپنے فائدہ کے لئے ہزارہا ہزار انسانی جانیں ضائع کرانے کا اسرائیل کو موقع فراہم کرنا یہ خودغرضی کی انتہا ہے، ۔ انسان دوستی نہیں انسان دشمنی ہے، یہ فلسطینیوں اور لبنانیوں کے ساتھ ہمدردی نہیں بلکہ ان کو آگ میں جھونکنا ہے، انکی جان ومال سے کھیلنا ہے۔

اس وقت لبنان اور فلسطین کا برا حال ہے مگر عرب ملکوں کی طرح ایران بھی صرف تماشائی بنا ہے، زبانی ہمدردی تو دنیا کر رہی ہے، ایران بھی یہی کر رہا ہے، اگر فلسطینیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی اور لبنانی عوام پر جو اسرائیل وحشیانہ بمباری کر رہا ہے ایران کو اس کی پرواہ ہوتی تو وہ انکی مدد فوج اور طاقت سے کرتا، مگر ایران کو معلوم ہے کہ اس کا انجام کتنا بھیانک ہوگا اسلئے وہ بھی دور ہی سے صرف خوں خوں کر رہا ہے میدان میں آنیکی اسے بھی ہمت نہیں ہے۔

ہماری تمام تر ہمدردیاں فلسطینی عوام کے ساتھ ہیں اور مظلوم لبنانیوں کے ساتھ ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ قیادت تام ہے ہوش وحواس کے ساتھ میدان عمل میں اترنے کا، بلا سوچے سمجھے اور انجام سے بے پرواہ ہوکر اور نفع اور نقصان کا اندازہ کئے بغیر کوئی اقدام کرنا یہ خود کو مزید کمزور کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور یہ صرف نقصان کا سودا ہوگا۔

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے، اسی طرح سرکش جناتوں کو بھی اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔ اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا ہے، اور جنت کے سارے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس کا کوئی دروازہ بند نہیں رہتا ہے، اور ایک آواز لگانے والا آواز لگاتا ہے۔ اے خیر کے متلاشی آگے بڑھ، اور اے برائی کے طالب اپنا قدم پیچھے کر، اللہ آج جہنم سے بہت سوں کو آزاد کرے گا (تو شاید تو بھی انھیں میں سے ہو) یہ آواز رمضان کی ہر رات پورے مہینہ لگتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

رمضان کا مہینہ تمام مہینوں میں سب سے بابرکت مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ اپنی پوری صفت جمال کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، اور اس کا لطف و کرم، انعام و اکرام بندوں پر بہت ہوتا ہے۔ اب جو اس مہینہ کی عظمت و رفعت کا پاس و لحاظ کرتے ہیں وہ تو رمضان کی برکتوں کو پاتے ہیں اور جو سدا کے محروم ہیں، جنکی نگاہ میں احکام شرعیہ اور نبوی خوشخبریوں کی کوئی قیمت نہیں وہ ان برکتوں سے محروم رہتے ہیں۔

شیاطین قید میں ہو جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کے عام ہونے سے کنایہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں اپنی

خیرات و برکات اس قدر نازل کرتاہے اور انکو اتنا عام کر دیتا ہے کہ شیطانوں کا اللہ کے بندوں پر بس نہیں چلتا، مگر یہ بس اسی پر نہیں چلتا جو پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہتا ہوا خیر کی طرف قدم بڑھائے اور برائیوں سے رکنے کا عزم کرے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے روزے اور اس ماہ میں قرآن کا پڑھنا قیامت کے روز بندوں کے لئے باعث شفارش ہوں گے، روزہ کہے گا کہ الٰہا میں نے اس کو دن میں کھانے سے اور بہت سی لذتوں اور شہوتوں سے روکے رکھا تھا اسلئے اس کے حق میں میری شفارش قبول فرمائیے اور قرآن کہے گا کہ الٰہا میں نے رات میں اس کو سونے سے روک رکھا تھا تو اس کے حق میں میری شفارش قبول کیجئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ دار کے حق میں انکی شفارش کی جائے گی۔

اللہ اللہ، کیسا نیک بخت وسعید اور بلند طالع ہے وہ بندہ جس کی شفارش کیلئے روزہ ہو، اور قرآن ہو، یہ دونوں ایسے شفارشی ہیں کہ ان کی شفارش رد ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں، روزہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے۔ اور قرآن تو اللہ کا کلام ہی ہے، پس جو ایسے شفارشی ہوں کہ جن کا تعلق ذات خداوندی سے بالکل یک جہتی کا ہو انکی شفارش کے رد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے، رمضان کے مہینہ کو قرآن پاک کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ والے اس ماہ مبارک میں روزہ کے ساتھ ساتھ قرآن پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ حضرت امام شافعی کے بارے میں ہے کہ وہ رمضان میں ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے۔ (وکان یختم فی رمضان ستین مرۃ) مقدمہ تحفۃ الاحوذی ۱۴۲

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پورا ایک قرآن تو تراویح میں کرتے، پھر تہجد میں ہر تین روز پر قرآن ختم کرتے اور پھر پورے مہینہ صبح سے افطار تک روزانہ ایک ختم کرتے اس طرح پورے رمضان میں آپ اکتالیس بار قرآن ختم کرتے۔ (سیرۃ امام بخاری ۵۸)

ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ سب کا معمول تھا کہ رمضان میں قرآن کی تلاوت کا عمل شب و روز کا ان کا مشغلہ بن جاتا، دوسرے کاموں یا باتوں کی طرف انکی توجہ بالکل نہ ہوتی، دنیاوی امور سے تو بالکل کنارہ کش ہوجاتے حتیٰ کہ زیادہ بات چیت کرنا بھی ان کو گوارا نہیں تھا۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان شریف کا مہینہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے اوپر یہ مبارک مہینہ آگیا ہے، اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے، جو اس کے خیر سے محروم رہا پس وہ سارے خیر سے محروم رہا، اور اس کے خیر سے وہی محروم ہوتا ہے جو اصل کے اعتبار سے محروم ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

لیلۃ القدر کی بڑی برکات ہیں، یہ بھی اس مبارک کی فضیلت و برکت کی بات ہے کہ اللہ نے اس میں ایک رات ایک ہزار مہینہ سے بہتر رکھی ہے، یعنی اس رات کو پاکر اسکی قدر کرنے والا یعنی اس میں جاگ کر اللہ کی عبادت کرنے والا گویا ایک ہزار مہینوں کی خیر و برکات حاصل کرنے والا اور اتنے مہینوں کی عبادت کا ثواب پانے والا ہوتا ہے۔

ایک کتنی بڑی محرومی اور بدبختی کی بات ہے کہ آدمی ایسی خیر و برکت والی رات سے محروم رہے اور اس کی تلاش میں جستجو نہ کرے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لیلۃ القدر کو عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں تلاش کرو، طاق راتیں یعنی، اکیس ۲۱، تیئیس ۲۳، پچیس ۲۵، ستائیس ۲۷، انتیس ۲۹ کی راتیں ہیں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم تمام قیدیوں کو رہا کر دیتے اور کسی سائل کو واپس نہیں کرتے یعنی جو مانگنے والا آتا اسے آپ دیتے۔ (مشکوٰۃ)

چونکہ رمضان میں نیک عمل کا ثواب بہت بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ نفل کا درجہ فرض کے

ثواب کے برابر ہو جاتا ہے، اس وجہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس ماہ میں نیک عمل کرنے پر زیادہ حریص تھے۔ جس امت کا رسول رمضان کی خیرات و برکات حاصل کرنے کا اتنا حریص ہو وہ امت رمضان کے زمانہ کو بے پروائی اور لہو و لعب میں گذارے، کتنے افسوس کا مقام ہے۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رمضان کی آخری رات کو امت کی مغفرت کی جاتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا وہ لیلۃ القدر کی شب ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں وہ لیلۃ القدر کی شب نہیں ہوتی ہے، چونکہ بندہ پورے ماہ اللہ کی تابعداری اور فرمانبرداری نیک اعمال اور عبادت میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس رات اپنے کرم بے پایاں سے نوازتے ہیں اور اس کی مغفرت کا پروانہ لکھتے ہیں جیسے کوئی مزدور اپنا کام صحیح ڈھنگ سے انجام دیتا ہے تو اس کو اس کا پورا بدلہ دیا جاتا ہے۔

پس بڑے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اللہ سے مغفرت کا پروانہ حاصل کرنے کیلئے رمضان کے دنوں کو اللہ کی مرضیات اور اس کی عبادت میں گذاریں، اور بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو رمضان جیسی عظیم دولت کو پاکر اپنی مغفرت کا سامان نہ کریں۔

ص۴ کا بقیہ

اور قیامت کے بعد تک اور جنت و دوزخ وغیرہم (کذا) کا تمام علم غیب بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور مخلوق کی عقلوں سے بالاتر ہے آپ کی شانِ نبوت کو حاصل ہے۔" ص۲۹۱

فائدہ:۔ صوفی اللہ دتہ نے ابھی اس کا انکار کیا کہ اہل سنت کا یہ مسلک نہیں کہ آنحضور ہر وقت عالم ما کان وما یکون ہیں دونوں ہی بریلوی کے بڑے عالم ہیں عوام کس کی بات مانیں۔

(جاری)

شداد اور اس کی جنت کا بیان[1]

ماخوذ از تفسیر عزیزی

عاد قدیمہ اور عاد ثانیہ کے حالات

عاد کے نام سے دو قومیں گذری ہیں ایک کو عاد اولیٰ، عادِ قدیمہ اور عاد اِرم کہتے ہیں یہ عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، ان کے دادا ارم کی طرف منسوب کرکے انکو عاد ارم بھی کہا جاتا ہے، اپنے شہر کا نام بھی دادا کے نام پر ارم رکھا تھا، ان کا وطن عدن کے متصل تھا۔
دوسرے عاد ثانی یہ ایک اور آدمی تھا جو عاد قدیمہ کی نسل سے ہی بچ گیا تھا اس نے حضرموت کے قریب احقاف کو اپنا وطن بنایا وہاں اس کی اولاد بہت پھیلی اور ترقی کی، ان کا قصہ انکی طرف مبعوث کئے گئے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے، لیکن عاد اولیٰ / قدیمہ کا قصہ

---

(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عزیزی بڑی مشہور اور عجیب و غریب تفسیر ہے یہ فارسی زبان میں ہے اس کا قدیم اردو ترجمہ ہوا تھا، اسی ترجمہ کو پاکستانی نوجوان فاضل مولانا سخر ثاقب نے بڑی محنت سے پڑاشتہ اور رواں دواں بنادیا ہے یہ نیا ترجمہ پہلے پاکستان میں چھپا پھر میرے عزیز دوست اور مخلص کرم فرما حضرت مولانا مفتی احمد دیلوی مہتمم دارالعلوم قرآن جمبوسر بھروچ گجرات ہندوستان میں اپنے ادارہ سے شائع کیا، گاہے بگاہے زمزم میں اس تفسیر کے افادات شائع ہوتے رہیں گے۔

صرف دو جگہ پر آیا ہے، ایک تو اسی سورت میں ہے، دوسرے سورۂ نجم کی اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اھلک عادا الاولیٰ۔

عاد قدیمہ کا قصہ

آیت کی تفسیر کے لئے اس قصے کی جتنی ضرورت ہے اسکے مطابق یہاں ان کا قصہ نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو غیر معمولی قد و قامت اور قوت عطا فرمائی تھی، ان میں ہر شخص کا قدم از کم بارہ گز ہوتا تھا، طاقت کا یہ حال تھا کہ بڑے سے بڑا پتھر جس کو کئی آدمی مل کر اٹھا نہ سکیں اسکو ان کا ایک آدمی ایک ہاتھ سے اٹھا کر پھینک دیتا تھا، یہ لوگ طاقت و قوت کے بل بوتے پر پورے یمن پر قابض ہو گئے تھے اور دو بادشاہ خاص طور پر ان میں بہت جاہ وجلال والے تھے وہ دونوں بھائی تھے، ایک کا نام شدید تھا جو بڑا تھا، دوسرے کا نام شداد تھا جو اسکے بعد صاحب تخت ہوا، یہ دونوں پوری دنیا پر غالب آگئے تھے، اور بے شمار لشکر و خزانے انھوں نے جمع کئے تھے۔

شداد نے اپنے بھائی شدید کے مرجانے کے بعد سلطنت کی رونق و کمال کو عروج تک پہنچایا دنیا کے چار سو اور کچھ بادشاہ اس کے باجگذار تھے، روئے زمین پر کسی بادشاہ کی طاقت نہیں تھی کہ اس کا مقابلہ کرسکے، اس تسلط و غلبے نے اسکو اتنے غرور و تکبر میں مبتلا کر دیا کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

اس وقت کے علماء و واعظین نے جو سابقہ انبیاء کے علوم کے وارث تھے اس ملعون کو سمجھایا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور خدائی کے دعویٰ کی بجائے حق جل شانہٗ کی عبادت کی ترغیب دی تو وہ کہنے لگا، جو حکومت، دولت اور عزت اسکو اب حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے کیا حاصل ہوگا، جو کوئی کسی کی خدمت و اطاعت کرتا ہے یا تو عزت و منصب کی ترقی کیلئے کرتا ہے یا دولت کیلئے کرتا ہے مجھے تو یہ سب کچھ حاصل ہے مجھے کیا پرواہ کہ میں کسی کی عبادت کروں، انھوں نے کہا یہ حکومت و دولت دنیا کی فانی ہے، اللہ کی عبادت کروگے تو ثواب میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائیں گے جو ساری دنیا سے بہتر ہے، اس نے پوچھا جنت کیسی ہوتی ہے اسکی تعریف و خوبی بتاؤ، چنانچہ نصیحت کرنے والوں نے جنت کی وہ صفات جو انبیاء کرام کی تعلیمات کے ذریعہ انکو معلوم تھیں اس کے سامنے بیان کیں، تو اس نے کہا مجھے اس جنت کی ضرورت نہیں ویسی جنت تو میں دنیا میں ہی

بنا سکتا ہوں۔

شداد کی جنت

چنانچہ اس نے اپنے افسروں میں سے معتبر سو (۱۰۰) افسروں کو بلا کر ایک ایک کو ایک ہزار آدمی پر مقرر کیا کہ جس طرح یہ کہیں وہ لوگ کام کریں اور تعمیر کے کام کے سلسلے میں ہر افسر کو اپنا اپنا کام سمجھا دیا، اس کے بعد پوری دنیا میں یہ حکم نامہ بھیجا کہ سونے چاندی کی کانوں سے گنگا جمنی اینٹیں بنوا کر بھیجو، اور جتنے گڑے ہوئے خزانے ہیں تلاش کر کے نکال کر بھیجو، اور کوہ عدن کے متصل ایک مربع شہر (جنت) جو دس کوس چوڑا اور دس کوس لمبا ہو بنانے کا حکم دیدیا۔ اس کی بنیادیں اتنی گہری کھدوائیں کہ پانی کے قریب پہنچا دیں، پھر ان خندقوں کو سنگ سلیمانی سے بھروا دیا، جب بنیادیں بھر کر زمین کے برابر ہوگئیں تو ان پر سونے چاندی کی اینٹوں کی دیواریں چنی گئیں، ان دیواروں کی بلندی اس زمانے کے گز کے اعتبار سے پانچ سو گز مقرر کی گئی، جب سورج نکلتا تو اس کی چمک سے دیواروں پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ یہ شہر کی چار دیواری بنوائی گئی، اسکے بعد چار دیواری کے اندر ایک ہزار محل تعمیر کئے گئے، ہر محل ایک ہزار ستونوں والا تھا، اور ہر ستون جواہرات سے جڑاؤ کیا ہوا تھا۔

پھر شہر کے درمیان میں ایک نہر بنائی گئی اور ہر محل میں اس نہر سے چھوٹی چھوٹی نہریں لیجائی گئیں، اور ہر محل میں حوض اور فوارے بنائے گئے، ان نہروں کی دیواریں اور فرش یاقوت، زمرد مرجان اور نیلم سے بھر دیئے گئے، نہروں کے کناروں پر ایسے مصنوعی درخت بنائے گئے جن کی جڑیں سونے کی، شاخیں اور پتے زمرد کے، اور ان کے پھل پھول موتی و یاقوت اور دوسرے جواہرات کے بنا کر ان سے ٹانک دیئے گئے۔

شہر کی دکانوں، اور دیواروں کو مشک و زعفران، اور عنبر و گلاب سے سہگل کیا گیا، یاقوت و جواہرات کے خوبصورت پرندے چاندی کی اینٹوں کے بنوائے گئے جن پر پہرے دار اپنی اپنی باری پر آکر پہرے کیلئے بیٹھتے تھے۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی تو حکم دیا کہ سارے شہر میں ریشم و زردوزی کی قالینیں بچھا دی جائیں اور شہر کے تمام محلات میں سونے چاندی کے برتن چن دیئے جائیں۔

پھر نہروں میں سے کسی کے اندر میٹھا پانی، کسی میں شراب، کسی میں دودھ اور کسی میں شہد

و شربت جاری کر دیا گیا۔

بازاروں اور دکانوں کو کمخواب و زربفت کے پردوں سے آراستہ کر دیا گیا، اور ہر پیشہ و ہنر والے کو حکم دیا کہ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں، اور حکم دیا کہ اس شہر کے تمام باسیوں کیلئے ہر وقت ہر نوع و قسم کے پھل میوے پہنچا کریں۔

بارہ سال کی مدت میں یہ شہر جب اس سجاوٹ کے ساتھ تیار ہو گیا تو تمام امراء و ارکانِ دولت کو حکم دیا کہ سب اسی میں آباد ہو جائیں پھر خود بھی اپنے لاؤ لشکر کے ہمراہ انتہائی تکبر و غرور کے ساتھ اس شہر کی طرف روانہ ہوا، ان واعظ لوگوں میں سے بھی کچھ کو ساتھ لیا اور راستے میں ٹھٹھہ اور تمسخر کرتے ہوئے ان سے کہہ رہا تھا اسی جنت کیلئے تم مجھے کسی اور کے آگے جھکنے اور ذلیل ہونے کا کہہ رہے تھے، میری قدرت و دولت تم نے دیکھ لی؟

جب شہر کے قریب پہنچا تو تمام شہر والے اس کے استقبال کیلئے شہر کے دروازے سے باہر آگئے اور اس پر زر و جواہرات نچھاور کرنے لگے اسی نازو ادا میں چلتے ہوئے جب شہر کے دروازے پر پہنچا اور اس نے ایک قدم اندر رکھا اور دوسرا ابھی باہر ہی تھا کہ آسمان سے ایک خوفناک کڑک کی آواز آئی کہ وہ ساری مخلوق شداد سمیت شہر کے دروازے پر ہی ڈھیر ہو گئی، جس شہر کو اتنی محنت و مشقت سے تعمیر کروایا تھا اسکے دیکھنے کی حسرت دل ہی میں لیکر دنیا سے چلا گیا۔

وہ دو آدمی جن کی روح نکالتے ہوئے ملک الموت کو رحم آیا

بعض کتابوں میں نظر سے گذرا کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے پوچھا کہ تمہیں کبھی کسی بندے کی روح نکالتے ہوئے رحم بھی آیا ہے، تو ملک الموت نے عرض کیا دو آدمیوں کی روح قبض کرتے ہوئے مجھے رحم آیا، اگر جناب باری تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو میں انکی روح قبض نہ کرتا، پوچھا کہ وہ کون سے دو آدمی ہیں تو ملک الموت نے عرض کیا ایک تو اس عورت کی روح قبض کرتے ہوئے ترس آیا جس کے ابھی ابھی بچہ پیدا ہوا تھا اور وہ دونوں ایک کشتی کے تختے پر رہ گئے تھے، مجھے اس عورت کی روح قبض کرتے ہوئے اس بچے پر ترس آیا کہ اس کا کیا بنے گا۔

دوسرا ایک بادشاہ تھا جس نے ایک شہر بڑی آرزؤوں کے ساتھ بنایا تھا مگر اس نے جب اسکو دیکھنے کیلئے ابھی اس کے دروازے پر ہی قدم رکھا تھا کہ اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا، افسوس ہوا کہ یہ کتنی حسرتیں دل میں لئے چلا گیا۔ ملک الموت کے اس کہنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ یہ بادشاہ وہی لڑکا تھا، اس کو ہم نے بغیر ماں کے پرورش کیا، اور اس مقام و مرتبے تک پہنچایا یہاں پہنچ کر اس نے ہماری اطاعت و فرمانبرداری سے منہ موڑا اور تکبر اختیار کیا، سو اپنے انجام تک پہنچ گیا۔

شداد کا پس منظر

کہتے ہیں وہ کشتی کا تختہ جس پر یہ بچہ رہ گیا تھا بہتا ہوا دھوبیوں کے گاؤں کے قریب دریا کے کنارے آ لگا، دھوبیوں نے اسکی ماں کا جنازہ دفن کر دیا اور بچے کو اپنے سردار کے پاس لے آئے، سردار اس بچے کے حسن و جمال کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گیا، اس کے اولاد بھی نہیں تھی اسلئے اس نے اسکو بیٹا بنا لیا، اور اس کی پرورش کرنے لگا، ابھی سات برس کا ہی ہوا تھا کہ اسکی عقل و دانائی اور چالاکی غیر معمولی نظر آئی تھی۔

ایک دن گاؤں سے باہر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اچانک شور ہوا کہ بادشاہ کی سواری آرہی ہے سارے لڑکے بھاگ گئے مگر یہ شوخ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور بادشاہ کی سواری اور اسکے لشکر کا تماشا دیکھنے لگا یہاں تک کہ سارا لشکر گذر گیا۔ لشکر کے پیچھے چند پیادے جو لشکر کی گری ہوئی چیزوں کے اٹھوانے کے کام پر ہوتے ہیں آئے، ان میں سے ایک کو وہاں سے ایک پوٹلی گری ہوئی ملی کھولی تو اس میں سرمہ دانی اور سلائی تھی، ساتھیوں سے کہا اگر تمہارا مشورہ ہو تو یہ سرمہ آنکھوں میں لگا کر دیکھوں یوں بھی میری آنکھیں خراب ہو رہی ہیں شاید اس سے کچھ فائدہ ہو جائے انھوں نے کہا ایسے مناسب نہیں جب تک تجربہ نہ ہو جائے کہ مفید ہے کہ نہیں، اس آدمی نے جو دیکھا تو ٹیلے پر کھڑا یہ لڑکا نظر آیا اس کو بلایا کہ اس پر تجربہ کر کے دیکھ لیں، لڑکے سے کہا آؤ ہم سرمہ لگاتے ہیں، تمہاری آنکھیں خوبصورت لگیں گی۔ لڑکے نے خود ہی سرمہ دانی اور سلائی لی اور آنکھوں میں سرمہ لگایا، سرمہ لگتے ہی زمین کے اندر کے تمام خزانے اسکو نظر آنے لگے، لڑکے نے انتہائی چالاکی و ہوشیاری کی کو فوراً چیخنے لگا ظالمو تم نے میری آنکھیں پھوڑ دیں، وہ پیادے سرمہ اسی کے ہاتھ میں چھوڑ کر وہاں سے

بھاگ گئے، وہ سر پر رکھ کر اپنے منہ بولے باپ کے پاس پہونچا اور زمین کے خزانے نظر آنے کا سارا واقعہ سنایا، دھوبیوں کے سردار نے اس سے کہا، اپنے گدھے اور خچر رات کو کچھ مزدوروں کے ساتھ لے جایا کرو جہاں جہاں خزانے نظر آئیں کھود کر خچروں پر لاد کر لے آیا کرو، چنانچہ اس نے راتوں کو یہ سلسلہ شروع کر دیا، اور بہت سارا خزانہ جمع کر دیا، اس کے بل بوتے پر گاؤں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا اور گاؤں کے سردار کو قتل کر کے خود گاؤں کا سردار بن گیا جب اس کی خبر بڑے سرداروں اور حاکموں کو پہنچی تو انھوں نے اسکی سرکوبی کی کوشش کی مگر اس نے بھی اپنی فوج بنالی اور ان کے ساتھ مقابلہ کیا یہاں تک بڑھتے بڑھتے اس نے اپنی قوت بہت بڑھادی، اور ملک کا بادشاہ جوں ہی مرا اس نے فوج کشی کر کے ملک پر قبضہ کرلیا اس طرح وہ بادشاہ بن گیا اور وہاں سے بڑھتے بڑھتے سارے بادشاہوں کو اپنا تابعدار و فرمانبردار بنالیا۔

شداد کی ہلاکت کے بعد اس شہر کا انجام

معتبر تفسیروں میں لکھا ہے کہ بادشاہ اور اسکے لشکر کے ہلاک ہونے کے بعد وہ شہر بھی لوگوں کی نگاہ سے اوجھل کر دیا گیا، مگر کبھی کبھی رات کے وقت عدن اور اسکے اردگرد کے لوگوں کو اسکی کچھ روشنی اور جھلک نظر آجاتی ہے، یہ روشنی اس شہر کی دیواروں کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن قلابہ رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں اتفاق سے ادھر کو چلے گئے، اچانک آپ کا ایک اونٹ بھاگ گیا، آپ اسکو تلاش کرتے کرتے اس شہر کے پاس پہنچ گئے جب اس کے میناروں اور دیواروں پر نظر پڑی تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو سوچنے لگے کہ اس شہر کی صورت حال تو ویسی ہی نظر آتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جنت کی بیان فرمائی ہے، میں خواب دیکھ رہا ہوں یا کیا معاملہ ہے، اسی حال میں اٹھ کر شہر کے اندر گئے اس کے اندر محلات، اور نہریں اور درخت بھی جنت کی طرح کے دیکھے، لیکن کوئی انسان وہاں نہیں تھا، وہاں پڑے ہوئے کچھ جواہرات اٹھائے اور واپس چل دیئے، وہاں سے سیدھے دمشق میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان سے اسکے سارے حالات بیان کئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا وہ شہر آپ نے بیداری میں دیکھا کہ خواب میں انھوں نے بتایا بالکل بیداری میں دیکھا ہے پھر اسکی ساری نشانیاں بتائیں کہ عدن کے پہاڑ سے فلاں جانب

محمد ابو بکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

طلاق ثلاث کے وقوع پر جمہور اہل سُنت کے کچھ دلائل کا تذکرہ

مکرمی حضرت مولانا غازی پوری صاحب دام ظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مبارک

اطلاعاً عرض ہے کہ جناب کا مؤقر مجلہ زمزم - دوماہی پابندی سے مل رہا ہے جس سے میں اور میرے احباب کافی فائدہ اٹھا رہے ہیں، سوالات کے جوابات کے سلسلہ نے اس پرچہ کی قیمت اور اہمیت کو بہت بڑھا دیا ہے، آپ کے جوابات بڑے تحقیقی اور عام فہم اور اطمینان بخش ہوتے ہیں، میرے احباب میں سے بعض اہلحدیث بھی ہیں جو مزاجاً کچھ سنجیدہ ہیں وہ بھی زمزم کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کا ان کو انتظار رہتا ہے۔

ایک گذارش ہے کہ زمزم میں طلاق کے موضوع پر اب تک کوئی تحریر نہیں آئی ہے جب کہ یہ موضوع بڑا اہم ہے، براہ کرم اس بارے میں بھی آپ کچھ تحریر فرمادیں مہربانی ہوگی اور ہم سب کو فائدہ ہوگا۔ والسلام

(محمد عادل بارہ بنکی یوپی)

ناظرین! طلاق کے موضوع پر اب تک کوئی سوال نہیں آیا تھا، اور نہ اس کی کوئی ضرورت محسوس کی تھی، اس لئے کہ یہ موضوع میرے نزدیک مفروغ عنہ ہے، اس بارے میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، خصوصاً مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ۔ الاعلام المرفوعہ، اس موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، آپ حضرات

اس رسالہ کا مطالعہ کریں تو طلاق کا مسئلہ آئینہ ہو جائے گا اور حق پسندوں کو کوئی خلجان باقی نہیں رہے گا۔ میں بھی جو کچھ لکھوں گا اسی رسالے سے مستفاد ہوگا۔

(۱) پہلی بات تو آپ یہ معلوم کریں کہ ایک مجلس کی ایک دفعہ دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہونے پر اور اس طلاق کے بعد بی بی کو شوہر کے پاس بلا دوسرا نکاح کئے اور اس دوسرے شوہر سے بلا خلوتِ صحیحہ ہوئے نہ جانے پر جمہور امت متفق ہیں، یہ صرف احناف کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ امام ابوحنیفہ کے علاوہ تینوں دوسرے ائمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور یہی مذہب جمہور محدثین کا بھی ہے، مثلاً امام اوزاعی، امام نخعی، امام ثوری، امام اسحٰق، امام ابو ثور، امام بخاری کا بھی یہی قول ہے، بلکہ جمہور صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ سلف و خلف اس کے قائل ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مسلم شریف کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وقد اختلف العلماء فی من قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالک وابوحنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث (ص۴۷۸ج۱ نووی)

یعنی اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تجھکو تین طلاق ہے تو کتنی طلاق واقع ہوگی، تو امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور سلف و خلف کے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ تین طلاق پڑ جائیگی۔

اور علامہ عینی بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:

ومذھب جماھیر العلماء من التابعین ومن بعدھم منھم الاوزاعی والنخعی والثوری وابوحنیفۃ واصحابہ ومالک والشافعی و اصحابہ واحمد واصحابہ واسحٰق وابو ثور وابو عبید وآخرون کثیرون علی ان من طلق امرأتہ ثلاثا وقعن لکنہ یاثم ص۵۳۷ج۲۰

یعنی تابعین اور ان کے بعد کے جمہور علماء، مثلاً امام اوزاعی، امام نخعی،

امام ثوری امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب امام مالک، امام شافعی اور انکے اصحاب امام احمد اور ان کے اصحاب امام اسحٰق امام ابو ثور ابو عبید اور ان کے علاوہ دوسرے اور بہت سے علماء کا یہ مذہب ہے کہ جس نے اپنی عورت کو تین طلاق دیا تو تینوں پڑجائینگی لیکن طلاق دینے والا اس طرح طلاق دینے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

خود غیر مقلدوں کے امام ثانی ابن قیم بھی یہی کہتے ہیں، چنانچہ وہ اپنی کتاب زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

تین طلاق بیک زبان دینے سے تینوں طلاق کے واقع ہوجانے کے قائل ائمہ اربعہ اور جمہور تابعین اور بہت سے صحابہ کرام ہیں۔ ص ۲۴۷/ ج ۵

پس معلوم ہوا کہ جو لوگ تین طلاق کے وقوع کے قائل نہیں ہیں ان کا مذہب شاذ اور جمہور علماء سلف وخلف کے خلاف ہے۔

اور جمہور اہل سنت کے اس بارے میں جو دلائل ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیا تو اس عورت نے دوسرے آدمی سے نکاح کر لیا، تو اس دوسرے شوہر نے بھی اسکو طلاق دے دیا، تو اس بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کیا گیا کہ کیا وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں تا آنکہ یہ دوسرا شوہر اس سے لطف اندوز نہ ہولے۔

اس عورت کو پہلے شوہر نے تین طلاق مجموعی یعنی ایک ہی مجلس میں دی تھی چنانچہ اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی فرماتے ہیں۔

فانہ ظاھر کونھا مجموعۃ یعنی طلقھا ثلاثا۔ یعنی طلقھا ثلاثاً جو حدیث میں وارد ہوا ہے تو اس کا ظاہر یہی ہے کہ اس آدمی نے ایک ساتھ تین طلاق دی تھی، اور اسکے ظاہری مفہوم سے علماء نے استدلال کیا ہے —— ایک بات یہ یاد رکھئے کہ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں اس آدمی نے تین طلاق کیسے دی تھی الگ الگ دی تھی یا ایک ہی مجلس میں دی تھی، تو یہ محض ایک باطل

اور شرح حدیث نے بتلایا کہ اس کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اکٹھی تین طلاق دی گئی تھی اور جو لوگ ظاہر نص سے استدلال کرتے ہیں ان سے یہ مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کہ تم یہ ثابت کرو کہ یہ تین طلاق الگ الگ نہیں دی گئی تھی، ہاں یہ مطالبہ ان سے کیا جائے گا جو خلافِ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ تین طلاق الگ مجلسوں میں دی گئی ہو، وہ اپنے اس ہو سکتا۔ کو دلیل سے ثابت کریں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے۔ باب من جوز الطلاق الثلاث، اور بعض نسخوں میں باب من اجاز الطلاق الثلاث ہے۔ پہلی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس باب میں اس کا بیان ہے کہ تین طلاق اکٹھی کا دینا جائز ہے اور دوسری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تین طلاق اکٹھی نافذ العمل ہے۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو کیا میرے لئے اس سے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور تیرا یہ عمل گناہ ہوتا۔

اس روایت کو متعدد محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے، مثلاً یہ روایت سنن بیہقی میں ہے، اور دارقطنی میں ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

یہ روایت بھی مسئلہ زیر بحث میں بالکل واضح ہے۔ اور اس میں صاف یہ بھی مذکور ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو گناہ قرار دیتے ہوئے طلاق کو نافذ قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی عمل کا گناہ ہونا اور بات ہے اور اس کے حکم کا مرتب ہونا اور بات ہے، یعنی کسی عمل کے گناہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمل ہی باطل ہو، مثلاً اگر روزہ دار روزہ کی حالت میں گالی گلوج کرے، غیبت کرے تو یہ گناہ تو ہے مگر اس سے اس کے روزہ کا بطلان لازم نہیں آتا۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ چونکہ تین طلاق اکٹھی دینا گناہ کا کام ہے اس وجہ سے اس کا

طلاق دینا باطل ہوگا ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہ بتلاتے ہوئے تین طلاق دینے کو
لازم قرار دیں اور غیر مقلدین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف یہ کہیں کہ طلاق
لازم نہیں ہوگی ۔

اور ان کی دوسری بات جو حد درجہ مضحکہ خیز ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس
صورت میں ایک طلاق پڑے گی ۔

سوال یہ ہے کہ جب گناہ ہونے کی وجہ سے تین طلاق نہیں پڑ سکتی تو ایک طلاق
کیوں پڑے گی ؟ غیر مقلدین عموماً اس طرح کی خلافِ عقل اور مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں ۔

دارقطنی وغیرہ کی یہ روایت بہت واضح ہے کہ تین طلاق پڑ جائے گی تو غیر مقلدین
نے اس روایت کو رد کرنے کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا کہ دارقطنی کی روایت جس سند سے ہے
اس میں ایک راوی عطا خراسانی ہیں اور وہ مجروح ہیں اس وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے
اس لئے اس کا اعتبار نہیں ۔

تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ آپ کے یہاں ضعیف روایت کا اعتبار نہ ہوتا
ہوگا مگر جمہور محدثین ضعیف حدیث کا اعتبار کرتے ہیں تو آپ آنحضور کے اس ارشاد
پاک کو رد کرکے اپنی جگہ خوش رہیے مگر جن کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث
بھی قابلِ استدلال ہوتی ہے ان سے آپ مت جھگڑیئے، ان کو بھی خوش رہنے کا موقع
دیجیے ۔ (۱)

---

(۱) غیر مقلدین ابن تیمیہ کے مداح اور ان کے قائل ہیں، طلاق کے مسئلہ میں وہ ابن تیمیہ ہی کے خوشہ چیں
ہیں وہ ابن تیمیہ بھی اپنی کتابوں میں اہم مسائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں، ابن تیمیہ کا ایک
رسالہ الوصیۃ الکبریٰ کے نام سے ہے جس میں دین کی بنیادی باتوں کا ذکر ہے، اس میں ابن تیمیہ نے یہ حدیث
ذکر کی ہے ۔ من قرأ القرآن فاعربہ فلہ بکل حرف حسنات ۔ یعنی جس نے قرآن کو اعراب
کے ساتھ پڑھا تو اس کیلئے ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیاں ہیں، اس رسالہ کا محقق محمد بن الحمود لکھتا ہے

پھر یہ ضعیف حدیث تو بخاری مسلم کی صحیح روایت کے عین مطابق ہے تو اس کا اعتبار کیوں نہ ہوگا۔ اگر کوئی حدیث ضعیف ہی ہو مگر اس کی تائید صحیح حدیث سے ہو رہی ہو تو اس کا اعتبار سارے محدثین کے یہاں ہوتا ہے، آپ کیسے اہلحدیث ہیں کہ محدثین کی چال سے الگ الٹی چال چلتے ہیں اور اپنا نام پھر بھی اہلحدیث ہی رکھیں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس کا ضعیف ہونا امام مالک کو معلوم نہیں ہوا، امام شافعی کو معلوم نہیں ہوا، امام احمد کو معلوم نہیں ہوا، امام ابوحنیفہ کو معلوم نہیں ہوا، اور ان تمام سلف وخلف کو معلوم نہیں ہوا جن کا مذہب یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہوتی ہے۔

اور نہ ان حضرات کو یہ معلوم ہوا کہ تین طلاق دینا گناہ ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے تین طلاق نہیں صرف ایک طلاق پڑے گی، یہ بات صرف غیر مقلدوں کو اور ابن قیم اور انکے امام ابن تیمیہ ہی کو معلوم ہوئی۔

بہرحال چاہے غیر مقلدین اس حدیث کا انکار کریں مگر جمہور امت نے اس کا اعتبار کیا ہے۔

(۳) تیسری حدیث جس کو امام شافعی ابوداؤد و ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم دارقطنی وغیرہ نے حضرت رکانہ سے روایت کیا ہے، روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

حضرت رکانہ نے اپنی بی بی کو لفظ بتہ سے طلاق دی اس کے بعد وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کی بابت سوال کیا تو حضورؐ نے پوچھا اس سے تمہاری نیت کیا تھی؟

ضعیف جدا یعنی بہت زیادہ ضعیف حدیث ہے، دیکھئے ابن تیمیہ نے جو یہ حدیث ذکر کی ہے وہ صرف ضعیف نہیں ہے بلکہ بہت زیادہ ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی نہشل نامی ہے جو متروک ہے، امام بخاری کے استاذ ابن راہویہ اس کو جھوٹا قرار دیتے ہیں، مگر ابن تیمیہ اس حدیث

تو انھوں نے کہا کہ میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تو آپ نے قسم دیکر پوچھا تو انھوں نے اللہ کا نام لے کر کہا کہ میرا ارادہ ایک ہی کا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو پھر ایک طلاق ہوگی جیسا کہ تیرا ارادہ تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت رکانہ سے تین بار قسم لی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ کی تین طلاق واقع ہوجاتی ہے ورنہ آپ کو قسم لینے کی کیا ضرورت تھی، یہ حدیث بھی محدثین کی تصریح کے مطابق صحیح ہے۔

لفظ البتہ طلاق کنائیہ ہے، اور طلاق کنائی میں جیسا متکلم کا ارادہ ہوتا ہے وہی مراد بھی ہوتی ہے، اگر اس نے ایک کا ارادہ کیا ہے تو ایک اور اگر تین کا ارادہ کیا ہے تو تین۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔

وقد اختلف اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه و سلم وغیرهم فی طلاق البته فروی عن عمر بن الخطاب انه جعل البته واحدة وروی عن علی انه جعلها ثلاثا وقال بعض اهل العلم فیه نیة الرجل ان نوی واحدة فواحدة و ان نوی ثلاثا فثلاث وان نوی ثنتین لم تکن الا واحدة وهو قول الثوری و اهل الکوفة وقال مالك بن انس فی البتة ان کان قد دخل بها فهی ثلاث تطلیقات وقال الشافعی ان نوی واحدة فهو واحدة وان نوی ثنتین فثنتین وان نوی ثلاث فثلاث۔

یعنی اہل علم اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے علاوہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے طلاق البتہ دی تو کتنی طلاق پڑے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک طلاق واقع ہوگی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ تین طلاق پڑے گی اور بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ اگر طلاق دینے والے نے ایک کی نیت کی ہے تو ایک پڑے گی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہوگی اور دو کی نیت کی ہے تب بھی ایک ہی واقع ہوگی اور یہی مذہب امام ثوری اور تمام اہل کوفہ کا ہے اور امام مالک

کا قول ہے کہ اگر عورت مدخول بہا ہے پس تین طلاق واقع ہوگی اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک کی نیت کی ہے تو ایک، دو کی نیت کی ہے تو دو تین کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

حضرت رکانہ کی یہ حدیث صریح ہے اگر انھوں نے تین کی نیت کی ہوتی تو اکٹھی تین طلاق واقع ہو جاتی اور یہی جمہور اہل علم کا مذہب ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو اکٹھی یا الگ الگ تین دفعہ کہ کر طلاق دی ہے کہ کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں دی تو تینوں واقع ہو جائینگی اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رکانہ کی نیت کے بارے میں حلفیہ بیان نہ لیتے۔

اب اگر غیر مقلدین اس حدیث کا انکار کریں اور نہ مانیں تو وہ مانیں اس مسئلہ میں جمہور اہل اسلام کے خلاف تو ہیں ہی، اب بات بنانے کیلئے حدیث ضعیف ہے، کمزور ہے، ہم نہیں مانیں گے کی وہ رٹ لگائے رہتے ہیں، چلو تسلیم کہ حدیث ضعیف ہے مگر کیا ہر ضعیف حدیث ناقابل استدلال ہوتی ہے، خوب یاد رکھئے کہ جس حدیث پر جمہور اہل اسلام کا عمل ہو یا دور اول میں یعنی صحابہ وتابعین کے دور میں اس کا اعتبار کیا گیا ہو اس کا سنداً ضعیف ہونا قطعاً قابل توجہ نہیں ہے، مثلاً دیکھئے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے، لیکن پوری امت وضو میں بسم اللہ پڑھنے کو مسنون قرار دیتی ہے، اور غیر مقلدین تو وضو میں بسم اللہ پڑھنے کو فرض اور رکن بتلاتے ہیں، اسی طرح اور بھی بہتیرے مسائل ہیں حدیث ضعیف ہے مگر عملاً قوی ہے اور اس پر بلا نکیر محدثین وفقہاء کا عمل ہے۔ (۱)

(۴) دارقطنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثا فلا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ ویذوق کل واحد منھما عسیلۃ الآخر۔

---

(۱) اس کی تفصیل کیلئے میرا رسالہ غیر مقلدین کا حدیث کے بارے میں معیار ردو قبول اور میری کتاب غیر مقلدین کیلئے لمحہ فکریہ دیکھو

یعنی جب شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو وہ اس کیلئے حلال باقی نہیں رہتی ہے۔ بلا دوسرے شوہر سے نکاح کئے، اور اس کے ساتھ صحبت صحیح کئے ہوئے اپنے پہلے شوہر کے نکاح میں دوبارہ نہیں آسکتی۔

یہ حدیث بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے اور جمہور اہل اسلام کی دلیل ہے، مگر چونکہ اس حدیث سے غیر مقلدین کا مذہب باطل قرار پاتا ہے اس وجہ سے غیر مقلدین کو یہ حدیث بھی ضعیف ہی نظر آتی ہے۔

(۵) پانچویں حدیث بھی دارقطنی کی ہے، اس میں ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی اذھبی فانت طالق ثلاثا یعنی تو چلی جا تجھ کو تین طلاق ہے، عائشہ چلی گئیں، بعد میں حضرت حسن کو معلوم ہوا کہ عائشہ اس طلاق سے بہت رنجیدہ ہیں تو ان کی آنکھ سے آنسو نکل آیا اور فرمایا کہ اگر میں اپنے والد سے نہ سنا ہوتا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین مبہم (یعنی بیک لفظ) یا تین طہروں میں تین طلاق دے تو جب تک وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرلے پہلے کیلئے حلال نہیں ہوسکتی، اگر میں نے نانا جان کی یہ بات نہ سنی ہوتی تو میں عائشہ سے رجعت کرلیتا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو یہ فرمائیں کہ اکٹھی تین طلاق دینے سے حضورؐ کے فرمان کیمطابق طلاق واقع ہوجاتی ہے، لیکن غیر مقلدین یہ کہیں کہ واقع نہیں ہوتی ہے، جمہور امت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کے رد کر دینے کی جرأت نہ ہوئی مگر غیر مقلدین کو اس کی جرأت ہوئی اس وجہ سے کہ وہ اس میدان کے بڑے شہسوار ہیں اور احادیث رسول کا رد کرنا انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

(۶) دارقطنی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بدعی طریقہ پر طلاق دے گا چاہے ایک دے چاہے دو یا تین ہم اسکو لازم کردیں گے یعنی ان تمام صورتوں میں طلاق واقع ہوجائیگی۔

دیکھیے جس عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لازم اور نافذ کررہے ہیں غیر مقلدین اسکو

حضور کے حکم کے خلاف باطل قرار دے رہے ہیں اور نہیں مانیں گے نہیں مانیں گے کی رٹ لگائے رہتے ہیں۔

(۷) ساتویں حدیث دارقطنی اور مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دے ڈالیں اس کے لڑکوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ کا ارشاد تھا کہ اگر تمہارا باپ اللہ سے ڈرتا تو اس کے لئے اللہ کوئی راستہ نکالتا، اب تو تمہاری ماں تمہارے باپ کے نکاح سے تین طلاق کی وجہ سے نکل گئی، اور بقیہ کا گناہ اس کے سر پڑا۔

یہ حدیث بھی مسئلہ زیر بحث میں واضح ہے کہ تین طلاق سے تینوں طلاقیں پڑجاتی ہیں۔

(۸) آٹھویں حدیث اس بارے میں یہ ہے۔

عن عامر الشعبی قال قلت لفاطمة بنت قیس حدثینی عن طلاقك قالت طلقنی زوجی ثلاثا وهو خارج الی الیمن فاجاز ذلك رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

یعنی شعبی کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ مجھ سے اپنی طلاق کا قصہ بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ میرے شوہر نے یمن کے سفر پر جب وہ تھے تو انھوں نے مجھ کو تین طلاقیں دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کے نافذ ہونے کا فتویٰ دیا۔

یہ حدیث بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے، اور محدثین نے اس سے ایک مجلس میں تین طلاق کے واقع ہونے پر استدلال کیا ہے۔

ابن ماجہ میں یہ حدیث مذکور ہے۔ اور انھوں نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے اس کے الفاظ میں یہ ہے۔ باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد یعنی اس کا بیان کہ جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں اس کا بیان ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔[1]

---

(۱) ان تمام احادیث کو مولانا اعظمی نے اپنے رسالہ الاعلام میں ذکر کیا ہے، اور بتلایا ہے کہ ان میں بعض حدیثیں صحیح ہیں اور بعض احادیث حسن سے کم نہیں ہیں۔

چونکہ یہ ساری احادیث غیر مقلدین کے مذہب کے خلاف ہیں اس وجہ سے ان کا سارا زور ان احادیث کے ضعیف ثابت کرنے پر خرچ ہوتا ہے، خواہ اس کیلئے انصاف و دیانت کا خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

مثلاً دیکھئے کہ محدثین کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر ضعیف احادیث متعدد ہوں تو ان سب کے ملنے اور ایک دوسرے کی تائید سے وہ حدیث قابلِ احتجاج ہو جاتی ہے اور اس کا سند کے اعتبار سے یا متن کے اعتبار سے جو ضعف ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس بات کو علماء محدثین کے علاوہ خود غیر مقلدین کے اکابر اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں، مثلاً وضو میں بسم اللہ والی حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں۔ لا اعلم فی ھذا الباب حدیثا له اسناد جید یعنی میرے علم میں اس سلسلہ کی کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند عمدہ ہو، اور بزور فرماتے ہیں۔ کل ما روی فی ھذا الباب فلیس بقوی یعنی اس باب میں جو حدیث بھی روایت کی گئی ہے وہ قوی نہیں ہے (یعنی ضعیف ہے) اور حافظ منذری فرماتے ہیں۔ و فی الباب احادیث کثیرۃ لا یسلم شئ منھا عن مقال، یعنی اس باب کی بہت سی روایتیں ہیں مگر کوئی بھی صحیح نہیں ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ لیس فیه ما یثبت یعنی اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے ترمذی کی شرح میں اس سلسلہ کی جتنی روایات ان کو مل سکیں سب کو ذکر کیا ہے اور سب کو ضعیف بتلایا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا فیصلہ یہ ہے، فرماتے ہیں۔

قلت لا شك فی ان ھذا الحدیث نص علی ان التسمیة رکن للوضوء او شرط یعنی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حدیث اس بارے میں نص ہے اور صریح ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا رکن ہے یا شرط ہے۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں قلت احادیث ھذا الباب کثیرۃ یشد بعضھا بعضا بمجموعھا یدل علی ان لھا اصلاً۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ اس باب کی بہت

کرس کی اصل ہے۔ (تحفہ ص ۳۹ ج ۱)

اور امام منذری سے نقل کرتے ہیں۔

ولا شك ان الاحاديث التى وردت فيها وان كان لايسلم شئ منها عن مقال فانها تتعاضد بكثرة طرقها وتكتسب قوة

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنے کے سلسلے میں ایک حدیث بھی جرح سے خالی نہیں ہے، لیکن کثرت طرق کی وجہ سے اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

غیر مقلدین سے ہر شخص کو یہ پوچھنے کا حق ہے کہ جب بسم اللہ والی حدیث آپ کے عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے بقول اور محدث امام منذری کے بقول متعدد ہونے کی وجہ سے لہٰذا کثرت طرق کی وجہ سے قوی بن جاتی ہے اور اس سے استدلال کرنا صحیح ہو سکتا ہے اور اس سے وضو میں بسم اللہ کی رکنیت ثابت کی جا سکتی ہے، تو طلاقِ ثلاثہ والی حدیثیں اگر بفرض محال ان سب کو ضعیف بھی مان لیا جائے تو وہ کیوں نہیں ایک دوسرے سے مل کر قوی ہو سکتی ہیں اور ان سے کیوں نہیں استدلال کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ ان احادیث کی قوت اور بھی اس اعتبار سے بڑھ جاتی ہے کہ عام طور پر فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے، چند شاذ لوگوں کو چھوڑ کر پوری امت اسی کی قائل ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق واقع ہو جاتی ہے!

آپ نے اسی ایک مثال سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ غیر مقلدین اپنی راگ کے آگے کسی کی بھی سننے والے نہیں ہیں اور خود ان کے اکابر جو اصول مقرر کرتے ہیں جب کوئی بات ان کے مذہب کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی بھی دھجیاں اڑا دیتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے، ایسے انصاف پسند اہلحدیث ہیں یہ لوگ۔

خیر یہ تو چند احادیث کا ذکر تھا اور اب اس بارے میں صحابہ کرام کے کچھ آثار بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عمر کا اثر ۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ :

جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جاتا جو اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو آپ فرماتے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ طلاق دے تو اس کا تو مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے لیکن اگر تم اس کو تین مرتبہ طلاق دو گے تو وہ بیوی تمہارے اوپر حرام ہو جائیگی تا آنکہ وہ تیرے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔

بخاری و مسلم کے علاوہ یہ روایت احادیث کی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا اثر۔

مؤطا امام مالک میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں (تو اب اس بارے میں آپ کا فتویٰ کیا ہے؟) لوگ تو کہتے ہیں کہ میری بیوی مجھ سے جدا ہو گئی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا لوگ جو کہتے ہیں وہ درست کہتے ہیں تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی، شریعت کا یہی حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر:

مؤطا امام مالک اور احادیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے ڈالیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تین طلاقوں سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائیگی اور باقی طلاقوں کا گناہ اس پر ہوگا جن کے ذریعہ اس نے اللہ کی آیتوں کا ٹھٹھا کیا ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر:

---

(۱) یعنی تین طلاقیں تو حکم خداوندی کے مطابق ہیں کہ اس کا حکم قرآن میں مذکور ہے باقی جو بلاوجہ اس نے ستانوے طلاقیں دی ہیں وہ آیات قرآنیہ کے ساتھ گویا مذاق کرنا ہوا اور اس کا گناہ اس کے سر پر ہوگا۔

موطا، شرح معانی الآثار الطحاوی میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ کوئی اگر اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے تین طلاقیں دیدے تو کیا حکم ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ عورت ایک طلاق سے بائن ہو جائے گی اور تین سے ایسی ہو جائیگی کہ جب تک دوسرا نکاح نہ کریگی پہلے کیلئے حلال نہ ہوگی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا اثر :

شرح معانی الآثار میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص غیر مدخولہ عورت کو تین طلاق دیدے تو وہ اس کیلئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرلے۔

دارقطنی میں بھی ایک اثر فاروق اعظم کا ہے جس سے مدخولہ وغیر مدخولہ کا حکم یکساں ثابت ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر :

طحاوی شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ تین طلاق دی جانے والی عورت جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرلے وہ پہلے کیلئے حلال نہ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر :

موطا اور طحاوی میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے تین طلاقیں دے دی تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ یہ ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور تین طلاق سے اپنے شوہر پر ایسی حرام ہو جائیگی کہ جب تک دوسرا نکاح نہ کرلے پہلے کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔ (۱)

یہ چند صحابہ کرام کے فتوے ہیں ان کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے اسی قسم کے فتاویٰ منقول ہیں، یہ تمام فتاویٰ ان احادیث کے مطابق ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اسی طرح

---

(۱) مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ الاعلام المرفوعہ دیکھو۔

اگر بقول غیر مقلدین وہ ساری احادیث ضعیف بھی ہوں جیسا کہ غیر مقلدوں کا دعویٰ ہے تو یہ فتاویٰ ان احادیث کی تائید کرتے ہیں، جن سے وہ احادیث صحت کے اعلیٰ درجہ تک پہونچ جاتی ہیں۔

طلاق کا مسئلہ شریعت کا اہم مسئلہ ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم نہ ہوتا کہ تین طلاق واقع ہو جاتی ہے اور بلا دوسرے شوہر کے نکاح کے پہلے کیلئے وہ حلال نہیں ہو سکتی ہے تو یہ صحابہ کرام اس طرح کا فتویٰ نہ دیتے اور بیوی کو پہلے شوہر کیلئے حرام نہ قرار دیتے۔

اب غیر مقلدین اگر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے آثار کے برخلاف ایک مجلس کی تین طلاق کے تین ہونے کا فتویٰ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تقلید میں.. دیں تو آپ یا ہم ان کے ساتھ زبردستی تو نہیں کر سکتے۔

غیر مقلدین کا بڑا مستدل حضرت ابن عباس کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانہ سے لیکر حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور خلافت تک ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی سمجھا جاتا تھا، یہ تو حضرت عمرؓ نے سیاسۃً شریعت میں تبدیلی فرمادی اور تین طلاق کے تین ہونے کا فتویٰ نافذ کیا اور کسی کو دبدبہ فاروقی کی وجہ سے ان کے اس حکم کے خلاف لب ہلانے کی جرأت نہ ہوئی، آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود ابن عباس کا یہی فتویٰ بھی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہو جاتی ہیں، اگر بات وہی ہوئی جو غیر مقلدین کہتے ہیں تو حضرت ابن عباس اپنی روایت کے خلاف فتویٰ نہ دیتے اور یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے سیاسۃً شریعت کا حکم بدل ڈالا تو یہ بات صرف غیر مقلدین کہنے کی جرأت رکھتے ہیں کوئی ایمان والا اس طرح کی بات نہیں کر سکتا۔

وقوع طلاق ثلاثہ پر صحابہ کرام کا اجماع

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اگر کسی حدیث سے یہ ثابت بھی ہو کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی قرار دی جاتی تھیں تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تو تین طلاق تین ہونے پر

منعقد ہو چکا تھا، اور تمام امت نے اس اجماع کو تسلیم کیا اور حضرت عمر کے بعد سے آج تک جمہور کا یہی مذہب رہا ہے، طحاوی شریف میں ہے جب حضرت عمر نے صحابہ کرام کے مجمع میں اس کا اعلان کیا تو لم ینکرہ علیہ منہم منکر ولم یدفعہ دافع یعنی صحابہ کرام میں سے کسی نے حضرت عمرؓ کی بات کا انکار کیا اور نہ کسی نے ان کے ارشاد کو رد کیا اور فتح الباری میں ہے کہ:

فالراجح فی الموضعین تحریم المتعۃ وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عہد عمر علی ذلک ولم یحفظ ان احدا فی عہد عمر خالفہ فی واحدۃ منہما۔

یعنی راجح بات متعہ کے حرام ہونے اور تین طلاق کے واقع ہونے میں یہی ہے کہ تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور متعہ حرام ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ بات کسی سے منقول نہیں ہے کہ ایک صحابی نے بھی ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک میں بھی انکی مخالفت کی ہو۔

الغرض یہ بات یاد رکھئے کہ اگر حکم فاروقی کتاب و سنت کے خلاف ہوتا تو یہ محال تھا کہ صحابہ کرام ان کی بات کے آگے سر تسلیم خم کرتے، صحابہ کرام کے بارے میں اس کا تصور بھی محال ہے۔ یہ تو غیر مقلدین کی ہمت و جرأت ہے جو صحابہ کرام کے بارے میں اس طرح کا باطل خیال رکھتے ہیں، اور اس طرح وہ صحابہ کرام کی عظمت کو مجروح کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

غیر مقلدین کی جرأت و ہمت پر داد دینی ہوتی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے بارے میں جب گفتگو کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی عقل اور اپنے ایمان دونوں کنارے رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب جنھوں نے اعلام مرفوعہ کا جواب لکھا ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتویٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود نے جو حکم دیا وہ خفگی اور تہدید کا حکم ہے (الآثار المتبوعہ[111])

یعنی ان غیر مقلد صاحب کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعود نے غصہ میں خلاف

حکم شریعت فتویٰ دیا تھا، ہے کسی ایمان والے کا ایسا ایمان جو اس بات کو گوارا کرے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ غصہ اور تہدید کی وجہ سے شریعت کے خلاف فتویٰ دیں گے۔

اور یہی صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کو سیاسی حکم قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں اور بڑے طنطنہ سے فرماتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے اس مسئلہ کو نافذ فرمایا .... وہ شرعی نہیں بلکہ ایک سیاسی حکم ہے۔ (ص۳ ایضاً)

ماشاء اللہ کیا تحقیق ہے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاست کی خاطر حکم شریعت کو بدل ڈالا اور کمال یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی کے دور میں اور پھر حضرت معاویہ کے دور میں اور ائمہ کرام اور فقہائے اسلام کے دور میں حضرت عمر ہی کے زمانہ کے حالات باقی رہے کسی کو غیر مقلدوں والی عقل نہ آئی کہ جو حکم حضرت عمر نے سیاست کی بنا پر دیا تھا وہ اس کو اصل شریعت کی طرف لوٹائیں، اور اپنے زمانہ میں تین طلاق کے ایک ہونے کا فتویٰ دیں، شریعت کے اصل پاسبان تو یہ غیر مقلدین تیرہویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں اور ان میں جو عمل بالشریعۃ کا جذبہ کارفرما ہے اس سے امت کے جمہور خالی تھے، حتیٰ کہ صحابہ کرام تک میں بھی یہ جذبہ معاذ اللہ نہ تھا۔

امید ہے کہ یہ مختصر سی تحریر آپ کے لئے اس مسئلہ میں حق معلوم کرنے کیلئے کافی ہوگی اگر موقع ملے تو الاعلام المرفوعہ جو اس موضوع پر بہت محقق رسالہ ہے، ضرور دیکھ لیں، اور حضرت اعظمیؒ کی کتاب الازھار المربوعہ بھی کہیں سے مل جائے تو اس کا مطالعہ مزید بصیرت کا باعث ہوگا۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد ابوبکر غازی پوری — قسط ۵

مقامِ صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں
اور
مولانا مودودی

صحابہ سب کے سب معیارِ حق ہیں مولانا مودودی نے صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے کا انکار کیا ہے چنانچہ جماعتِ اسلامی کے دستورِ اساسی میں یہ بات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی دوسرا معیارِ حق نہیں اور یہی وجہ ہے کہ جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کوئی بھی تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ لیکن جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کی یہ بات کتاب و سنت کے بالکل خلاف ہے۔ صحابۂ کرام کو تو خود کتاب و سنت نے معیار قرار دیا ہے اور انکی اتباع کو لازم قرار دیا ہے اور انکی اتباع کرنے والوں کو قرآن نے جنت اور فوزِ عظیم کی بشارت دی ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجری تحتها الانهار خالدين فيها

یعنی مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور وہ لوگ جنھوں نے ان کی بھلائی ساتھ اتباع کی ہے۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے ان کیلئے جنت تیار کی ہے جس کے نیچے نہریں

ابدا ذلك هو الفوز العظيم۔ جاری ہیں وہ لوگ ہمیشہ اسمیں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

کوئی ہمیں بتلائے کہ اگر صحابہ معیار حق نہیں ہیں تو ان کی اتباع کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے اور انکی اتباع کرنے والوں کو رضوان خداوندی اور دخول جنت اور فوز عظیم کی یہ بشارت کیوں سنائی جارہی ہے، کیا صحابہ کرام کے علاوہ کسی اور امتی کی اتباع و اقتدار پر اس قسم کی بشارت ہے؟

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مھما اوتیتم من کتاب اللہ فالعمل به لاعذر لاحدکم فی ترکه فان لم یکن فی کتاب اللہ فسنة منی ماضية فان لم یکن من سنة ماضية فما قال اصحابی ان اصحابی بمنزلة النجوم فی السماء فایھا اخذتم به اھتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمة (الکفایة ص۴۸)

یعنی حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ جب تمہیں کتاب اللہ سے کوئی حکم ملے تو اس پر عمل کرنا ہے اور کسی کو اس کے چھوڑنے کا عذر نہیں۔ اگر اللہ کی کتاب میں وہ حکم نہ ہو تو میری جاری شدہ سنت پر عمل کرو، اور اگر میری جاری شدہ سنت بھی نہ ہو تو اس پر عمل کرو جو میرے اصحاب کا قول ہے۔ میرے اصحاب آسمان کے ستاروں جیسے ہیں جنکی بات بھی تم نے اختیار کی تم ہدایت پاؤگے۔ میرے اصحاب کا اختلاف رحمت ہے۔

نیز آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ

یعنی تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت کو اختیار کرو اور میرے بعد خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے دانتوں سے تھامو۔ دین میں

وایاکم ومحدثات الامور	نئی پیدا کی جانے والی باتوں سے بچو اسلئے کہ
فان کل بدعة ضلالة۔	دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے۔

آپ فرمائیں کہ اگر صحابہ کرام اور خلفائے راشدین معیار حق نہ ہوتے تو آنحضورؐ اتنی شدت کے ساتھ انکی سنت کے تھامنے اور دانتوں سے پکڑنے کا آخر حکم کیوں فرماتے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ آپ نے خلفائے راشدین کی سنت یعنی ان کی زندگی کے عام طور و طریق کے بارے میں یہ حکم فرمایا ہے یعنی آپ کا یہ حکم ان کے خلیفہ یا امیر اور حاکم ہونے کی حیثیت کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ جس طرح آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر نقش ہمارے لئے اسوہ ہے اور آپ کا ہر عمل ہمارے لئے قابلِ اتباع ہے، اسی طرح خلفائے راشدین کی مبارک زندگی کا ہر عمل ہمارے لئے مینارۂ نور ہے جسے اختیار کرنے کے بعد انسان صراط مستقیم پر آجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے لئے سنت کا لفظ استعمال کیا یہی لفظ خلفائے راشدین کیلئے استعمال کیا ہے۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

والذی لاریب فیہ انہ حجة	یعنی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خلفائے راشدین
ما کان من سنة الخلفاء الراشدین	نے مسلمانوں کیلئے جو سنت جاری کی وہ حجت
الذی سنوہ للمسلمین ولم ینقل	ہے اور کسی صحابی سے یہ منقول نہیں کہ اس نے اس
ان احداً من الصحابة خالفہم فیہ	باب میں آپکی مخالفت کی ہو اور یہ یعنی ان کا
فھذا لاریب انہ حجة بل اجماع وقد	مخالفت نہ کرنا اس کی دلیل بلکہ اجماع ہے کہ خلفائے
دل علیہ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم	راشدین کا عمل حجت ہے اس بات کو آنحضورؐ
بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔	نے اپنی اس حدیث میں فرمایا علیکم بسنتی الخ

(القیاس فی الشرع الاسلامی ص۲۶)

صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کا انکار کرنا درحقیقت بڑی جسارت ہے اور مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف ایک نیا نکتہ یا نیا عقیدہ پیدا کرنا ہے اور دانستہ یا نادانستہ

امتِ مسلمہ کو صراطِ مستقیم سے ہٹانا ہے اور صحابۂ کرام کی عظمت و حرمت سے قلوب کو فارغ کرنے کی ایک ناروا کوشش ہے۔ صحابۂ کرام کا مقام و معیار کیا ہے اور دین میں ان کی کیا حیثیت ہے۔ کتاب و سنت کا ان کے بارے میں کیا فیصلہ ہے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ یہاں صحابۂ کرام کے معیارِ حق ہونے کے سلسلے کی ایک حدیث اور سن لیجئے۔ آنحضورؐ کا ارشاد ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ	یعنی عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت
رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ	ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ میری امت کے تہتّر
صلی اللہ علیہ وسلم تفترق امتی علیٰ	فرقے ہوں گے سوائے ایک کے سب جہنم میں
ثلٰث وسبعین ملۃ کلھم فی النار	ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ وہ ایک مستثنیٰ فرقہ کون ہے
اِلّا واحدۃ قیل من ھم یارسول اللہ	تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ میرے
قال ما انا علیہ واصحابی۔ (مشکوٰۃ)	اور میرے اصحاب کے طریق پر ہیں۔

یہ حدیث اس باب میں نص صریح ہے کہ جس طرح آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی معیار ہے اور آپ کے طریقہ و سنت پر ہونا باعثِ نجات ہے، اسی طرح صحابہ کرام کی ذواتِ مقدسہ بھی معیار ہیں اور انکی اتباع و اقتدا کرنا جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

اندازہ لگائیے کہ اس صریح حدیث اور ارشادِ رسولؐ کے بعد بھی یہ کہنا کہ صحابہ کی ذات معیار نہیں ہے کس درجہ جرأت بیجا ہے اور آنحضورؐ کے ارشادات سے اغماض، چشم پوشی بلکہ انکار کی کیسی بدترین مثال ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان کی روایت ہے کہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی	میرے بعد حضرت ابوبکر و عمر کی پیروی کرو اور
ابی بکر وعمر واھتدوا بھدی عمار	حضرت عمار کے طریقے کو اختیار کرو اور ابن عبد
وتمسکوا بعھد ابن ام عبد۔	یعنی عبد اللہ بن مسعود کے طور طریقہ کو مضبوطی
(طبقات الفقہاء، صفحہ ۱۷۰)	سے تھام لو۔

نیز آنحضورؐ کا ارشاد ہے:

عمر معی وانا مع عمر والحق — یعنی عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ
بعدی مع عمر حیث ما کان۔ — ہوں اور حق میرے بعد عمر کے ساتھ ہے جہاں
(ایضاً صفحہ) — بھی وہ ہوں۔

نیز آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

رضیت امتی ما رضی لہا — یعنی میں نے اپنی امت کیلئے وہ بات پسند کی
ابن ام عبد۔ — جو بات ابن مسعود نے اس کیلئے پسند کی۔

(طبقات الفقہا صفحہ ۱۱)

غور فرمائیے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں صحابۂ کرام کو امت کیلئے معیار قرار دیا ہے یا نہیں؟ اگر صحابہ کرام معیار نہ ہوتے اور ان کا مقام و مرتبہ بھی عام افراد امت کا ہوتا تو پھر انکی اتباع و اقتدار کا یہ تاکیدی حکم کیوں ہوتا۔ کیا عام افراد امت میں سے بھی کسی کے بارے میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات منقول ہیں؟

صحابہ کرام کو معیار نہ قرار دینے کا اصل راز

صحابہ کرام کے معیار حق نہ ہونے کا شوشہ غالباً اسلئے چھوڑا گیا ہے کہ کتاب و سنت کے بارے میں از خود ایک نقطۂ نظر پیدا کر لیا جائے، شریعتِ الٰہیہ کو اپنی مرضی کا پابند بنایا جائے اور اسکی تشریح و تعبیر میں آزادانہ رویہ اختیار کیا جائے اور جب کوئی کہے کہ جناب آپنے کتاب وسنت کا جو مطلب بیان کیا ہے یا شریعت کے فلاں مسئلہ کی جو توضیح کی ہے صحابہ کرام و سلف صالحین کے اقوال و اعمال سے اسکی تائید نہیں ہوتی بلکہ آپ کی یہ باتیں صحابہ کرام کے اقوال و افعال کے خلاف ہیں تو مولانا مودودی اور ان کے ہم مشربوں کی جانب سے یہ کہہ دیا جائے کہ صحابہ کرام حق و باطل کا معیار نہیں ہیں اور دین و شریعت کو سمجھنے کیلئے ہمیں انکی یا کسی دوسرے کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔

یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ محض میرے ذہن کا اختراع نہیں ہے بلکہ واقعہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی نے اپنے اس نظریہ کو خود بڑی وضاحت سے اپنی متعدد تحریروں

میں واضح کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنت سے ہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اسلئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کیلئے خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے۔ یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسولؐ نے کیا کہا" (مودودی مذہب صفحہ ۹)

مولانا مودودی اپنی تفسیر تفہیم القرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"اس میں جس چیز کی میں نے کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے قلب پر پڑتا ہے حتی الامکان جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کر دوں"

ذرا خط کشیدہ جملہ کو ایک بار اور پڑھ ڈالئے اور سوچئے مولانا مودودی کیا فرما رہے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ کتنا بڑا ہے۔ قرآن کے بارے میں کسی نے آج تک محض اپنی فہم پر اعتماد نہیں کیا ہے بلکہ سلف سے لے کر خلف تک جس نے بھی قرآن کی تفسیر کی ہے اس نے ہمیشہ صدر اول کے لوگوں پر اعتماد کیا ہے اور احادیثِ نبویہ اور آثار صحابہ کو مشعلِ راہ بنایا ہے لیکن حضرت مولانا مودودی کو اپنے فہم پر اتنا اعتماد ہے کہ وہ بلا تکلف قرآن کی تفسیر اسی کے اعتماد پر کر رہے ہیں اور اس طرح انھوں نے تفسیر بالرائے کا وہ دروازہ کھولدیا ہے جو ہزار فتنوں کی جڑ ہے اور جس کے بارے میں احادیث میں شدید وعید وارد ہوئی ہے۔ آنحضورؐ کا ارشاد ہے۔

من قال فی القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ (ترمذی)

یعنی جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا اسکو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

من قال فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطأ۔
(ترمذی و ابوداؤد)

یعنی جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی تو اگر اس نے ٹھیک بھی کہا جب بھی اس نے غلطی کی۔

مولانا مودودی کی سلف بیزاری

مولانا مودودی کو اپنے علم پر کتنا اعتماد ہے اور سلف سے ان میں کتنی بیزاری پائی جاتی ہے اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگائیے۔ وہ تعلیم کی اصلاح کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی کتاب تنقیحات میں لکھتے ہیں۔

"اس طرز تعلیم کو بدلنا چاہئے۔ قرآن و سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن و حدیث کے مغز کو پاچکے ہوں۔" (ص ۱۲۶)

سلف کی تفاسیر اور ان کے احادیث کے مدونات کو پرانے ذخیروں جیسے مکروہ پیرایۂ بیان سے ادا کرنا یہ حضرت مولانا مودودی جیسے مدعیان فضل و علم کی جسارت ہو سکتی ہے اور ان کتب حدیث و تفسیر سے استغناء یہ مولانا مودودی کیلئے سرمایۂ فخر و ناز بن سکتا ہے ورنہ آجتک ساری امت نے انہیں پرانے ذخیروں پر اعتماد کیا ہے۔ اور اسلاف کی انھیں تالیفی کوششوں کو اپنے لئے سرچشم بنایا ہے۔

اندازہ لگائیے کہ مولانا مودودی امت کو کس راستے پر لے جا رہے ہیں۔ بخاری و مسلم ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک وغیرہ کتب احادیث پر بھی اعتماد نہیں ہوگا تو دین و شریعت کے سلسلے میں کون سے وہ معیاری لوگ ہیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے شاید پوری امت مسلمہ میں مولانا مودودی کی ہی وہ تنہا ذات ہے جو قرآن و حدیث کے مغز پاچکی ہے اور تنہا اسی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں خواہ مخواہ مولانا مودودی سے اختلاف نہیں ہے نہ انکی ذات سے ہمیں بے وجہ کا بَیر ہے ہمیں انکے بعض کارناموں کی قدر ہے۔ انکی صلاحیتوں کا ہمیں اعتراف ہے لیکن

انکی فکر و ذہن کا یہی زیغ و ضلال ہے جو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم امت کو ان کے اس فتنے سے آگاہ کریں۔

انھوں نے اپنی تحریروں میں اسلاف بیزاری کی ایسی مہم چلائی کہ آج انکے فکر و خیال سے متاثر ایک بڑا طبقہ اسلاف کو اور ان کے علمی و دینی کارناموں کی کوئی حیثیت نہیں دیتا ہے اس کے نزدیک صرف مولانا مودودی ہی وہ ذاتِ واحد ہیں جن کی بات بلا چون و چرا تسلیم کی جا سکتی ہے اور اس پوری چودہ سو صدی میں ایک فرد بھی کتاب و سنت اور شریعت اسلامیہ کو صحیح سمجھنے والا اور ان کے مغز تک پہونچنے والا پیدا نہ ہو سکا۔

اس وقت مجھے اپنی اس گفتگو کو طول دینا نہیں ہے، میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ صحابۂ کرام کے معیارِ حق نہ ہونے کا جو شوشہ مولانا مودودی مرحوم نے چھوڑا ہے اور متقدمین و متاخرین سے الگ اس سلسلہ میں انھوں نے جو راہ نکالی ہے اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ وہ دین و شریعت کے بارے میں کسی کے پابند نہیں رہنا چاہتے اور کسی کی ذہنی غلامی میں وہ مبتلا نہیں ہیں۔ وہ آزادانہ طریقہ پر اپنے علم و فہم پر اعتماد کر کے کتاب و سنت اور شریعت کو سمجھنا چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے صحابہ کرام تک کی اپنی تحریروں میں بڑی گندی تصویر پیش کی ہے جیسا کہ آپ کو میری اس کتاب سے آئندہ معلوم ہوگا تاکہ لوگ صحابۂ کرام کے بارے میں سوءِ ظن میں مبتلا ہوں اور مولانا مودودی کو ان کی عدم اتباع و اقتداء پر معذور جانیں۔

بہرحال میں آئندہ اوراق میں ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے قرآن کی بعض آیتوں کو پیش کر رہا ہوں جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ خود اللہ نے صحابہ کرام کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے اور انکو کس مقام و مرتبہ پر فائز کیا ہے۔

(جاری)

محمد عبداللہ غازی پوری

قسط ۱

بریلوی مذہب پر ایک نظر

دنیا کا نظام حضرت علیؓ چلاتے ہیں

مولوی محمد ظفر الدین جو کسی زمانہ میں بریلی کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ تحفہ اثنا عشریہ کی ایک عبارت ذکر کر کے بطور خلاصہ لکھتے ہیں۔

"اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ تمام امت مرحومہ کا اجماع ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سب کا انتظام حضرت امیر المومنین مولیٰ علی وائمہ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق ہے۔ امور تکوینیہ یعنی دنیا کا کن بکن (کذا) سیاہ سپید فتح وشکست رزق اولاد، حاجت مراد جو کچھ ہے سب علی مرتضیٰ وائمہ ہدیٰ کے دامن سے وابستہ ہے۔ پھر اس کے ساتھ علی پرستی، امام پرستی پر بھی تمام امت مرحومہ کا اجماع بتلاتے ہیں۔"

الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن ص ۲۶

نوٹ:۔ اس کتاب پر متعدد علمائے بریلوی کے دستخط ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی تصدیق اور دستخط سے بھی مزین ہے۔

فائدہ:۔ عبارت بالا میں جو کھلا شرک وکفر ہے اس پر تبصرہ کی حاجت نہیں۔

اولیاء اللہ کی غیب دانی

مولوی نور محمد قادری مواعظ رضویہ ص ۲۰۵ میں عبدالعزیز دباغ کا ایک قول نقل کر کے رقمطراز ہیں :

"اس سے معلوم ہوا کہ ولی اللہ کی نگاہ میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ہیں۔ ان سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

نیز اس کتاب میں لکھتے ہیں :

"جب مرد کامل کی نظر عرش اور جنت اور دوزخ سے پار ہو جاتی ہے اور تمام چیزیں اس کے پیش نظر ہوتی ہیں تو حبیبِ خدا اور امام الانبیاء حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ نگاہ کا کیا عالم ہوگا۔ ص ۳۱"

فائدہ :- ذرا کوئی مولوی صاحب سے پوچھے کہ حضرت جب مرد کامل کی نگاہ میں تمام چیزیں ہیں تو اب باقی کیا رہ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر فضیلت رہے گی ؟ بلکہ بتلائیے حضرت کہ تمام چیزیں اللہ کے بھی پیش نظر اور ایک ولی کے بھی پیش نظر تو اللہ اور اس بندہ کے علم میں وجہ امتیاز کیا ہے ، دونوں کا تو علم برابر ہی ہوا ؟ شاید آپ اعلیٰ حضرت کا یہ بتلایا ہوا سبق سنا دیں کہ اللہ کا علم ذاتی اور بندوں کا عطائی تو خالق و مخلوق علم کی کمیت و مقدار میں برابر ہو رہے ہیں۔ اس تساوی و برابری کا قائل بھی مشرک ہی ٹھہرے گا۔

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ جانتے ہیں - ان پر سب کچھ منکشف ہے

حکیم نعیم الدین مراد آبادی جو بریلوی حضرات کے صدر الافاضل ہیں اور اس جماعت میں ان کا ایک خاص مقام ہے - اپنی کتاب الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفےٰ میں لکھتے ہیں :

"حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم نور مجسم سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی تمام ممکنات حاضرہ وغائبہ کا علم عطا فرمایا۔
بدء الخلق یعنی آفرینش سے دخول جنت و دوزخ تک سب مثل کف دست ظاہر کر دکھایا۔
خود ارشاد فرمایا الرحمٰن علم القرآن اس آیت شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ حق
سبحانہ وتعالیٰ نے سرور کائنات کو قرآن کی تعلیم فرمائی اور قرآن شریف میں تمام اشیاء
کا بیان ہے۔

پس جب کلام پاک ہر چیز کا بیان اور سرور عالم اس کے عالم تو بلاشبہ سرور اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم جملہ اشیاء کے عالم ہوئے۔،، کتاب مذکور ص۳

فائدہ :۔ آیت قرآنی کی ایسی تحریف تو کسی نے کب دیکھی ہوگی۔ خیر یہ تو
بریلوی حضرات کا فن ہے۔ مگر ان جناب والا سے کوئی پوچھے کہ قرآن ہمارے سامنے ہے
اس میں قیامت و مابعد قیامت تک پیدا ہونے والی تمام اشیاء ممکنہ کا ذرا ہمیں بیان دکھلا دیا
تاکہ دعویٰ کے ساتھ دلیل کی مطابقت ہو جائے۔ مثلاً گذشتہ سال کتنے لوگ مرے، آئندہ
کتنے مریں گے، کتنی چیزیں امریکہ نے ایجاد کی ابھی اور وہ کتنی چیزیں ایجاد کرے گا فلسطین
اور خانہ کعبہ کا حادثہ ابھی بالکل تازہ ہے اس کا قرآن کی کس آیت میں بیان ہے وغیرہ وغیرہ یہ
سب اشیاء ممکنہ ہیں بس ہمیں ان جگہوں کی نشاندہی کر دیں جہاں قرآن میں ان کا ذکر ہے۔
خدا جہل اور غلو سے بچائے۔

آنحضورؐ کو جمیع اشیاء کا علم نہیں تھا

مولوی صاحب موصوف کی گذشتہ عبارت میں آپ نے دیکھا کہ وہ آنحضور کو جمیع اشیاء
کا عالم بتلاتے ہیں لیکن اب کیا فرماتے ہیں سنئے :

"اور یہ واضح ہو کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے نہ ہم جمیع غیوب غیر متناہیہ
کا علم ثابت کرتے ہیں نہ جملہ معلومات الہیہ کا حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ کے علم کو
علم الٰہی سے کوئی نسبت نہیں ذرہ کو آفتاب سے اور قطرہ کو سمندر سے جو نسبت ہے،

ہے کہ کہاں سے پیدا کئے گئے کیوں پیدا کئے گئے، کیا ہو جائیں گے، اور ان کے
اختلاف مراتب اور منتہائے درجات کی بھی تمیز ہے۔ ستر پردوں اور اس
پردہ کے فرشتوں کے جملہ حالات کی بھی تمیز ہے۔
عالم علوی کے اجرام نیرہ، ستاروں، سورج، چاند، لوح وقلم، برزخ اور
اس کی ارواح کی بھی ہر طرح امتیاز ہے۔ مخلوقات، خشکی اور تری، جملہ موجودات
کا بھی ہر حال معلوم ہے، اسی طرح تمام جنتیں اور ان کے درجات اور ان کے
رہنے والوں کی گنتی اور مقامات سب خوب معلوم ہیں، ایسی ہی باقی تمام جہانوں
کا علم ہے: کتاب مذکور ص ۱۵

فرمائیے اب باقی کیا رہ گیا اللہ میاں کیلئے، مولوی صاحب بیچارے تو اب دنیا میں ہی
نہیں انکی روحانی ذریت موجود ہے۔ اس سے گذارش ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی یہ تفصیلات
ذرا بتلائیے کہ قرآن کے کس پارہ، کس رکوع اور کس آیت میں ہے۔ تاکہ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت
نہ ہو جائے۔ اسلئے کہ مولوی صاحب نے ان غیوب کے لئے قرآن ہی کو بنیاد بنایا ہے۔

اولیاء اللہ سب کچھ جانتے ہیں

مولوی صاحب لکھتے ہیں:

"اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نفوس زکیہ قدسیہ جب علائق بدنیہ سے عروج
کرکے ملاء اعلیٰ کے ساتھ متصل ہو جاتے ہیں اور ان کو کوئی حجاب نہیں رہتا ہے تو
وہ سب کو مثل مشاہدہ دیکھتے ہیں، ص ۲۰

نیز لکھتے ہیں:

"تو اولیاء اللہ تعالیٰ کے لئے تمام جہان کا علم ثابت ہوا۔ ص ۲۲

فائدہ: جی ہاں ضرور ثابت ہوا مگر اس کیلئے آپ نے نہ کوئی آیت پیش کی اور نہ کوئی
حدیث جو کچھ ثابت ہوا زبانی جمع خرچ سے ثابت ہوا۔

وہ بھی یہاں متصور نہیں کہاں خالق اور کہاں مخلوق مماثلت و مساوات
کا ذکر ہی کیا۔ ص۳

ناشلا ۷ :- جناب والا تمام ماکان و مایکون اور تمام اشیاء کے جب آنحضور عالم ہوئے
تو اب باقی کیا رہ گیا کہ آپ علم الٰہی اور علم رسول میں فرق کرتے ہیں آپ کے اس فرمانے سے تو ظاہر ہوا
کہ اللہ کا علم ایک سمندر ہے اور آنحضور کو اس سمندر سے ایک قطرہ سے بھی کم علم ملا ہے، تو
بقیہ سمندر تمام اشیاء میں سے ہے یا نہیں، اگر ہے تو پہلی بات غلط اگر نہیں ہے تو ذرا اس
کا اعلان کردیں۔ اصل میں یہ تو مولوی صاحب نے یوں ہی فرمادیا ورنہ عقیدہ تو حضرت کا یہی ہے
کہ آنحضور اور اللہ کے علم میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ ان کا "لیکن" ملاحظہ فرمائیے۔

"لیکن بایں ہمہ عطائے الٰہی سے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمیع کائنات
تمام ماکان و مایکون کے علوم حاصل ہیں" کتاب مذکور

"حضرت سید کونین صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے جمیع اشیاء یعنی تمام
ممکنات ماوجد و یوجد کا علم مرحمت فرمایا" ص۴

"مختصر یہ کہ ...... اس روح پاک سے عالم کی کوئی شے پردہ نہیں یہ روح
پاک عرش اور اس کی بلندی و پستی دنیا و آخرت، جنت و دوزخ سب پر
مطلع ہے کیونکہ یہ سب اسی ذات مجمع کمالات کے لئے پیدا کی گئی ہیں صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک ص۱۵

آنحضور کے علم کی وسعت آپ کا ماہر فلکیات ہونا وغیرہ

ایک طرف مولوی صاحب کا یہ فرمان کہ آنحضور کے علم کو اللہ کے علم سے وہ نسبت
نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہے۔ اور دوسری طرف ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمائیں جو ابریز کے حوالہ
سے انھوں نے فرمایا ہے:

آپ کی تمیز جملہ عالموں کی فارق ہے آپ کے پاس اجرام سمٰوات کی تمیز ہے

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ ہیں

صوفی اللہ دتہ تنویر الخاطر میں لکھتے ہیں :

" ہمارا حاضر وناظر کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ کوئی زمانہ اور کوئی مکان ایسا نہیں جو آپ سے خالی ہو " ص۱۵

فائدہ :۔ گویا آپ کے دو خدا ہوئے، صوفی صاحب نے بھی زبانی جمع خرچ کیا اس عقیدہ پر نہ آپ کے پاس کوئی حدیث ہے نہ اور کوئی آیت ۔

کوئی ذرہ آنحضورؐ کے علم سے باہر نہیں

اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں :

" ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے تمام موجودات ما کان وما یکون الی یوم القیامۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق تا غرب، وسماء وارض، عرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا " ابناء المصطفیٰ ص۲

فائدہ :۔ اعلیٰ حضرت کی لفاظی ہی لفاظی ہے ۔ سوال یہ ہے کہ اس عقیدہ پر قرآن کی کون سی آیت یا کون سی حدیث ناطق ہے ۔ عقیدہ کا اثبات محض لفاظی اور الفاظ کی نشست و برخاست سے تو ہوتا نہیں ! اللہ اکبر دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم ہی صرف موحد وسنی ہیں اور عقیدہ خالص شرکیہ ۔

آنحضور کو ہر وقت ما کان وما یکون کا علم نہ تھا

صوفی اللہ دتہ لکھتے ہیں :۔

" خان صاحب (مولانا صفدر صاحب پاکستانی) اور انکے مصدق شیخ التفسیر

احمد علی صاحب نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے یہ بہتان تراش مارا کہ بریلوی حضرات انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر وقت عالم ما کان و ما یکون مانتے ہیں حاشا للہ اہل سنت کا یہ ہرگز عقیدہ نہیں "۔ تنویر الخواطر ص۲۱

فائدہ :۔ یاد رکھئے صوفی اللہ دتہ کیا کہہ گئے۔

سارا عالم آنحضورؐ کے لئے ایسا جیسے انسان کی کفِ دست

مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی اپنی کتاب جاء الحق میں لکھتے ہیں :

"ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے جیسی اپنی کفِ دست، خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ما سوی اللہ کو تو عالم اجسام عالم ارواح عالم امر عالم امکان عالم ملائکہ عرش و فرش غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے "

پھر آگے لکھتے ہیں :

"غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ص۶۷

فائدہ :۔ اب باقی کیا رہا جس کا علم صرف اللہ کو ہو، نیز ذرا مفتی صاحب موصوف سے کوئی پوچھے کہ جناب والا آنحضور کو جو کچھ علم ہے ما سوی اللہ کا علم ہے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اللہ کا علم نہیں۔ اللہ کی صفات کا علم نہیں ہے آپ کے بیان کی روشنی میں یقیناً نہیں اسلئے کہ ذات و صفات کا اس عالم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آنحضور کو تمام عالمین کا علم علی الدوام حاصل تھا

مولوی محمد عمر مقیاس حنفیت میں لکھتے ہیں :

"لہٰذا نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے تمام عالمین کا علم غیب عطائی علی الدوام ماننا یعنی از ابتدا آفرینش حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تا قیامت

بقیہ صفحہ۹ پر

محمد ابو بکر غازی پوری قسط ۲

قیاس کا ثبوت
خطیب بغدادی کے کلام کی روشنی میں

اقوال صحابہ وتابعین سے قیاس واجتہاد کا ثبوت

خطیب نے اس عنوان کے تحت امام شعبی کی یہ روایت ذکر کی ہے، امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر سے کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کلالہ کا اطلاق قرآن میں کس پر کیا گیا ہے، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس بارے میں اپنی رائے سے کہوں گا (اس لئے کہ آنحضورؐ سے کلالہ کا معنی منقول نہیں تھا) اگر ٹھیک ہوا تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہوگا، میری رائے یہ ہے کہ "کلالہ" لڑکے اور والد کے علاوہ جو ورثہ ہوتے ہیں انکو کہا جاتا ہے۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار خلافت سنبھالا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اللہ سے شرماتا ہوں کہ اس قول کو رد کروں جو حضرت ابو بکر کی رائے تھی (یعنی حضرت عمر نے بھی حضرت ابو بکر کی تقلید میں وہی قول اختیار کیا جو حضرت ابو بکر کا تھا)

حضرت شریح قاضی سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا تھا کہ تو کتاب اللہ سے جو حکم واضح ہو اس کے مطابق فیصلہ کر، اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ہو تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو دیکھ اور ان کی روشنی میں مقدمات فیصل کر، اگر اللہ کے رسول کے فیصلوں کا تجھے علم نہ ہو تو ائمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں (یعنی صحابہ کرام کے فیصلوں کے مطابق) تو فیصلہ کر، اگر تجھے ان کا فیصلہ بھی نہ معلوم ہو تو خود تو اپنے اجتہاد اور اپنی رائے سے مقدمات کو نمٹا اور اہل علم اور اہل صلاح سے مشورہ بھی کر لیا کر"[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت شریح کو جب آپ نے قاضی بنا کر بھیجا تو ان کو یہ ہدایت فرمائی، تو کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کر اور اگر کتاب اللہ کا حکم واضح ہو تو پھر اس بارے میں کسی سے مت پوچھ، ورنہ اللہ کے رسول کی جو سنت تیرے اوپر کھل جائے اس کی روشنی میں فیصلہ کر، اگر تجھے سنت میں حکم نہ ملے تو فاجتھد رأیک یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کر۔

حضرت عمر نے اسی طرح کی بات ایک دفعہ شریح قاضی کو لکھ کر بھی بھیجی تھی اور اس میں اخیر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر تم مجھ سے مشورہ کر و تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہما مقدمات میں فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں بذریعہ خط ہدایات دیا کرتے تھے، یہ خطوط حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس محفوظ تھے، پھر یہ خطوط حضرت ابو موسیٰ اشعری کی وصیت کے مطابق حضرت ابو بردہ کے پاس محفوظ تھے، حضرت ابو بردہ کے لڑکے سعید سے ابو عبد اللہ بن ادریس نے ان خطوط کو مانگ کر پڑھا تھا، تو ان خطوط میں سے ایک خط میں یہ بھی لکھا تھا۔

اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آئے جس کا فیصلہ کرنے میں تم کو دشواری پیش آ رہی ہو اور اس بارے میں کتاب وسنت میں کوئی حکم نہ ہو تو اس جیسے دوسرے مسائل کو دیکھو کہ انہیں

---

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ کا فقہی مسائل میں یہ اصل اصول ہے، اور یہی بات جیسا کہ آئندہ آ رہی ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، اور اہل علم کو معلوم ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود دین وشریعت کے بارے میں کتاب وسنت کے بعد حضرت عمر کی باتوں کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے۔

شریعت کا کیا حکم ہے ۔ اور بعض امور کو بعض پر قیاس کرو ، اور جو بات تم کو حق کے زیادہ
مشابہ معلوم ہو اس کی اتباع کرو ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے ، اگر تم میں سے کسی کو فیصلہ کرنا ہو تو پہلے وہ
کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ہو تو سنت رسول اللہ سے فیصلہ
کرے اور اگر وہ حکم ان دونوں میں نہ ہو تو یہ دیکھے کہ اس طرح کے مسائل میں صالحین کا کیا طرز عمل
تھا اس کے مطابق وہ فیصلہ کرے ، اگر وہ مسئلہ ایسا ہو کہ صالحین کے فیصلوں میں اس کا حکم
نہ ملے تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرے ، اور اس وقت کوئی یہ نہ کہے کہ میں رائے سے فیصلہ
کرنے سے خوف کھاتا ہوں ، اس لئے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ، اور ان دونوں
کی بیچ کی چیز شبہ والی ہے ، تو اس کو اختیار کرے جس میں کوئی شبہ نہ ہو ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا مندرجہ بالا کلام متعدد سندوں سے منقول ہے کئی سندوں
سے خود خطیب نے اس کو ذکر کیا ہے ۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے ایک عورت
سے شادی کی ۔ اس نے نکاح کے وقت مہر نہیں مقرر کی تھی ، اور بیوی کے پاس جانے سے پہلے
ہی اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی مہر کی مقدار کیا ادا کی جائے گی ؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود
رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ تلاش کرو کسی حدیث میں اس کے بارے میں کچھ ہے
تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے تلاش کر لیا ہے ، ہمیں اس بارے میں کوئی اثر نہیں ملا ، تو حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر درست
رائے ہوئی تو یہ اللہ کی طرف سے ہوگی پھر فرمایا کہ میری رائے ہے کہ ایسی عورت کیلئے اس جیسی
عورت کا جو مہر مقرر ہوتا ہے اس کا آدھا اس کا مہر ہوگا ، اس میں کسی طرح کی کمی زیادتی
نہ ہوگی اور اس پہ عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث سے حصہ بھی ملے گا ، ان کا یہ فتویٰ
سن کر حضرت ابو سنان اشجعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسی طرح کا فیصلہ ہمارے قبیلہ کی ایک
عورت بروع بنت واشق کے بارے میں اللہ کے رسول ؐ نے کیا تھا ، ان سے یہ بات سن کر حضرت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے کہ انھوں نے اپنی رائے سے جو فتویٰ دیا تھا وہ رسول اللہ کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ بعض روایت میں ابو سنان اشجعی کے بجائے معقل بن سنان اشجعی کا ذکر ہے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ میں ان سے یہ معلوم کروں کہ اگر کوئی عورت شوہر اور اپنے والدین کو چھوڑ کر مری ہو تو اس کی میراث کیسے تقسیم ہو گی۔ تو حضرت زید نے فرمایا کہ شوہر کو بیوی کا نصف مال ملے گا اور ماں کو آدھے کا ثلث ملے گا، اور بقیہ باپ کو ملے گا، حضرت ابن عباس نے کہا کہ ماں کو پورا ثلث ملے گا۔

عبدالرحمٰن اصبہانی نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ بات کتاب اللہ سے کہہ رہے ہیں یا یہ آپ کی اپنی رائے ہے؟ تو حضرت ابن عباس نے کہا کہ میں اپنی رائے سے یہ کہہ رہا ہوں اور میں ماں کو باپ پر فضیلت نہیں دیتا ہوں۔

عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر قرآن میں اس کا ذکر ہوتا تو اس کو بتلاتے، ورنہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بتلاتے اگر حدیث میں بھی وہ مسئلہ نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے فیصلہ کیمطابق فتویٰ دیتے، اگر وہ مسئلہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے فیصلوں میں بھی نہ ہوتا تو خود اپنی رائے سے اجتہاد کرتے۔

حسن بن عبید اللہ نخعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ کیا جو آپ فتویٰ دیتے ہیں وہ سب آپ کا سنا ہوا ہوتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا نہیں، میں نے جو سنا ہے وہ تو سنا ہی ہے اور بہت سے سوالات میرے پاس ایسے آتے ہیں جن کے بارے میں میرے پاس کوئی اثر یا حدیث نہیں ہوتی ہے تو میں سنی ہوئی بات پر ان کو قیاس کر لیتا ہوں۔

رقبہ حضرت حماد سے روایت کرتے ہیں کہ حماد فرماتے تھے کہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے مسائل کے بارے میں سوالات کیا کرتا تھا، وہ ان کا جواب دیتے تھے اور جب انکو میرے

چہرہ سے پتہ چلتا کہ میں نے سمجھا نہیں ہے تو بذریعہ قیاس مجھ کو سمجھاتے تھے، اور کسی مسئلہ کے بارے میں فرماتے کہ ہر جگہ قیاس نہیں چلتا۔

ابن شبرمہ قیاس ورائے کے بارے میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اقض بما فی کتاب اللہ مفترضا وبالنظائر فاقض والمقاییس

یعنی کتاب اللہ سے فیصلہ کرو اور ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کر کے فیصلہ کرو۔

حضرت امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ دین نام ہے سنت کا اور اتباع کرنے کا، اور قیاس شرعی یہ ہے کہ تو کسی اصل پر قیاس کرے۔ اگر تم نے اصل کو باطل کر دیا تو پھر تم قیاس کس پر کروگے؟ لوگوں نے حضرت احمد سے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیاس وہی آدمی کر سکتا ہے جو بڑا عالم ہو اور وہ جانتا ہو کہ فلاں چیز کی نظیر فلاں چیز ہے؟ تو حضرت امام احمد نے فرمایا کہ ہاں اسی طرح کا آدمی قیاس کرے غیر عالم کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

خطیب ان روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے جو کچھ روایتیں نقل کی ہیں ان سے معلوم ہو گیا کہ قیاس کے ذریعہ سے شرعی حکم معلوم کرنا صحیح ہے اور داؤد بن علی یا ان کے اصحاب جو قیاس کے منکر ہیں ان کا قول فاسد ہے۔

پھر خطیب نے داؤد ظاہری کے ان استدلالات کا جواب دیا ہے جن کے ذریعہ داؤد ظاہری قیاس کو باطل قرار دیتے ہیں۔

مثلاً داؤد نے قیاس کو باطل قرار دینے کیلئے قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا ہے، قرآن میں ہے۔ وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون، یعنی جو بات تمہیں معلوم نہ ہو اسے اللہ پر مت گڑھو۔ خطیب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ قیاس کے ذریعہ سے جو فیصلہ ہوتا ہے وہ غیر معلوم نہیں بلکہ معلوم ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاکم دو شاہدوں کی شہادت پر جب ان شاہدوں کی عدالت اور ان کا صدق اس کو بذریعہ ظن غالب حاصل ہوا ہو کوئی فیصلہ کرے، یعنی حاکم نے محض ظن سے شاہدوں کو عادل ہونا، اور سچا ہونا

معلوم کیا ہے، مگر حاکم کا یہ فیصلہ نافذ العمل ہوگا اور وہ شرعی فیصلہ کہلائے گا۔

یا اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی کعبہ کے رُخ کی طرف یہ سمجھ کر نماز پڑھتا ہے کہ اسی طرف کعبہ ہے، تو اس طرف رُخ کرنا اور نماز پڑھنا واجب ہے، کعبہ کا رُخ معلوم کرنے کیلئے محض ظن غالب کا ہونا کافی ہے کہ اس طرف کعبہ ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ فاذا عملوا بالرائ فقد ضلوا، یعنی جب لوگ رائے پر عمل کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات اس رائے کے بارے میں ہے، کتاب وسنت کے مخالف ہو، کتاب وسنت کی جو مخالفت کرے گا وہ گمراہ ہوگا، یعنی مجتہدین تو کتاب وسنت کی روشنی میں قیاس کرتے ہیں اسلئے ان کا قیاس مذموم نہ ہوگا۔ نہ اس قیاس کو کتاب وسنت کے خلاف کہا جائے گا۔

یہی جواب ان تمام احادیث کا ہے جن میں قیاس ورائے کی مذمت کا بیان ہے۔ اور حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ قیاس ورائے والے سنت کے دشمن ہیں تو جو سنت کو اصل قرار دے اور اس پر قیاس کریں وہ سنت کا دشمن کیسے ہوگا۔ حضرت عمر کا یہ قول انھیں لوگوں کیلئے ہے جو سنت کی موجودگی میں قیاس کریں، اور سنت کی مخالفت کریں۔ اسی طرح سے جن صحابہ کرام یا تابعین سے قیاس کی مذمت منقول ہے ان سب کا مقصد اس قیاس ورائے کی مذمت کرنا ہے، جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے مخالف ہو، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جن صحابہ کرام یا تابعین عظام سے قیاس ورائے کی مذمت منقول ہے انھیں سے قیاس کا ثبوت بھی ہے، اور یہ تمام حضرات ان مسائل پر عمل کو جائز قرار دیتے تھے، جن کا استنباط قیاس کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔

اور جو حضرت جعفر بن محمد سے یہ منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ پہلا قیاس کرنے والا ابلیس تھا تو یہ صحیح ہے مگر اس کا قیاس نص کے مقابلہ میں تھا، اس نے اپنے قیاس کے ذریعہ اللہ کے حکم کی مخالفت کی تھی، پھر اس کا قیاس بھی صحیح نہیں تھا، اسلئے کہ اس کے قیاس کا حاصل یہ تھا

کہ اس کی پیدائش آگ سے ہے اور آدم کی مٹی سے اور مٹی آگ سے کمزور ہے تو کمزور کو قوی کیلئے سجدہ کرنا چاہیئے، اس کا یہ قیاس ہی باطل ہے کہ کمزور قوی کو سجدہ کرے، اسلئے کہ سجدہ کرنا تو محض اللہ کیلئے ہے، جس کو اللہ ہی حکم دے کہ اسے سجدہ کیا جائے۔

اور داؤد ظاہری کا یہ کہنا کہ کتاب وسنت میں ہر مسئلہ کا حکم ہے اسلئے قیاس کی ضرورت نہیں ہے تو ان کا یہ کہنا باطل ہے، اسلئے کہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کا حکم کتاب وسنت میں نہیں ہے، مثلاً یہ حکم کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو اس کی قضا واجب ہے، مگر اس نماز کے قضا کے وجوب کا حکم کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ یہ حکم بذریعہ قیاس ہے یعنی جان بوجھ کر جو نماز چھوڑی گئی ہے اس کو اس نماز پر قیاس کیا گیا ہے جو نماز بھول سے یا نیند کے غلبہ سے چھوٹ گئی ہے، یعنی جس طرح سونے والے اور بھول جانے والے کی نماز کی قضا کرنا واجب ہے اسی طرح جس نے قصداً نماز چھوڑا ہے اس کی نماز کی قضا بھی واجب ہے۔

اسی طرح اگر محرم نے بھڑ کو حل یا حرم میں قتل کر دیا ہے تو اس کا کیا حکم ہے، کتاب وسنت میں اس کا بیان نہیں ہے، اس کو عقرب یعنی بچھو پر قیاس کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر بلی گھی میں مر جائے تو گھی پاک رہے گا یا ناپاک ہو جائے گا، کتاب وسنت سے اس کا حکم نہیں معلوم کیا جا سکتا، اسکو چوہے پر قیاس کیا گیا ہے کہ جو حکم اس شکل میں چوہے کا ہے وہی بلی کا بھی ہے۔

اس طرح اور بھی بہت سے دقیق مسائل ہیں جن کا بیان قرآن وحدیث میں نہیں ہے ان کا حکم بذریعہ قیاس ہی جانا گیا ہے۔

پھر یہ بھی معلوم ہو کہ قیاس کرنے کی یہ شرط بھی نہیں ہے کہ نص معدوم ہو تب ہی قیاس کیا جا سکتا ہے، قیاس کرنے کی اشرط یہ ہے وہ قیاس کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو اگر ایسا ہو تو نص کی موجودگی میں بھی قیاس کرنا جائز ہے۔

کشف قبور کا عقیدہ

محترمی مولانا صاحب

زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کشفِ قبور کا کیا مطلب ہے، براہ کرم وضاحت فرمائیں۔ کیا انسانوں کو کشفِ قبور ہوتا ہے، اس بارے میں صحیح عقیدہ کیا ہے؟ براہ کرم جواب دیکر احسان فرمائیں۔

علاءُ الدین کرنول

ناظم! کشفِ قبور اہل تصوف کی خاص اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر قبر اور قبر والوں کے حالات کو گاہے بگاہے منکشف کر دیتا ہے اور اللہ والوں کو پتہ چلتا ہے کہ قبر میں مردوں کے حالات کیسے ہیں۔

اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ایسا ہونا ممکن ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس کا انکار کیا جائے۔

اللہ کا معاملہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ کچھ اور ہوتا ہے، ہمارے اور آپ جیسوں کے ساتھ کچھ اور ہوتا ہے، مراتب کے فرق سے علم و عرفان میں بھی فرق ہوتا ہے۔

کشف قبور کا پتہ خود حدیث سے چلتا ہے، مشہور حدیث ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر دو قبروں پر ہوا، آپ ٹھہر گئے، اور پھر دو شاخ لے کر ایک ایک دونوں قبر پر رکھ دی۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور

کسی بڑی بات کی وجہ سے نہیں عذاب ہو رہا ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ ایک پیشاب کے چھینٹوں سے بچتا نہیں تھا، اور دوسرا چغل خور تھا باتیں ادھر کی ادھر کرتا تھا پھر آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں تازہ رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے جن بندوں کی قوت باطنیہ قوی ہوتی ہے ان پر اس طرح کے انکشافات ہو سکتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وقد انکشف لکثیر من الناس ذلک حتی سمعوا صوت المعذبین فی قبورهم ورأوهم یعذبون فی قبورهم فی آثار کثیرة معروفة۔ (فتاوی شیخ الاسلام ص ۲۹۶ ج ۴)	یعنی قبروں کے عذاب کا انکشاف بہت سے لوگوں کو ہوا ہے، یہاں تک کہ انھوں نے جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا ان کی آوازیں بھی سنی ہیں بلکہ انھوں نے انکو قبروں میں عذاب ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے اور اس بارے میں بہت سے مشہور واقعات ہیں۔

بہر حال معلوم ہوا کہ کشف قبور کا عقیدہ اسلاف میں بھی رہا ہے اور اس کی اصل احادیث میں بھی ہے، اور بزرگوں کو کشف قبور ہوتا ہے۔ (۱)

محمد ابوبکر غازی پوری

---

(۱) حافظ ابن تیمیہ کا عقیدہ کے بیان میں ایک مشہور رسالہ ہے جس کا نام الوصیۃ الکبری ہے اس میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وفی اهل الزهادة والعبادة منکم من له الاحوال الزکیة والطریقة المرضیة وله المکاشفات والتصرفات (ص ۱) یعنی تم لوگوں میں جو زہد و عبادت والے ہیں ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنکے حالات پاکیزہ اور جن کا طریقہ پسندیدہ ہے، ان کیلئے مکاشفات بھی ہوتے ہیں اور اصحاب تصرف بھی ہوتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ نے یہاں اللہ والوں کیلئے صرف کشف ہی نہیں ثابت کیا ہے بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ والے اصحاب تصرف بھی ہوتے ہیں۔ (دیکھئے غیر مقلدین اپنے حافظ ابن تیمیہ پر کیا حکم لگاتے ہیں۔)

طٰہٰ شیرانی

خمار سلفیت

امام بخاری بھی قیاس کرتے تھے

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ کل شیخ جمن حفظہ اللہ نے چوپال میں زبردست تقریر کی تھی، قیاسیوں میں صف ماتم بچھ گئی تھی وہ قرآن و حدیث سے قیاس کے حرام اور کار شیطان ہونے پر دلیل پر دلیل لا رہے تھے۔

باپ۔ بیٹا، شیخ جمن حفظہ اللہ پی، ایچ، ڈی ہیں، انکی پی ایچ ڈی کا موضوع ہی تھا قیاس کرنا کار شیطانی ہے۔ وہ کتاب بازار خردمنداں میں خوب بکی۔

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن کی تقریر سے عجیب سماں بندھ گیا تھا۔

باپ۔ بیٹا یہ تم " تھی " اور " تھا " سے کیوں بات کر رہے ہو، دوران تقریر کچھ گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔

بیٹا۔ اباجی شیخ بدھو اور شیخ کلو نے معاملہ خراب کر دیا اور انکی تقریر کے بعد اپنے تین نے قیاسیوں کا مذہب قبول کر لیا۔

باپ۔ ہیں۔ یہ کیسے ہوا؟ اس شہر میں چند تو اپنے ہیں اور ان میں سے تین قیاسی ہو گئے

یعنی سلفیت کو انھوں نے خیر باد کہہ دیا، یہ تو بڑا نقصان ہوا۔
شیخ ہدہد اور شیخ کلو نے کیا گڑ بڑ کی؟

بیٹا۔ اباجی جب شیخ جمن حفظہ اللہ بڑے زوروں میں اول من قاس ابلیس والی حدیث پڑھ رہے تھے اور بار بار اس کا ترجمہ سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس تھا، اپنی گرجدار آواز میں کر رہے تھے تو شیخ ہدہد اور شیخ کلو نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور لاؤڈ اسپیکر اپنے ہاتھ میں لے کر پہلے تو یہ اعلان کیا کہ شیخ جمن جس بات کو حدیث کہہ رہے ہیں وہ حضورؐ کی حدیث نہیں بلکہ رافضیوں کی گڑھی ہوئی بات ہے، پھر انھوں نے کہا کہ ہمارے علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری بھی قیاس کرتے تھے تو کیا خدانخواستہ ہم امام بخاری کو شیطانی عمل والا آدمی مانیں، شیخ جمن کی تقریر سے امام بخاری کی شخصیت مجروح ہوتی ہے، جسے ہم برداشت نہیں کر سکتے؟

باپ۔ پھر کیا ہوا بیٹا؟

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن نے اس پر اپنی پاٹ دار آواز میں کہا کہ ہرگز نہیں، یہ امام بخاری پر افتراء ہے، امام بخاری پکے سلفی تھے، وہ ہرگز قیاس نہیں کر سکتے تھے، قیاس تو کوفہ والے کرتے تھے، بخاری بخارا کے تھے کوفہ کے نہیں تھے۔ ہمارے کسی عالم نے یہ بات کہ امام بخاری قیاس کرتے تھے کسی کتاب میں نہیں لکھی ہے۔

باپ۔ بیٹا، پھر کیا ہوا، شیخ ہدہد اور شیخ کلو کا تو برا حال ہو گیا ہوگا؟

بیٹا۔ نہیں اباجی، انھوں نے عوام سے کہا کہ آپ لوگ ذرا ٹھہریں، پھر انھوں نے مولانا عبدالسلام مبارکپوری کی کتاب سیرۃ الامام بخاری کا ص ۲۴۴ کھول کر مولانا مبارکپوری صاحب کی کتاب کی یہ عبارت پڑھی۔

"امام بخاری استنباط مسائل میں ..... حمل النظیر علی النظیر اور قیاس سے بھی استنباط مسائل کرتے ہیں"

پھر انھوں نے بڑی اونچی آواز میں شیخ جمن کو للکارا کہ امام بخاری بخاری شریف میں

قیاس کریں اور قیاس سے مسائل نکالیں اور تم قیاس کو حرام قرار دو، یہ امام بخاری پر اور انکی کتاب بخاری شریف پر زبردست حملہ ہے، جسے ہم برداشت نہیں کرسکتے، اور ہم ہر اس جلسہ کا بائیکاٹ کریں گے جس میں قیاس کے خلاف تقریریں کی جائیں گی۔

باپ - پھر کیا ہوا، مجمع کس کے ساتھ رہا؟

بیٹا - اباجی پھر تو مجمع پر سناٹا چھایا ہوا تھا، شیخ جمن کی پیشانی پسینہ سے شرابور تھی انکو پیشاب کا تقاضا ہوا، اور وہ اس بہانہ سے مسجد کے پیشاب خانہ والے دروازہ سے اپنے گھر چلے گئے، اور مجمع بھی منتشر ہوگیا۔

باپ - شیخ جمن حفظہ اللہ کو پوری تیاری کرکے اس موضوع کو چھیڑنا تھا، ان سے بڑی چوک ہوئی تین آدمی اپنے بہک گئے۔

بیٹا - اباجی! کیا اب بھی قیاس کو شیطانی عمل کہا جائے گا؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

شیخ ہدہد نے اپنی مسجد میں تیرہ رکعت تراویح کا آغاز کیا

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - اباجی، آپ کو کچھ معلوم ہوا، شیخ ہدہد نے اپنی مسجد میں تیرہ رکعت تراویح پڑھانی شروع کردی، جماعت میں اس کا بڑا چرچا ہے۔

باپ - مجھے کل شیخ جمن نے اس کی خبر دی ہے، شیخ ہدہد کی اسلاف و اکابر کے طریقہ سے یہ بغاوت ہم سب کے لئے باعثِ پریشانی ہے، شیخ سمرقندی کا قصہ گزشتہ سال ہی کا ہے انھوں نے صرف تین رات تراویح کو سنت ہونے کا اعلان کیا تھا۔ اور پورے مہینہ تراویح پڑھانے کو بدعت عمری قرار دیا تھا۔

بیٹا ۔ اباجی تو گویا ہماری جماعت تراویح کے بارے میں تین گروپ میں تقسیم ہوگئی ہے ۔ ایک گروپ آٹھ رکعت پورے مہینہ پڑھتا ہے ، دوسرا گروپ تیرہ رکعت پورے مہینہ پڑھے گا ، اور شیخ سمرقندی حفظہ اللہ صرف تین رات تراویح پڑھیں گے اب معلوم نہیں ان تینوں گروپوں میں سے پکا اہلحدیث کون ہوگا ؟ اور کس کی تراویح سنت والی ہوگی ۔

باپ ۔ بیٹا شیخ سمرقندی کا قصہ تو پرانا ہوگیا ۔ یہ شیخ ہہہ حفظہ اللہ کو کیا سوجھی کہ انھوں نے تیرہ رکعت تراویح کی بناڈالی یہ تو ہمارے اکابر کی روش اور ان کے طریقہ کے خلاف ہے لوگ تراویح کے بارے میں ہمارے مذہب کے متعلق شک وشبہ میں گرفتار ہونگے ۔

بیٹا ۔ جی اباجی ، اس کا بڑا چرچا ہے ، مخالف طبقہ ہماری ہنسی اڑا رہا ہے ، ملا رحمانی اور شیخ الحدیث بحرانی حفظہما اللہ نے شیخ ہہہ کو بہت سمجھایا ، مگر وہ اپنے فیصلہ سے ایک قدم پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہیں ، ان کا ایک ہی سوال ہے جس کا جواب ہمارے شیخ الحدیثوں سے نہیں دیا جارہا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا شیخ ہہہ حفظہ اللہ کا سوال کیا ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی وہ صرف یہ پوچھتے ہیں کہ بتاؤ امام بخاری پکے اہلحدیث تھے کہ ہم لوگ ، اسی کا جواب ہمارے علماء سے نہیں دیا جاتا ۔

باپ ۔ بیٹا اس کا جواب تو سب کو معلوم ہے ، امام بخاری سے بڑا اہلحدیث کون ہوگا ۔

بیٹا ۔ جی اباجی ، اسی معلوم جواب کا اظہار ہمارے شیخ الحدیثوں سے نہیں ہو رہا ہے ، بات یہ ہے اباجی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تہجد تیرہ رکعت پڑھتے تھے ، یہ بات ہمارے علماء ہماری عوام سے چھپا رہے ہیں ، اب یہ بات شیخ ہہہ کو معلوم ہوگئی ہے ، تو انھوں نے تیرہ رکعت تراویح پڑھنی شروع کر دی ، اسلئے کہ ہمارے مذہب میں تراویح اور تہجد ایک ہی ہے ۔

باپ ۔ بیٹا امام بخاری تیرہ رکعت تہجد پڑھتے تھے ! یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم تھا ، شیخ ہہہ حفظہ اللہ نے اس کا پتہ کہاں سے چلایا ۔

بیٹا۔ اباجی وہ مولانا عبدالسلام مبارکپوری تھے، انکی ایک کتاب ہے جس کا نام سیرۃ البخاری ہے، اس کتاب میں امام بخاری کے حالات بڑے تفصیل سے لکھے گئے ہیں، اسی کتاب میں یہ لکھا ہے۔

باپ۔ کیا لکھا ہے، ذرا پڑھو تو۔

بیٹا۔ مولانا مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں۔

• امام بخاری کا یہ معمول ہمیشہ کا تھا کہ پچھلی شب کو تیرہ رکعتیں نماز پڑھتے ان میں وتر ایک رکعت پڑھتے۔ صفحہ

باپ بیٹا شیخ ہدہد کو اب سنبھالنا بہت مشکل ہوگا، انکو بخاری سے بڑی عقیدت ہے، تین بار قل ھو اللہ پڑھ کر ہر نماز کے بعد امام بخاری کی روح کو ایصال ثواب کرنا انکی زندگی کا معمول ہے۔

بیٹا۔ اباجی، اب سنت والی تراویح کون ہوگی، شیخ ہدہد والی یعنی تیرہ رکعت والی یا شیخ سمرقندی والی یعنی صرف تین رات یا ہم لوگوں والی یعنی آٹھ رکعت والی۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

شیخ طغیانی سے علامہ بحرانی مات کھا گئے

بیٹا، اباجی

باپ. جی بیٹا

بیٹا۔ علامہ بحرانی حفظہ اللہ نے اپنی کتابوں میں بڑی تحقیق کی ہے کہ فقہ حنفی قیاسات و باطل آراء کا مجموعہ ہے۔

باپ۔ جی بیٹا، علامہ بحرانی ہمارے جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث ہیں، بڑے محقق عالم ہیں، علم کا دریائے شور انکی آنتوں میں ٹھاٹھیں مارتا ہے۔

بیٹا۔ اباجی۔ علم کا دریائے شور ان کی آنتوں میں ٹھاٹھیں مارتا ہے، یہ آپنے کیا کہدیا۔

علم کا مرکز تو دل ہوتا ہے نہ کہ انسان کی آنت۔

باپ ۔ کبھی کبھی ترقی معکوس ہوتی ہے یعنی من فوق الی تحت یہ علمی اصطلاح ہے اس کو تم ابھی نہیں سمجھو گے، تم اپنی بات کہو کیا کہہ رہے تھے۔

بیٹا ۔ اباجی، پرسوں بجو کر چائے خانہ میں علامہ بحرانی شیخ حلیم باز حفظہ اللہ کے ساتھ چائے پی رہے تھے کہ وہاں شیخ طغیانی حفظہ اللہ پہونچ گئے، دونوں میں بحث ہونی شروع ہوگئی، علامہ بحرانی فقہ حنفی کو قیاسات و باطل آراء کا مجموعہ کہہ رہے تھے اور علامہ طغیانی ان کی مخالفت کر رہے تھے کہ اگر فقہ حنفی باطل آراء کا مجموعہ ہوتا تو امام بخاری اس فقہ میں تبحر حاصل نہ کرتے۔

باپ ۔ بیٹا شیخ طغیانی نے گپ اڑائی ہوگی، امام بخاری اور فقہ حنفی، کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے

بیٹا ۔ اباجی، علامہ بحرانی بھی یہی کہہ رہے تھے کہ امام بخاری فقہ حنفی کے قریب بھی نہیں گئے ہوں گے، اس میں تبحر وہ حاصل کریں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، پورا چائے خانہ علامہ بحرانی کے ساتھ تھا، صرف شیخ سمرقندی حفظہ اللہ خاموش تھے۔

باپ ۔ پھر کیا ہوا، بیٹا شیخ طغیانی نے کیا کہا۔

بیٹا ۔ اباجی انھوں نے شیخ سمرقندی حفظہ اللہ کو مخاطب کیا اور ان سے کہا کہ آپ کے بغل میں جو کتاب سیرۃ امام بخاری ہے اس کو ذرا دو تو، بڑے تردد کے بعد شیخ سمرقندی نے وہ کتاب ان کے حوالہ کی۔

باپ ۔ یہ وہی سیرۃ امام بخاری تھی جس کو مولانا عبد السلام صاحب صاحب مبارکپوری نے لکھا ہے۔

بیٹا ۔ جی اباجی یہ وہی کتاب تھی۔

باپ ۔ بیٹا یہ تو ہماری جماعت کی بڑی مشہور اور قابل فخر کتاب ہے۔ امام بخاری کی سیرت پر ایسی کتاب اب تک نہیں لکھی گئی۔ تو پھر شیخ طغیانی نے کتاب لے کر کیا کیا؟

بیٹا ۔ اباجی انھوں نے اس کتاب کا ص۵۱ کھولا، اور لوگوں سے کہہ کر آپ حضرات ذرا

جاری طرف متوجہ ہوں، پھر انھوں نے اس کتاب کی یہ عبارت پڑھی۔

امام صاحب یعنی امام بخاری فرماتے ہیں کہ جب میں عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی تصنیفات کو ازبر کر چکا اور اہل الرائے کے کلام کو خوب سمجھ چکا تو میں نے حجاز کا سفر کیا۔

ابا جی، شیخ طغیانی نے لوگوں سے کہا کہ یہ اہل الرائے وہی ہیں جن کو ہم لوگ ابوحنیفہ اور اصحاب ابوحنیفہ کہتے ہیں اور ان کے کلام سے مراد اہل الرائے کی فقہ ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاری نے بخاری سے نکلنے سے پہلے پہلے فقہ حنفی میں پوری مہارت حاصل کر لی تھی۔

صاحب کتاب یعنی مولانا مبارکپوری صاحب اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

• اہل الرائے کا اثر عراق عجم کی ہوا میں سرایت کر گیا تھا، اسلئے ابتدائی تعلیم میں اہل الرائے کے اقوال اور ان کے طرز اجتہاد کا سیکھنا لازم تھا، امام بخاری نے ابتدا ہی میں اس کی طرف توجہ کی اور ان کے طرز استدلال و تخریج سے واقف ہو گئے۔

ابا جی شیخ طغیانی کی بات پر فضا میں سناٹا چھا گیا، اور علامہ بحرانی کے چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگی۔ پھر شیخ طغیانی نے اس کتاب کا صفحہ ۹۳ کھول کر لوگوں کو اسی کتاب کی یہ عبارت سنائی۔

کہ امام المحدثین فرماتے ہیں کہ میں درس کیلئے اس وقت تک نہیں بیٹھا جب تک کہ اہل الرائے کی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر لیا۔

تو علامہ بحرانی کی پیشانی۔ عرق انفعال۔ سے شرابور ہو گئی۔

باپ - بیٹا، پھر کیا ہوا، بیٹا

بیٹا - ابا جی ہوتا کیا، بس علامہ بحرانی تو جو چپ سادھی تو پھر انکی زبان نہیں کھلی اور لوگوں نے شیخ طغیانی کی بات کی تائید کی کہ اگر فقہ حنفی قیاسات و آراء کا مجموعہ ہوتا، تو امام

بخاری جیسا محدث اس سے تعلق نہ رکھتا، چہ جائیکہ اس میں وہ مہارت حاصل کرتا۔

باپ ۔ بیٹا لوگوں نے نتیجہ تو صحیح نکالا۔

بیٹا ۔ اباجی یہ علامہ بحرانی نے جو ترقی معکوس کی ہے یعنی ان کے علم کا مرکز جوان کی آنت ہی ہے ان کی کتابوں میں انکی تحقیقات میں وہ اسی ترقی معکوس کا فیض ہے کیا؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

ص۱۵ کا بقیہ۔

اتنے فاصلہ پر ہے، ایک طرف فلاں درخت اور دوسری طرف ایسا کنواں ہے، اور یہ جواہرات و یاقوت نشانی کے طور پر وہاں سے اٹھالایا ہوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ ماجرا سننے کے بعد نہایت حیران ہوئے، اور اہل علم سے معلومات کی گئیں کیا دنیا میں ایسا شہر بھی کبھی بسایا گیا ہے جس کی اینٹیں سونے چاندی کی ہوں تو علماء نے بتایا کہ ہاں قرآن میں بھی اس کا ذکر آیا ہے ۔ اس آیت میں ۔ ارم ذات العماد ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسکو لوگوں کی نگاہوں سے چھپادیا ہے، اور علماء نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ایک آدمی اس میں جائے گا جو چھوٹے قد، سرخ رنگ کا ہوگا، اسکے ابرو اور گردن پر دو تل ہوں گے وہ اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ہوا اس شہر میں پہنچے گا اور وہاں کے عجائبات دیکھے گا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ساری نشانیاں ان میں دیکھیں تو پوری پائیں فرمایا واللہ یہ وہی شخص ہے، الغرض اس شہر کی اس سے زیادہ کیا تعریف ہوسکتی ہے کہ خود رب العزت باوجود تمام معلومات کا احاطہ رکھنے کے اس شہر کے متعلق فرماتے ہیں۔

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝

کہ بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں

ردِ غیر مقلدیت پر

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازیپوری کی اہم تصنیفات

۱۔ وقفه مع اللامذهبية عربی

۲۔ وقفه مع معارضي شيخ الاسلام عربی

۳۔ صوز تنطق عربی

۴۔ مسائل غیر مقلدین

۵۔ غیر مقلدین کی ڈائری

۶۔ غیر مقلدین کے لئے لمحۂ فکریہ

۷۔ آئینہ غیر مقلدیت

۸۔ غیر مقلد عالم مولانا صادق سیالکوٹی کی کتاب ”سبیل الرسول پر ایک نظر“

۹۔ بریلوی مذہب پر ایک نظر

۱۰۔ مقام صحابہؓ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودیؒ

۱۱۔ محدثین کی قوتِ حفظ تاریخ کی روشنی میں

ناشر

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازیپور یوپی

فون نمبر:۔ ۲۲۱۷۵۷-۰۵۴۸

موبائل نمبر- ۹۴۵۱۰۰۶۴۹۹

فہرستِ مضامین

اداریہ

اور وحید الدین خاں کو رونا آگیا

وحید الدین خاں کی شخصیت معروف ومشہور ہے، مسلمانوں کی زندگی میں زہر گھولنا اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ ان کا ربط وذہنی ہم آہنگی اور خلا ملا بھی معروف ومشہور ہے، اور اپنے کو دنیا کا قابل ترین متفکر باور کرانا بھی ان کا معروف ومشہور ہے، ان کی تحریروں میں اس کا اشارہ ملتا ہے کہ ماضی وحال کے علماء اسلام میں ان کا قد سب سے اونچا سب سے بھاری اور ہمالیائی ہے، دین کی سمجھ کے معاملہ میں دوسرے علماء انکے مقابلے میں بونے ہیں۔
مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور نصح واخلاص کے پردہ میں مسلمان دشمن طاقتوں کا ہاتھ مضبوط کرنا اور مسلمانوں کے بارے میں ان دشمنوں کا جو موقف ہے اس کی تائید کرنا اور اس کیلئے وجہ جواز مہیا کرنا بھی ان کا معروف صحافتی کردار ہے، ان خانصاحب کو ایک بار رونا آگیا تھا، رونا کس بات پہ آیا تھا تو گیارہ ستمبر کے روزنامہ راشٹریہ سہارا میں خانصاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، یاد رہے کہ گیارہ ستمبر کا دن امریکہ بطور سوگ مناتا ہے کہ اسی دن اسکے ورلڈ سنٹر پر حملہ ہوا تھا اور اس میں تقریباً ڈھائی ہزار امریکی مرے تھے۔ اسی سوگ کے دن کی مناسبت سے اور امریکہ کے ساتھ اپنی وفاداری جتانے کیلئے اور مسلمانوں کو دہشت گردانہ پالیسی کا مجرم قرار دینے کیلئے خانصاحب نے یہ مضمون لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ گیارہ ستمبر کے حملہ کی خبر انکو اس وقت ملی جب وہ لندن کے ہوٹل میں ایک میز پر تھے، ان کے سامنے دو انگریز بھی تھے، خاں صاحب نے جب اس حملہ کی خبر سنی اور اتنی بڑی مقدار میں انسانی جانیں ضائع ہونے

کا علم ہوا تو انکی آنکھوں میں آنسو آ گیا، ان دونوں انگریزوں کو جو خانصاحب کے پاس بیٹھے تھے یہ پتہ چلا کہ یہ ہندوستانی انگریزوں کی جانیں ضائع ہونے پر رو رہا ہے تو انھوں نے کہا ہے کہ ہمارے درمیان ایک ایسا ہندوستانی مسلمان بھی ہے جو اس حادثہ پر آنسو بہا رہا ہے اور ہمارے غم میں برابر کا شریک ہے۔

یہ ہے خانصاحب کے اس مضمون کا خلاصہ اور ان کے امریکیوں کی ہلاکت پر آنسو بہانے کا قصہ۔

لیکن یہی خانصاحب ہیں کہ افغانستان میں لاکھا لاکھ انسانوں کے ضائع ہونے اور امریکی بمباری کے نتیجہ میں پچاسوں ہزار سے زیادہ گھر اجڑنے اور انسانوں کے اپاہج ہونے اور بوڑھے بچوں کے قتل ہونے پر خانصاحب کی آنکھ سے ایک قطرہ آنسو نہیں ٹپکا، بلکہ افغانستان پر امریکی حملہ اور اس کی وحشیانہ کاروائی کی مناسبت سے جو تحریریں ابتک شائع ہوئی ہیں ان سب میں طالبان ہی کو مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے اور امریکی ظالمانہ حملہ کو در پردہ جائز قرار دیا گیا ہے۔ عراق میں ابتک چھ لاکھ انسان ختم ہو چکے ہیں اور عراق تباہ حال اور برباد ہے، خاندان کے خاندان اجڑ چکے ہیں، مگر ان چھ لاکھ انسان کے قتل ہونے پر خانصاحب کا آنسو خشک ہے، ایک قطرہ بھی آنسو نہیں بہا اور نہ خانصاحب نے کسی ایک مضمون سے یہ تاثر قائم ہونے دیا کہ عراق میں امریکی کاروائی سراسر ظالمانہ تھی، اور اس کا قبضہ غاصبانہ ہے، امریکی صدر وقت حاضر کا فرعون ہے، جو عراقیوں کے سینوں پر دندناتا پھر رہا ہے۔

خانصاحب گجرات کے ہزار ہا ہزار مسلمانوں کے قتل پر بھی آنسو نہیں بہا سکے اور مودی کی ظالمانہ اور وحشیانہ کاروائی اور اس کا درندگی کا ناچ خانصاحب کا دل نہیں پگھلا سکا اور مسلمانوں کا جو اس ظالم نے پانی کی طرح خون بہایا، زندہ جلایا، ماں اور بہن کی عصمتوں کو لوٹا اور آج تک مسلمانوں کے خلاف اس کی یہ ظالمانہ کاروائی کسی نہ کسی ڈھنگ میں جاری ہے اس پر ایک قطرہ آنسو خانصاحب کی آنکھ سے نہیں ٹپکا۔

امریکی ہلاکتوں پر ان خانصاحب نے بلا سوچے سمجھے آنسو بہایا تھا، اسلئے کہ اب خود

امریکی دانشوروں اور پروفیسروں اور ورلڈ سنٹر پر حملہ کے پیچھے کن کا ہاتھ اس کی تحقیق کرنے والوں کا انکشاف یہ ہے کہ یہ حملہ خود امریکیوں نے کیا تھا، جس میں یہودیوں کا زبردست ہاتھ تھا اور پوری پلاننگ کے بعد یہ حملہ اسلئے کیا گیا تھا۔ تاکہ عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کے خلاف کاروائی کرنے کا جواز مہیا کیا جائے اور اس بہانہ طالبان جو ایک زبردست اسلامی طاقت بن کر ابھر رہے تھے ان کا خاتمہ کردیا جائے اور پھر امریکہ دہشت گردی کا ہوا کھڑا کرکے جس مسلمان ملک پر چاہے حملہ کا پروگرام بناتا رہے۔

خاں صاحب سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہوگی کہ اب امریکہ حملے کی تحقیق کا رخ طالبان سے پھر کر امریکیوں کی طرف ہو گیا ہے، مگر واہ رے خانصاحب مسلمانوں کے زخموں پر نمک چھڑکنا ان کا مزاج بن گیا ہے۔ اور آج یہ خانصاحب مسلمان دشمن طاقتوں کا کھلونا بنے ان کے ہاتھوں میں ناچ رہے ہیں، جلب زر اور مادی منفعت کی ہوس نے خانصاحب کو اندھا، بہرا اور گونگا کر دیا ہے کہ نہ حق سوجھتا ہے نہ حق سنائی دیتا ہے اور نہ منہ سے کلمۂ حق نکلتا ہے۔

امریکہ وہی ہے جس نے جاپان کو ایٹم بم برسا کر تباہ کیا، امریکہ نے ویتنام میں ۱۹۶۸ء میں پچاس لاکھ انسانوں کو بم برسا کر مار ڈالا تھا، آج وہی امریکہ افغانستان میں اور عراق میں انسانی بستیوں پر بموں کی بارش کر رہا ہے۔ خانصاحب کا امریکی ظلم نظر نہیں آتا، البتہ خانصاحب کو ۱۱ ستمبر کی مناسبت سے مضمون لکھ کر اپنے آنسو بہانے کو یاد دلانا یاد آتا ہے، جی ہاں یہی ہیں ہمارے خانصاحب یعنی مولانا وحیدالدین خاں وقت حاضر کے سب سے بڑے بزعم خویش مفکر اور حالاتِ حاضرہ کا صحیح اندازہ کرنیوالے عقلمند انسان۔

اسلام دشمنوں کے تلووں کو چاٹو اور جیب بھرو، اور عیش کی زندگی کا مزہ لوٹو، اے خانصاحب مگر یاد رکھو وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور، کب تک دنیا میں رہوگے تمہاری عمر کا بھی پیمانہ لبریز ہو چکا ہے آج نہیں تو کل تمہاری زندگی کا بھی چراغ گل ہوگا اس وقت شاید تمہاری زبان پر بھی یہی کلمہ جاری ہو یٰحسرتیٰ علی ما فرطت فی جنب اللہ وان کنت لمن الساخرین، او تقول لو ان اللہ ھدانی لکنت من المتقین او تقول حین تری العذاب لو ان لی کرۃ فاکون من المحسنین۔

محمد ابوبکر الغازیفوری

نبوی ہدایات

۱ - حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں ۔ (ترمذی)

یہ حدیث بطور خاص اس زمانہ میں ہم سب کے لئے بہت قابلِ توجہ ہے، آج ہمارے معاشرہ کا حال یہ ہے کہ مردوں پر عورت بننے کا بھوت سوار ہے اور عورت مرد بن رہی ہے، عورتوں کی نزاکت اور ان کی زیب و زینت مرد اختیار کر رہے ہیں، اور عورتیں مردانہ لباس پہن رہی ہیں شکل و صورت بالوں کی تراش و خراش بدن کا عریاں کرنا مردوں کا کھیل، مردوں کی سواری، بازاروں میں بے حجاب نکلنا اور شاپنگ کرنا آجکل کی نوجوان لڑکیوں کا تمدن بن گیا ہے۔ ایسے مرد اور عورتوں پر اللہ کے رسول نے لعنت فرمائی ہے ۔

۲ - حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آنکھ زنا کار ہوتی ہے، اور جب عورت خوشبو لگا کر نکلے تو وہ بھی بدکار ہے (ترمذی)

ہر آنکھ زنا کار ہوتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی غیر محرم عورت پر شہوت کے ساتھ نگاہ ڈالتا ہے تو گویا وہ آنکھ سے زنا کر رہا ہے۔

عورت کا خوشبو لگا کر باہر نکلنا فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔ اس طرح وہ عورت

لوگوں کی شہوتوں کو بھڑکانے والی ہوتی ہے اور زنا کا سبب بنا کرتی ہے اس وجہ سے اسے بدکار اور گنہ گار قرار دیا گیا ۔

۳ ـ زرعہ بن مسلم بن جرہد اپنے دادا جرہد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مسجد میں بیٹھے تھے اور ان کی ران کھلی ہوئی تھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ ران بھی شرم گاہ ہے۔

(ترمذی)

شرم وحیا اور ستر پوشی ایمان کا حصہ ہے ۔ بہت سے لوگ ستر پوشی کا لحاظ نہیں رکھتے اور بدن کا وہ حصہ بلا تکلف کھول کر رہتے ہیں جو ستر میں شمار ہوتا ہے، ران کا کھولنا بھی حرام ہے، اس لئے کہ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ بھی مردوں کی ستر میں داخل ہے ۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ران مردوں کی ستر میں داخل نہیں ہے، لیکن یہ بات ابتدائی زمانہ کی معلوم ہوتی ہے، یا کسی عذر کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ران کھولا ہوگا، آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا کہ آپ اپنی ران کو ڈھاکے رہا کرتے تھے ۔

۴ ـ حضرت ابو مسعودؓ کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ آدمی ایسی جگہ از خود امامت کرے جہاں دوسرا بطور منتظم اور حاکم موجود ہو، اور اس سے بھی منع کیا کہ وہ اس کی خاص جگہ پر بیٹھے ۔

اگر کوئی شخص ایسی جگہ جائے جہاں کا امام مقرر ہے یا حاکم وقت یا گاؤں کا چودھری خود نماز پڑھاتا ہے تو اگرچہ مہمان شخص علم وفضل میں اس سے بڑھا ہو مگر اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نماز پڑھانے سے بچنا چاہیے، اس لئے کہ اس سے اس کی عزت اور مقام ومرتبہ میں فرق پڑتا ہے، البتہ اگر وہ خود اجازت دیتا ہے تو نماز پڑھانے میں کچھ حرج نہیں ہے ۔

اسی طرح اس کی مخصوص جگہ پر بیٹھنا جائز نہیں ہے، البتہ اس کی اجازت سے بیٹھ سکتا ہے، شریعت کا مزاج دیکھو وہ دوسروں کے مقام ومرتبہ کا کتنا لحاظ رکھتی ہے ان باریک باریک باتوں کی رعایت صرف ہمارے دین کا خاصہ ہے ۔

۵ ـ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص

کو دیکھا کہ وہ اپنے پیٹ کے بل لیٹا ہوا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے لیٹنے کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

پیٹ کے بل لیٹنا انتہائی مکروہ ہیئت ہے، اور یہ قوم لوط کے عمل کو یاد دلاتی ہے اس لئے اس طرح لیٹنا اللہ کو پسند نہیں ہے، انسان کو ان باتوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے جبھی اسلام کی پوری زندگی انسان کی زندگی میں جلوہ نما ہو سکتی ہے۔

۶ ـ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے چت لیٹے ہوئے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

چت لیٹ کر ایک پاؤں کھڑا کیا جائے اور دوسرا پاؤں اس پر رکھا جائے تو بسا اوقات خصوصاً جب بدن پر لنگی ہو تو ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس طرح کا لیٹنا ممنوع قرار پایا، البتہ اگر پائجامہ پہنا ہو یا ایسی چادر بدن پر ہو جس سے بدن پورے طور پر ڈھکا ہو تو اس کی اجازت ہے۔

۷ ـ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دو شخص تھے اور دونوں کو چھینک آئی تو آپ نے ایک کا جواب دیا اور دوسرے کا جواب نہیں دیا تو اس دوسرے نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے اس کی چھینک کا جواب دیا اور میری چھینک کا جواب نہیں دیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس نے چھینک آنے پر الحمد للہ کہا تھا اور تم نے الحمد للہ نہیں کہا۔

چھینک آنے پر سنت یہ ہے کہ جس کو چھینک آئے وہ الحمد للہ کہے اور پاس والا یہ کہے اصلح اللہ بالك، یہی چھینک کا جواب کہلاتا ہے، مگر یہ اس وقت جواب دینا چاہئے جب چھینکنے والا الحمد للہ کہے اگر اس نے الحمد للہ نہیں کہا تو اب اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

چھینک کا جواب دینا تین دفعہ تک ہے، اگر کسی کو زیادہ چھینک آئے تو تین دفعہ کے بعد جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

مقام صحابہؓ
کتاب وسنت کی روشنی میں
اور مولانا مودودی

صحابہ کرام کے بارے میں قرآن کے ارشادات

قبل اس کے کہ میں آیاتِ قرآنیہ پیش کروں، ایک بات آپ جان لیں کہ قرآن نے جہاں مومنین متقین، اولیاء اللہ وغیرہ کا لفظ استعمال کیا ہے یا جہاں فوز وفلاح کی کسی عمل پر بشارت سنائی ہے یا جہاں اس نے مدح وثنا اور انعام وبشارت کے موقعہ پر جمع مخاطب کا صیغہ یا ضمیر استعمال کی ہے اس کے اول مصداق صحابہ کرام ہیں یہ بات اتنی بدیہی ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ جس پر دلیل پیش کرنے کی حاجت ہے اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ وہی پہلے مخاطب ہیں اس لئے ان خطابات اور ان بشارتوں کے پہلے مستحق بھی وہی ہیں
اب آپ قرآن کی وہ آیات ملاحظہ فرمائیں جن سے صحابہ کرام کی قدر وشان کا پتہ چلتا ہے۔

پہلی آیت

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ ۔

تم میں سے وہ لوگ برابر نہیں ہیں جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا۔ ان کا درجہ اللہ کے یہاں زیادہ عظیم ہے اور ہر ایک سے اللہ نے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

یہ آیت اس سے پہلے بھی گذر چکی ہے اور وہاں بتلایا جا چکا ہے کہ اگرچہ فتح کے سے قبل جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں مال خرچ کیا وہ بعد والوں سے اجر و درجہ کے اعتبار سے زیادہ ہیں لیکن جنت کا وعدہ سب سے ہے اور بنص قرآنی سارے صحابہ جنتی ہیں۔

دوسری آیت

هواجتباكم وماجعل عليكم	اللہ نے تم کو چن لیا اور اس نے تمہارے لئے
في الدين من حرج ملة ابيكم	دین میں کوئی تنگی نہیں پیدا کی، تمہارے
ابراهيم هو سماكم المسلمين من	باپ ابراہیم کا دین ہے انھوں نے تمہارا
قبل وفي هذا ليكون الرسول عليكم	نام مسلمان پہلے سے رکھا اور یہ نام اس قرآن میں
شهيدًا وتكونوا شهداء على	بھی ہے تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہو اور تم
الناس (الحج)	لوگوں پر گواہ بنو۔

قرآن کی یہ آیت اس بات میں بالکل صریح ہے کہ صحابہ کرام کو خداوند قدوس نے چنا تھا۔ اندازہ لگائیے کہ جو نفوس قدسیہ اللہ کے مجتبیٰ ہوں جن کو اللہ نے اپنے دین کے لئے خود چنا ہو ان کا مقام خدا کے یہاں کس درجہ بلند ہوگا ان کے مقام کی عظمت و رفعت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے وہ اپنے اخلاق و کردار میں کس درجہ جوہر خالص ہوں گے۔

بڑی جرأت و جسارت کی بات ہے کہ ان صحابہ کرام کو ہدف ملامت بنایا جائے، ان کی عیب جوئی کی جائے اور ان کی وہ تصویر پیش کی جائے جو کسی بھی شریف آدمی کے لئے باعث ننگ و عار ہو۔

ایسا کرنے والا صرف صحابہ کرام ہی کی تنقیص نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ اللہ کی ذات کو بھی تنقید و لعن کا نشانہ بنا رہا ہے اور وہ کتاب اللہ کی اس نص صریح کا منکر ہو رہا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جہاں صحابہ کرام کے مجتبیٰ من اللہ ہونے کا بیان ہے وہیں ان کے شاہد علی الناس ہونے کا بھی بیان ہے، اور شاہد ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ان میں کامل درجہ کی صفت عدالت پائی جائے اور وہ ہر طرح کے فسق و فجور کے شائبہ سے پاک ہوں ورنہ جو خود

غیر عادل ہو اور خوارم مروّت صفات کا حامل ہو، دوسروں کے لئے شاہد عدل کیسے بن سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام شہادت کے اعلیٰ معیار پر ہوں یعنی ان میں عدالتِ کاملہ پائی جائے گویا اس آیت سے صحابۂ کرام کی عدالتِ کاملہ کا بھی پتہ چلا۔

تیسری آیت۔

لکن الرسول والذین آمنوا معه جاھدوا بانفسھم واموالھم اولٰئك لھم الخیرات واولٰئك ھم المفلحون۔ (توبہ)	لیکن رسول اور جو لوگ آپ کے ساتھ ایمان لائے انھوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا انھیں کیلئے بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے سارے مومنین یعنی صحابہ کرام نے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا اور اللہ نے ان سب کے لئے بڑی تاکید کے ساتھ خیرات اور فلاح کا مژدہ سنایا۔

چوتھی آیت

قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسوله والمومنون۔ (توبہ)	آپ کہدیں کہ تم عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھے گا اللہ تمہارے عمل کو اور رسول اور مومنین۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ اور اس کا رسول انسانوں کے اعمال کے لئے کسوٹی اور معیار ہیں، اسی طرح صحابہ کرام بھی کسوٹی اور معیار ہیں اور اللہ اور رسول کے بعد صحابۂ کرام کا ہی بڑا درجہ ہے۔

پانچویں آیت

وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنٰتٍ تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ومساکن طیبة فی جنٰت عدن ورضوانٌ من اللہ اکبر	اللہ نے مومن مرد اور مومن عورتوں سے جنتوں کا وعدہ کر رکھا ہے یہ وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور اللہ نے ان کے رہنے کے باغات میں اچھے

ذٰلک ھو الفوز العظیم ۔ ٹھکانوں کا بھی وعدہ کیا ہے اور اللہ کی رضامندی
(توبہ) (جو انھیں حاصل ہوگی) وہ ان سب سے بڑی چیز ہے
اور وہی بڑی کامیابی ہے ۔

یہ آیت اس زمانہ کے منافقین و منافقات کے مقابلہ میں مومنین و مومنات کیلئے نازل ہوئی ہے۔ اس آیت میں سارے ہی صحابہ اور صحابیات کے لئے خلود فی الجنۃ کی بشارت ہے۔ اور اللہ نے ان سب کو اپنی رضامندی کا مژدہ سنایا ہے ۔

چھٹی آیت ۔

وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطًا اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت عادل
فتکونوا شھداء علی الناس ۔ بنایا ہے تاکہ تم لوگ لوگوں پر گواہ بنو ۔

(بقرہ)

اس آیت میں اللہ نے صحابہ کرام کی جماعت کو امت وسط فرمایا اور بتلایا کہ وہ لوگوں پر شاہد بنا کے پیش کئے جائیں گے ۔ امت وسط کا مطلب یہ ہے کہ افراط و تفریط سے ہٹ کر ایسی معتدل جماعت جس میں اخلاص وللّٰہیت ، دین و دیانت ، عدالت و ثقاہت وغیرہ شروط شہادت اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہیں ۔

اس آیت سے بھی صحابہ کرام کی بڑی فضیلت اور ان کے شہادت کے معیار اعلیٰ پر ہونے کا ثبوت ہوتا ہے ۔

ساتویں آیت ۔

یاایھا النبی حسبک اللہ ومن اے نبی آپ کو اللہ کافی ہیں اور وہ لوگ کافی
اتبعک من المؤمنین ۔ (توبہ ۱۰) ہیں جنھوں نے آپ کی اتباع کی یعنی مومنین ۔

اس آیتِ کریمہ سے صحابہ کرام کے مقام بلند کا پتہ چلتا ہے ، اللہ نے ان کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ کیا اور اپنے ساتھ صحابہ کرام کی موجودگی کو رسول کی تائید و نصرت اور آپ کی حمایت و کفایت کے لئے کافی قرار دیا ۔ اندازہ لگائیے کہ صحابہ کرام کا اللہ کے یہاں کتنا

بلند مرتبہ ہے۔

آٹھویں آیت۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ (آل عمران)

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

اللہ نے اس آیت میں صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے ان کو خیر امت قرار دیا اور ان کا وظیفہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بتلایا، یعنی یہی صحابۂ کرام کی صفت خاص تھی جو انکی پوری زندگی میں جلوہ گر تھی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صحابہ کرام کی زندگی کا درخشاں عنوان تھا اور ظاہر بات ہے کہ جب تک وہ خود معروفات پر کامل طریقہ سے عامل اور ہر طرح کے منہیات سے پوری طرح سے بچنے والے نہ ہوتے ان کا ذکر قرآن میں اس شان اور اس صفت کے ساتھ مقام مدح میں نہ کیا جاتا۔

خدا کی قسم بڑا اشقی ہے وہ انسان جو ان کے بارے میں خوردہ گیری کرتا ہے اور ان کے عیوب کی تلاش وجستجو میں رہتا ہے جنھیں قرآن خود خیر امت کا طغرائے امتیاز بخش رہا ہے۔

نویں آیت۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا ط (الفتح)

یقیناً اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ (اے نبی) آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور جان لیا جو ان کے دل میں تھا پھر اللہ نے ان کے اوپر اطمینان اتارا اور انکو قریبی فتح کا انعام دیا[1]۔

---

[1] الصارم المسلول میں ابن تیمیہ قاضی ابو یعلیٰ سے نقل کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا رضا اللہ کی ایک صفت قدیمہ ہے ؤ اپنی رضا کا اعلان صرف انھیں کیلئے فرماتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ انکی وفات موجبات رضا پر ہوگی۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۰۶)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیعت الرضوان میں شریک سارے صحابہ سے اللہ راضی رہا جس کے بارے میں اللہ خود فرما دیں کہ اللہ ان سے راضی ہے۔ اندازہ لگائیے کہ اللہ کے یہاں اس کا کیا درجہ ہوگا۔ وہ جماعت اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے کتنی پاکیزہ جماعت ہوگی وہ ایمان و اسلام اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے کس معیار کی ہوگی۔ اس جماعت کے بارے میں طعن و تشنیع اور زبان و قلم کی بے احتیاطی کتنی جسارت کی بات ہے۔

دسویں آیت۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراہم رکعا سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ط

(الفتح)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں بڑے زور آور ہیں اور آپس میں نرم دل اور ہمدرد) ہیں۔ تم انھیں رکوع اور سجدے میں دیکھو گے وہ اللہ کے فضل کو چاہا کرتے ہیں ان کے چہرے پر سجدہ کے اثر کی نشانی ہوتی ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرام کا تذکرہ بڑے محبوبانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ نیز یہ بتلا دیا گیا کہ اگر وہ ایک طرف کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں تو دوسری طرف آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں۔ نہایت اخلاص کے رکوع و سجدہ میں پڑے اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں اور عبادت و اخلاص کا یہ نور ان کے چہرے سے پھوٹا پڑتا ہے وہ ہر آن اللہ کے فضل و کرم کے متلاشی رہتے ہیں۔

(جاری)

پیش کردہ
نورالدین نوراللہ الاعظمی

افادات تفسیر عزیزی از پارۂ عم

(۱) جو بات عقل میں نہ آئے اس کے متعلق اسلام کا اصول

اسلام کا طریقہ اور ایمان کی نشانی یہ ہے کہ ایسی مشکل بات جو عقل میں نہ آئے انسان اس کی سمجھ و حقیقت دریافت نہ کر سکے اور پیغمبروں کی زبان سے وہ یقینی طور پر سن لے تو محض سننے ہی سے اس پر ایمان لے آئے اور اسے مان لے، اسی کا نام ایمان اجمالی ہے، یہی ہمیشہ کی سعادت اور نجات کا سبب ہے، زیادہ کھوج و تحقیق اس کے احوال و خصوصیات کی تفتیش میں نہ پڑے ورنہ اپنے اصل مطلب یعنی ایمان مجمل کو ہاتھ سے کھو بیٹھے گا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۲) ایک اشکال اور اس کا جواب

قرآن کی سورہ نبا میں فرمایا۔ کلا سیعلمون (ہرگز نہیں اب جان لیں گے) اور سورہ تکاثر میں فرمایا کلا سوف تعلمون (ہرگز نہیں آگے جان لوگے) سورہ تکاثر میں "سوف" ہے، اور سورہ نبا میں "سین" ہے۔ سوف تاخیر و مہلت پر دلالت کرتا ہے جبکہ سین نزدیکی اور جلدی پر دلالت کرتا ہے، اب اگر قیامت آنے کو قریب اعتبار کریں تو لفظ "سوف" کو سورہ تکاثر میں کیوں لائے؟ اور اگر قیامت کے آنے کو دور اعتبار کریں

تو سورہ نبأ میں "سین" کے کیا معنی ہوں گے؟

جواب سوال کا یہ ہے کہ سورہ تکاثر میں کفار مخاطب ہیں اور ان کے نزدیک قیامت بہت دور ہے اسلئے ان کے گمان کے مطابق وہاں لفظ سوف لائے جو بُعد اور دوری پر دلالت کرتا ہے۔

اور سورہ نبأ میں اہل ایمان مخاطب ہیں وہ قیامت پر ایمان لائے ہیں، اور جو چیز یقیناً آنے والی ہو وہ بہت قریب ہے اس لئے ان کے یقین کے مطابق یہاں لفظ "سین" لائے ہیں جو نزدیکی پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا انھم یرونہ بعیداً ونراہ قریباً، یعنی کافر قیامت کے دن کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اسکو قریب جانتے ہیں۔

(۳) اہل دوزخ کا ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی سزا پر شبہ اور اس کا جواب

اگر کسی کو دوزخیوں کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے حکم پر یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ سزا جرم سے زیادہ ہے کہ انکی دنیا کی عمر جتنی تھی اتنی ہی مدت ان کو جہنم میں رکھنا چاہئے تھا لیکن اس معمولی سی عمر کے برے اعمال کے بدلے میں ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرنا تو سراسر ظلم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے ان کو ہمیشہ کا عذاب دینا عین انصاف ہے ان کے اعمال کے موافق نہ کم ہے نہ زیادہ، ان کے اعمال بھی لامتناہی تھے اس لئے سزا بھی لامتناہی ہے۔ ان کے اعمال کے لامتناہی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ حساب کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ انکی نیت یہ تھی کہ اگر ان کو لامتناہی عمر دے دی جائے تو اسی طرح زندگی گذاریں گے، موت کی وجہ سے ان کے بُرے اعمال کا موقوف ہوجانا ان کی ناچاری وبے لبسی کی وجہ سے ہے، اس وجہ سے نہیں کہ ان کو عذاب کا خوف تھا، یا ثواب کی امید سے وہ برے اعمال سے رک گئے، یہ دونوں باتیں تو وہ کرے جس کو حساب کی توقع ہو اور یہ کافر انھم کانو الایرجون حساباً یعنی

یہ ہرگز یہ لوگ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے، ان کے دلوں میں گناہ کی محبت اتنی کھپ چکی تھی کہ انکی روحوں کے رگ و ریشے میں سما گئی تھی اور روح کی خاص طبیعت کے حکم میں ہو گئی تھی اور روح ایک ابدی چیز ہے وہ ہمیشہ رہے گی، جب باقی ہے تو اس کی خاص طبیعت کا جدا ہونا بھی محال ہے، اور یہی خاص طبیعت سبب ہے دائمی عذاب کا لہذا جب سبب ہمیشہ رہا تو مسبب یعنی عذاب کے ہمیشہ رہنے میں کیا تعجب ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ آخرت کے حساب سے بے اعتمادی والے اعمال صرف انکے اعضاء و جوارح سے ہی سرزد نہیں ہوئے بلکہ وہ اعمال بھی ہیں جو روح سے صادر ہوئے اعضاء کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور روح کے اعمال ہمیشہ روح کے ساتھ رہیں گے، لہذا ان کو دائمی عذاب عین انصاف ہے، روح کے اعمال بد میں سے آخرت کا انکار قرآن کی تکذیب وغیرہ ہیں۔

(۴) ایک مشہور شبہ اور اس کا جواب

کافروں کو دائمی عذاب دیئے جانے کے سلسلہ میں اکثر لوگوں کو ایک شبہ ہوتا ہے کہ وہ یہ کہ جب خلاف مزاج چیزیں کوئی دوام اور ہمیشگی کے ساتھ مبتلا ہو جائے تو ہمیشگی کی وجہ سے اس کی تاثیر معلوم نہیں ہوتی ہے، جیسے دق کے مریض کو گرمی سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی، لہذا جہنم والے جب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے تو ایک طرح سے وہ اس کے عادی ہو جائیں گے انکو عذاب کیسے ہوگا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دوام کی وجہ سے خلاف مزاج چیز کا احساس نہ ہونا وہاں ہوتا ہے جہاں خلاف مزاج چیز ایک ہی ہو اور جہاں مختلف صورتیں ہوں وہاں ایسا نہیں ہوتا ہے تکلیف کا احساس باقی رہتا ہے، اور جہنم میں ان کو ایک ہی طرح کا عذاب نہ ہوگا بلکہ طرح طرح کے عذاب ہوں گے جس کا وہ احساس کرتے رہیں گے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو کسی تکلیف کا احساس بدن کی جلد کے واسطہ سے ہوتا ہے، اور دوزخیوں کا جلد جل جانے کے بعد نئی پیدا کی جائے گی اور جلد چونکہ تازہ ہوگی، اس لئے اس کے اندر تکلیف کے احساس کی قوت بھی بہت زیادہ ہوگی جیسے جب زخم پر نئی کھال جمتی ہے تو اس میں تکلیف کے احساس کی بہت قوت ہوتی ہے معمولی گرمی و سردی سے بھی ؤمتاثر ہوجاتی ہے۔

اور دوزخیوں کے عذاب کی زیادتی کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ ان کے دشمنوں یعنی مومنین کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا، مومنین کو نعمتوں میں دیکھ کر یہ دوزخی اور کڑھیں گے یہ ایک طرح کا ان کو روحانی عذاب ہوگا۔

(۵) عصاء موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصاء کا معجزہ عطا کیا تھا، جو زمین پر ڈالنے سے اژدہا ہوجاتا تھا، اس کے علاوہ اس عصا میں اور بھی معجزات تھے، ایک یہ کہ پانی کھینچتے وقت کنویں کی گہرائی کی مقدار کے مطابق عصا لنبا ہوجاتا تھا اس کی دم میں بندھی رسی سے ڈول بندھ جاتا تھا، دوسرے تاریکی میں اس سے روشنی کی دو شاخیں ظاہر ہوتی تھیں، تیسرے یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام سوجاتے تو وہ کھڑا ہوکر نگرانی کرتا اور پہرہ دیتا تھا، بکریوں کے پاس چھوڑ آتے تو درندوں وغیرہ کو نہیں آنے دیتا تھا، یہاں تک بعض نے کہا ہے کہ عصاء میں ایک ہزار معجزات تھے، اس عصاء کے دو عمدہ معجزے کلام اللہ میں بھی بیان ہوئے ہیں، ایک اس کی ضرب سے دریا کا پھٹنا دوسرے اس کی ضرب سے پتھر سے چشموں کا پھوٹ پڑنا۔

(جاری)

محمد ابوبکر غازی پوری

امام بخاری کا رسالہ

جزء القرأۃ خلف الامام پر ایک طائرانہ نظر

مکرمی حضرت مولانا غازی پوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاجِ گرامی

زمزم کا تازہ شمارہ جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۳ نظر نواز ہوا، نیز ارمغان حق جلد دوم نے دیدۂ مشتاق کو آسودہ کیا، آپ کو اللہ نے تحریر کا جو سلیقہ دیا ہے اس پر رشک آتا ہے مشکل مضامین کو ایسے انداز میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے، اور دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، ارمغان جلد دوم بھی پہلی ہی جلد کی طرح اہم عنوانات پر مشتمل ہے، اور ہر مضمون قابلِ مطالعہ ہے۔

" امام ابوحنیفہ کے بارے میں محدثین کی جرحوں کی حقیقت " والا مضمون بڑا اہم ہے اس کو الگ سے شائع کر دیا جائے اور اس کا ترجمہ ہندی و انگریزی میں بھی ہوجائے تو بہت نفع ہوگا، میرا یقین ہے کہ حضرت امام اعظم کی روح آپ کو دعا دیتی ہوگی، کتنے پیارے اور تحقیقی انداز میں امام رحمۃ اللہ علیہ پر جرحوں کی حقیقت کو آپ نے واضح کیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے کر غیر مقلدین عوام کو امام اعظم کے بارے میں جو بدگمان کرنے کا کارنامہ انجام دیتے ہیں، آپ کے اس مضمون سے انکی کارستانیوں پر اللہ نے چاہا تو پانی پھر جائے گا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ جزء قرأت خلف الامام کے نام سے ہے۔ یقیناً یہ رسالہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، ہمیں اشتیاق ہے کہ اس رسالہ کے مشمولات اور ان کی حقیقت سے آپ قارئین زمزم کو آگاہ کریں، امید ہے کہ یہ درخواست درخورِ اعتنا ہوگی۔ والسلام

محمد شفیع انصاری، اعظم گڈھ

محترم! جناب نے زمزم اور ارمغان کے بارے میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اس سے خوشی ہوئی۔ بہت مشکل حالات میں زمزم نکل رہا ہے، اور کس طرح نکل رہا ہے اس کا بیان نہ کرنا ہی اچھا ہے۔ ارمغان جلد دوم بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جا رہی ہے، وللّٰہ الحمد والشکر۔

امام اعظم پر جرحوں والا مضمون آپ کو پسند آیا، یہ آپ کی حق شناسی کی دلیل ہے ورنہ یہی مضمون بعض اپنے ہی لوگوں کی نگاہ میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں صاحب مضمون کی جرأت بیجا قرار پایا، امام بخاری کی ہر بات کو جوں کا توں مان لینا ہمارا بھی مزاج بن گیا ہے، اب آپ نے مدیر زمزم کو مزید ایک امتحان میں ڈال دیا ہے، آپ کی یہ خواہش کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ جزء القراءۃ خلف الامام کے بارے میں مدیر زمزم کچھ اظہار خیال کرے میرے لئے بڑی آزمائش ہے اور اندیشہ ہے کہ اس بارے میں میرا کچھ کہنا بہت سی طبائع نازک کے لئے جن کے دلوں میں امام بخاری کا بے انتہا احترام ہے اور جن کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کسی طرح کی لب کشائی خطرناک جرم ہے، میری تحریر ان کیلئے ناقابل برداشت ہوگی۔

بہرحال اس رسالہ کے بارے میں میرا اجمالی تاثر یہ ہے کہ یہ رسالہ نہ بہت زیادہ تحقیقی ہے اور نہ امام بخاری کے مشہور فضل وکمال اور علم حدیث میں انکی معروف مہارت وامامت کے حسب حال ہے، اور نہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے جب یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا تو وہ بہت زیادہ پراگندہ ذہن اور پراگندہ خاطر تھے، انکی یہ پریشان خاطری وپراگندہ ذہنی پورے رسالہ میں جگہ جگہ عیاں ہے، امام بخاری کا قرأت خلف الامام کے بارے میں معروف مذہب یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے ہر نماز میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا، مگر پورا رسالہ پڑھنے کے بعد بھی امام بخاری کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا صحیح مذہب اس بارے میں ہے کیا؟ مقتدی صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا یا سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورہ بھی ملائے گا، پھر وہ کب پڑھے گا، ثنا کے بعد امام کی سورۂ فاتحہ

سے پہلے یا امام کے ساتھ، امام کی قرأت کی حالت میں یا امام کے سکتات میں، صرف سری نماز میں پڑھے گا یا جہری نمازوں میں بھی پڑھے گا، آپ پورا رسالہ پڑھ جائیں امام بخاری کا قرأت خلف الامام کے بارے میں مذہب واضح نہیں ہوتا ہے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ امام بخاری نہایت پریشان خاطری کا شکار ہیں۔

پھر رسالہ کی ترتیب بھی بڑی بے ترتیب ہے، امام بخاری جن کو اپنا خصم سمجھے ہوئے ہیں یعنی جن حضرات کے یہاں امام کے پیچھے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، ان کا استدلال قرآن سے ہے، پھر احادیث سے ہے، پھر اقوال صحابہ و فتاوی صحابہ سے ہے پھر اکابر تابعین کے آثار سے ہے، اب امام بخاری کو بھی اسی ترتیب سے اپنا رسالہ مرتب کرنا چاہئے تھا، مگر اس رسالہ میں امام بخاری نے کوئی ترتیب قائم نہیں کی ہے، بلکہ کیف ما اتفق حدثنا، حدثنا وہ کہتے چلے جاتے ہیں، بعض باتیں تو امام بخاری نے بڑی ہی بے تحقیق لکھی ہے جو ان کے کمالات و فضائل کو مجروح کرتی ہیں، نیز امام بخاری نے اس رسالہ کی احادیث کی چھان پھٹک میں بھی اپنی معروف مہارت فن کا ثبوت نہیں دیا ہے، ضعیف احادیث اور مجروح راویوں سے بھی وہ سند لاتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالہ جزء قرأت خلف الامام کے بارے میں یہ میرا اجمالی تبصرہ ہے، اس اجمال کی اب تھوڑی سی تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اس رسالہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو سب سے پہلی حدیث ذکر کی ہے وہ یہ ہے۔

(۱) عن اسحٰق بن راشد عن الزھری عن عبداللّٰہ بن ابی رافع مولٰی بنی ھاشم حدثہ عن علی بن ابی طالب، اذا لم یجھر الامام فی الصلوات فاقرأ بام الکتاب وسورۃ اخریٰ فی الاولیین من الظھر والعصر وبفاتحۃ الکتاب فی الاخریین من الظھر والعصر وفی الآخرۃ من المغرب وفی الاخریین من العشاء۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر امام نمازوں میں جہر نہ کرے (یعنی نماز

سری ہو) تو تم (امام کے پیچھے) سورہ فاتحہ اور ایک اور کوئی سورت پڑھو، اور نہ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں اور صرف سورہ فاتحہ پڑھو اور نہ ظہر اور عصر کی دوسری دو رکعتوں میں اور مغرب کی آخری رکعت میں اور عشار کی آخری دو رکعتوں میں۔

یہ اس رسالہ کی پہلی روایت ہے، آپ اس روایت کے مضمون میں غور فرمائیں کہ کیا اس سے امام بخاری کا معروف مذہب کا پتہ چلتا ہے، امام بخاری کا معروف مذہب یہ ہے کہ مقتدی ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا کوئی دوسری سورہ نہیں ملائے گا، جب کہ حضرت علی کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ :

(۱) امام کی جہری قرأت میں مقتدی خاموش رہے گا۔

(۲) جب امام سری نماز پڑھائے گا تو مقتدی ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا بلکہ اس کے ساتھ کوئی دوسری سورہ بھی ملائے گا۔

(۳) مقتدی ظہر اور عصر کی دو اخیر کی رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشار کی دو اخیر رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا۔

آپ غور فرمائیں کہ ان تینوں باتوں کو امام بخاری کے معروف مذہب سے کیا تعلق ہے

(۲) دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ امام بخاری کو اپنا رسالہ شروع کرنے کے لئے نہ قرآن پاک کی کوئی آیت ملی نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ حضرت ابوبکر و حضرت فاروق اور حضرت عثمان کا کوئی ارشاد ان کو ملا، چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ملا اور وہ بھی ایسا اثر جس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں معروف و مشہور مذہب معلوم بھی نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس سے ان کا معروف و مشہور مذہب مردود قرار پاتا ہے۔

(۳) اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ حضرت علی کا اثر بھی ائمہ محدثین کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے اس کی سند میں جو اسحٰق بن راشد راوی ہے اس کے بارے میں حضرت امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ لا یحتج بحدیثہ یعنی اس کی حدیث لائق حجت نہیں ہوتی ہے۔

(میزان ج ۱ صـ ۱۹۱)

(ص۱)

اور حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں۔ فی حدیثہ عن الزہری بعض الوہم۔
یعنی ان کی جو روایتیں امام زہری سے ہیں اس میں کچھ وہم ہوتا ہے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ
علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہاں جو اثر نقل کیا ہے وہ بھی امام زہری ہی سے نقل کیا ہے۔

بہر حال اس رسالہ کی جو پہلی حدیث ہے اس کا حشر آپ نے معلوم کر لیا، اور میری اوپر
کی گفتگو سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جو میں نے ابتداءً یہ عرض کیا تھا کہ حضرت امام بخاری کا یہ
رسالہ نہ ترتیب کے لحاظ سے قابل لحاظ ہے، نہ یہ کوئی بہت تحقیقی ہے، بلکہ امام بخاری کی پریشان
خاطری اور پراگندہ ذہنی کا یہ رسالہ پتہ دیتا ہے۔ ہماری یہ بات صداقت سے بالکل خالی نہیں ہے۔
جب ہم حقائق کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں تو ہمارے بعض کرم فرما فرماتے ہیں کہ تم اپنی
تحریر میں امام بخاری کی شان و عظمت کا لحاظ نہیں کرتے ہو، یعنی اب حقائق کا اظہار بھی
جرم ہے۔

(۲) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ میں دوسری حدیث وہ ذکر کی
ہے جو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی ہے وہ بہت مشہور ہے، جس کا مضمون یہ ہے۔
حضرت عبادہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ
نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔

اس روایت کو امام بخاری نے پہلے تین سندوں سے ذکر کیا ہے، پھر اسی کو حضرت
معمر عن الزہری کی سند سے ذکر کیا ہے جس میں لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب
فصاعداً کا لفظ ہے یعنی اس روایت میں فصاعداً کا لفظ بھی ہے جس کے ساتھ
پوری روایت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی ہے جو سورہ فاتحہ اور اس کے
ساتھ کچھ اور نہ پڑھے، چونکہ یہ صحیح روایت امام بخاری کے معروف مذہب کے خلاف ہے اسلئے
کہ ان کا مذہب تو یہ ہے کہ مقتدی صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا، سورہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور
نہیں ملائے گا، جب کہ حضرت عبادہ کی اس سند والی روایت میں حضور کا یہ فرمانا ہے
کہ قاری سورہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی ملائے ورنہ اس کی نماز نہیں ہوگی، تو حضرت امام بخاری

اس روایت کی اس زیادتی کو غلط ٹھہرانے کے درپے ہوگئے، فرماتے ہیں کہ قولہ فصاعداً غیر معروف، یعنی حضرت معمر کی روایت میں لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کے ساتھ فصاعداً کا جو لفظ ہے وہ غیر معروف ہے۔ حضرت امام بخاری کی اس بات میں کتنی صداقت ہے اگر اس کے بیان کرنے کے درپے ہم ہوں تو خاصا وقت صرف ہوگا، اور مضمون بہت طویل ہوجائے گا، اسلئے ہم صرف یہ عرض کریں گے کہ حضرت معمر ثقہ اور نہایت قابلِ اعتبار راوی ہیں، اور محدثین نے یہ اصول ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی ثقہ راوی کسی حدیث میں کوئی بات زیادہ بیان کرتا ہے تو اس کی وہ زیادتی قابلِ قبول ہے اس کو رد نہیں کیا جائیگا، ورنہ اس سے اس راوی کی ثقاہت مجروح ہوجائے گی اور وہ ثقہ باقی نہیں رہے گا البتہ اتنی شرط ضرور ہے کہ اس کی وہ زیادہ مضمون والی روایت اس سے زیادہ ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف نہ ہو۔

اب اس روایت میں آپ غور فرمائیں کہ حضرت معمر ثقہ راوی ہیں جو اس زیادتی کے ساتھ اس روایت کو ذکر کرتے ہیں اور ان کی یہ زیادتی کسی ثقہ راوی کی روایت کے خلاف بھی نہیں ہے، فرق یہ ہے کہ دوسروں نے اس حدیث کو ناقص ذکر کیا تھا، حضرت معمر نے پوری حدیث ذکر کردی، ناقص کے مقابلہ میں پوری حدیث ذکر کرنے کو مخالفت نہیں کہا جاتا ہے، مخالفت کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ دونوں احادیث کے مضامین ایک دوسرے کے ضد اور مخالف ہوں۔ اگر حضرت معمر کی حدیث میں یہ ہوتا کہ سورہ فاتحہ کے بغیر ہی نماز ہوجائے گی تو یہ البتہ مخالفت ہوتی مگر یہاں تو سورہ فاتحہ کے اثبات کے ساتھ ساتھ مزید کچھ پڑھنے کا ذکر ہے، مزید پڑھنے والی بات بعض دوسرے محدثین نے نہیں ذکر کی ہے، مگر ان محدثین کے اس کو نہ ذکر کرنے کی وجہ سے اس کا حدیث کا حصہ نہ ہونا تو نہیں ثابت ہوتا ہے، محدثین کا یہ عام دستور ہے کہ وہ کبھی پوری حدیث ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس کا ایک حصہ ذکر کرتے ہیں، اور امام بخاری کے یہاں خصوصاً صحیح بخاری میں یہ بات بہت عام ہے، جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے، اور یہی وجہ ہے کہ محدثین کو یہ قاعدہ بنانا پڑا کہ کوئی ثقہ راوی کسی زیادۃ کو ذکر کرتا ہے تو زیادۃ مقبول ہوگی، اسکو ایک

مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص جو سچا اور ثقہ ہے وہ کہتا ہے کہ آج فلاں مسجد میں فلاں سلفی
امام صاحب نے نماز پڑھائی، ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ ان امام صاحب نے ننگے سر نماز پڑھائی
اور یہ بات کہنے والا بھی سچا ہے تو چونکہ اس کی یہ بات پہلے شخص کی بات کے خلاف نہیں ہے
نماز پڑھانے کا دونوں تذکرہ کر رہے ہیں فرق یہ ہے کہ پہلے نے پوری بات نقل نہیں کی تھی اور
دوسرے نے پوری بات نقل کر دی ہے، اسلئے اب اس دوسرے کی بات کو جبکہ وہ سچا اور
قابل اعتبار ہے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے ورنہ اس کی سچائی اور ثقاہت پر حرف آئیگا
حالانکہ اس کی سچائی مسلم ہے بالکل اسی طرح حضرت معمر نے پوری بات نقل کی ہے اس وجہ
سے انکی بات کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

پھر امام بخاری کا یہ کہنا کہ فصاعدًا کی زیادتی غیر معروف ہے، اس وجہ سے وہ ناقابل
قبول ہے، حد درجہ تعجب خیز ہے، اس طرح کی باتوں سے احادیث رسول کے بارے میں تشکیک
کا ذہن پیدا ہوتا ہے اور لوگوں میں انکار حدیث کا جذبہ پرورش پانے لگتا ہے، میں نے حد درجہ
تعجب خیز اسلئے کہا ہے کہ کیا امام بخاری صرف انھیں حدیثوں کو قبول کریں گے جو معروف ہونگی
اور جو احادیث غیر معروف ہونگی اگرچہ واقع میں وہ حدیث رسول ہو امام بخاری اس کا انکار
کریں گے؟ کیا کسی چیز کا غیر معروف ہونا اس بات کو لازم ہے کہ وہ موجود بھی نہ ہو، کہ مکرمہ جتنا
معروف لفظ ہے سعودیہ کا شہر الخبر اور بریدہ بھی اتنا ہی معروف ہے؟ اور کیا ان کا غیر معروف
ہونا ان شہروں کے وجود کی نفی کر دے گا؟ اگر حضرت امام بخاری کا یہ اصول تسلیم کر لیا جائے
تو ہر غیر معروف کی نفی کرنی پڑے گی۔

پھر کیا ضروری ہے کہ جو چیز امام بخاری کے نزدیک غیر معروف ہو وہ دوسرے
محدثین کے یہاں بھی غیر معروف ہو، حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری کے معاصر ہیں
اور فن حدیث میں ان کے ہم پلہ ہیں بس انیس بیس کا فرق ہے، ان کے نزدیک فصاعدًا
کا لفظ ایسا مشہور تھا کہ انھوں نے حضرت معمر کی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ مسلم
شریف میں ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کا مسلم شریف میں ہونا اس کے قابلِ اعتبار ہونے کی دلیل ہے، پس جن لوگوں نے حضرت عبادہ والی حدیث سے فصاعدا کا ٹکڑا حذف کردیا ہے، تصور ان کا ہے کہ انھوں نے ناقص حدیث ذکر کی ہے، حضرت معمر نے پوری حدیث ذکر کرکے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری بات امت تک پہونچانے کا کام انجام دیا ہے، حضرت معمر نے اس حدیث کو حضرت امام زہری سے نقل کیا ہے، اور محدثین فرماتے ہیں کہ امام زہری کے شاگردوں میں سے انکی حدیث کے بارے میں امام معمر سب سے زیادہ ثبت ہیں، امام ذہبی تذکرہ میں فرماتے ہیں ۔ ھومن اثبت الناس فی الزھری یعنی امام معمر امام زہری کی حدیثوں کے بارے میں سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہیں، امام معمر ... حفظ کا حال یہ تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ سے چودہ سال کی عمر میں جو حدیثیں سنی ہیں وہ میرے سینہ میں آج بھی اس طرح محفوظ ہیں کانہ مکتوب فی صدری (تذکرہ) گویا کہ وہ میرے سینہ میں لکھی ہوئی ہیں ۔

اب یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو شخص حضرت زہری کے باب میں سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہو اس کی اس حدیث کو جو وہ زہری سے نقل کرتا ہے غیر معروف کہہ کر رد کردیا جائے اور جو اثبت فی الزھری نہ ہو ان کی زہری والی اسی حدیث کو قبول کیا جائے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ الٹی گنگا بہانا چاہتے ہیں ۔

بہرحال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمر کی حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ کہ وہ قابلِ قبول نہیں ہے، اسلئے کہ وہ غیر معروف ہے ۔ اور اس کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے، قطعاً واقعہ کے خلاف ہے ۔ اس کا معروف ہونا تو اس طرح معلوم ہوگیا کہ حضرت امام مسلم نے اسکو اپنی مسلم شریف میں ذکر کیا ہے، اور رہا یہ کہ اس کا کوئی متابع نہیں ہے، تو یہ بھی خلافِ تحقیق بات ہے ۔ حضرت معمر کی متابعت حضرت سفیان بن عیینہ جیسا محدث کرتا ہے ۔ حضرت ابن عیینہ کی حدیث ابوداؤد میں ملاحظہ کرلی جائے ۔ نیز حضرت عبدالرحمٰن بن اسحٰق نے بھی اس زیادتی کو نقل کیا ہے ۔ خود امام بخاری فرماتے ہیں ۔ و یقال ان عبدالرحمٰن بن اسحٰق تابع معمراً ۔

یعنی کہا یہ جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق نے معمر کی متابعت کی ہے، اگرچہ امام بخاری نے حضرت اسحٰق کی حدیث کو یہ کہہ کر ولا نعلم ان ھذا من صحیح حدیثہ ام لا یعنی ہمیں پتہ نہیں ہے کہ یہ حدیث انکی صحیح حدیثوں میں سے ہے یا نہیں۔ عبدالرحمٰن والی حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے، مگر اس مسئلہ میں امام بخاری کے ہم نوا امام بیہقی نے یہ کہہ کر کہ وھو کما قال یعنی امام بخاری کا یہ کہنا کہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق نے امام معمر کی متابعت کی ہے، صحیح اور درست ہے، امام بخاری نے اس حدیث کے بارے میں جو شک پیدا کیا تھا اس کا ازالہ کر دیا ہے، اور امام بیہقی نے تو حضرت معمر کے دو متابع اور بھی ذکر کئے ہیں اور وہ ہیں امام اوزاعی اور شعیب بن حمزہ، اور ان دونوں نے جو لا صلوٰۃ والی حدیث میں فصاعداً کی زیادتی ذکر کی ہے امام بیہقی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ صرف اتنا کہا کہ کذا قال بھذہ الزیادۃ یعنی اس زیادتی کو امام بیہقی تسلیم کرتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ حضرت معمر کی متابعت کرنے والے کئی جلیل القدر محدث ہوگئے، حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت عبدالرحمٰن بن اسحٰق، حضرت امام اوزاعی اور حضرت شعیب بن حمزہ، اور یہ چاروں کے چاروں جلیل القدر محدث ہیں، اس واضح حقیقت کے باوجود حضرت امام بخاری کا یہ کہنا کہ اس زیادتی کو روایت کرنے والے صرف معمر ہیں اور ثقات محدثین انکی متابعت نہیں کرتے انصاف سے کتنی بعید بات ہے، اگر یہ ثقات محدثین نہیں ہیں تو پھر دنیا میں "ثقہ محدث" صفت کا کوئی محدث نہیں ہوگا، اور خود بخاری کی ان تمام روایتوں سے دست کشی اختیار کرنی ہوگی جن کی سندوں میں یہ ائمہ حدیث مذکور ہیں، ناظرین یہ جان کر حیران ہوں گے کہ امام معمر کی روایت کی متابعت کرنے والے یہ چاروں وہ ہیں جنکی روایتوں سے امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری بھری ہوئی ہے، اور جن کی روایتوں پر خود بخاری کو اعتماد ہے۔

ایک اور بات جو ہماری نگاہ میں حضرت معمر کی روایت کو امام بخاری کے رد کرنے کی روش کو بے اعتبار کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اپنے اس رسالہ کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس حدیث سے کی ہے، اس میں خود حضرت علی فرماتے ہیں کہ سورہ

فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورہ بھی مقتدی پڑھے ، اور امام بخاری اس رسالہ میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا ان لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وما زاد ۔ یعنی یہ کہ بلا سورہ فاتحہ اور کچھ مزید کے نماز نہیں ہوگی ، اور اسی کچھ مزید کو فصاعداً اسے حضرت معمر کی روایت میں ظاہر کیا گیا ہے ، تو جب حضرت امام بخاری خود ایسی حدیثیں ذکر رہے ہیں اور ان پر کوئی کلام بھی نہیں کرتے ، جن میں سورہ فاتحہ پر زیادتی کو ذکر کیا گیا ہے تو اب حضرت معمر کی حدیث میں جو فصاعداً کا لفظ ہے اس کا انکار کرنا یہ محض زبردستی ہے ، اور ایک مسلم حقیقت کا انکار کرنا ہے ۔ اور ثقہ محدثین کو بے اعتبار کرنے کی ناروا کوشش ہے ۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جب میں یہ رسالہ پڑھتا ہوا آگے بڑھتا ہوں تو میری حیرانی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اور امام بخاری کے بارے میں میرا حسن عقیدت شدید مجروح ہوتا ہے ، ابھی آپ نے دیکھا کہ حضرت معمر کی حدیث میں جو فصاعداً کی زیادتی ہے اور جس کی متابعت بہت سے ائمہ حدیث نے کی ہے اس پر تو امام بخاری کو کلام ہے ، مگر امام بخاری محمد بن اسحٰق کی سند والی ایک حدیث ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ ہر وہ نماز جس میں قرآن نہ پڑھا جائے وہ ناقص ہوتی ہے ، اور پھر فرماتے ہیں کہ اس میں یزید بن ہارون نے بفاتحۃ الکتاب کا لفظ زیادہ کیا ہے ، اس زیادتی کو وہ بسر و چشم قبول کرتے ہیں ، حالانکہ یہاں تو محمد بن اسحٰق کی وجہ سے اصل حدیث ہی مخدوش ہے ، محدثین نے محمد بن اسحٰق پر جتنا کلام کیا ہے کم ہی محدثین ہوں گے جن پر اتنی جرحیں کی گئی ہوں ، محمد بن اسحٰق پر محدثین کی ان جرحوں کو نقل کرنے میں کافی طوالت ہے ، ان کے بارے میں جو عام اتفاقی بات ہے وہ یہ ہے کہ مغازی میں تو یہ حجت ہیں مگر حلال و حرام کے مسئلہ میں یہ ناقابل اعتبار راوی ہیں ، حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں محدثین کی جرحوں اور تعدیلوں کو نقل کرکے اپنا فیصلہ یہ سنایا ہے ۔ والذی تقرر علیہ العمل ان ابن اسحٰق الیہ المرجع فی المغازی والایام النبویۃ مع انہ

یشذ باشیاء وانہ لیس بحجۃ فی الحلال والحرام (تذکرہ)
یعنی ابن اسحٰق مغازی اور غزوات میں مرجع ہیں، اور اس میں بھی وہ بہت سی شاذ چیزیں
نقل کرتے ہیں، حلال وحرام میں وہ حجت نہیں ہیں۔

ابن اسحٰق کے بارے میں یہ انتہائی درجہ کا معتدل فیصلہ ہے، اور اس معتدل فیصلہ
کا حاصل یہ ہے کہ ابن اسحٰق کی روایتیں حلال وحرام لہٰذا دینی وشرعی مسائل میں ناقابلِ
قبول ہیں۔ مذہبًا ابن اسحٰق قدری بھی تھے، یعنی ان کا شمار اہل سنت والجماعت میں سے
نہیں تھا، اور ابن اسحٰق کی ظاہری حالت یہ تھی کہ حافظ ابن عدی فرماتے ہیں کہ کان یلعب
بالدیوک کہ یہ صاحب مرغ بازی بھی کرتے تھے، (تذکرہ)

بہرحال امام بخاری کی ابن اسحٰق کی سند سے جو حضرت عائشہ کی روایت ہے وہ
محدثین کے فرمان کے مطابق ناقابلِ اعتبار ہے، مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو اپنے
اس رسالہ میں ذکر کرتے ہیں، اور چونکہ اصل روایت میں فاتحہ کا ذکر بھی نہیں ہے،
مطلق قرآن کے پڑھنے کا ذکر ہے جو امام بخاری کے مذہب کے خلاف ہے۔ اس لئے انکو
اس حدیث میں سورہ فاتحہ کا پیوند ڈھونڈنا پڑا، اور اس پیوند کو امام بخاری بے چوں چرا
تسلیم کرتے ہیں، اسلئے کہ اس پیوند کے ساتھ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے
امام بخاری کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

ناظرین حیران ہونگے کہ امام بخاری حضرت معمر کی حدیث جس میں لاصلوٰۃ
لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کے ساتھ فصاعدًا کا بھی لفظ مذکور ہے اس کو
تسلیم کرنے سے کیوں گھبرا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری کا مذہب قرأت
خلف الامام کے سلسلہ میں یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا، اور
اس حدیث میں اللہ کے رسول سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ پڑھنے کا حکم فرمارہے ہیں۔
اور یہ حکم مقتدی کا نہیں بلکہ امام اور منفرد کا ہے۔ یعنی اب اس حدیث عبادہ بن صامت
کا تعلق منفرد اور امام سے ہوگا مقتدی سے نہیں، اور چونکہ حضرت عبادہ والی یہی حدیث

ان لوگوں کے مذہب کے لئے سب سے قوی دلیل تھی جو مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہ اس شکل میں ہوگا جب پوری حدیث کو صرف لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ الا بفاتحۃ الکتاب تک مانا جائے گا، اور اس میں سے فصاعداً کا کلمہ نکال دیا جائے گا اس وجہ سے امام بخاری اور ان کے ہم نوا کا پورا زور اس پر صرف ہوتا ہے کہ حضرت معمر نے اس حدیث میں جو فصاعداً کا لفظ بھی ذکر کیا ہے اس کو غلط قرار دیا جائے، اور اس عمل کے لئے محدثین کے اصولوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیجاتی ہیں اور صحیح حدیث کو غلط ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا جاتا ہے، اس کی ابتداء امام بخاری ہی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور اب انھیں کا سہارا لے کر دوسرے بھی جن کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا اس صحیح حدیث سے جان چراتے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں عمارہ بن میمون رجیب بن الشہید عن عطاء کے طریق سے ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ ذکر کی ہے۔

وفی کل صلوٰۃ تقرأ فما اسمعنا النبی صلے اللہ علیہ وسلم اسمعناکم وما اخفی علینا اخفینا علیکم۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں ہر نماز میں قرأۃ کی جاتی ہے پس جس نماز میں حضور نے قرأت زور سے کی اور ہم کو سنایا ہم بھی ان نمازوں میں قرأت زور سے کرتے ہیں اور تم کو سناتے ہیں اور جن نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قرأت کو ہم سے مخفی رکھا ہم بھی تم سے اپنی قرأت کو مخفی رکھتے ہیں۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ اس روایت کو امام بخاری اور انکے ہم نواؤں کے مذہب سے کیا تعلق ہے، مگر چونکہ اس میں فی کل صلوٰۃ تقرأ کا لفظ ہے اس وجہ سے امام بخاری نے اس سے یہ کشید کیا کہ مقتدی کی بھی نماز چونکہ نماز ہی ہے اس وجہ سے وہ بھی قرأت کرے گا اور امام بخاری نے اس پر قطعاً دھیان نہیں دیا کہ پھر مقتدی کو جہری نماز میں جہراً قرأت

کرنی ہوگی اور سری نماز میں سراً قرأت کرنی ہوگی، اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور نے ہم کو جن نمازوں میں سنایا ہم بھی تم کو سناتے ہیں یہ سنانا جہراً قرأت سے ہوگا نہ کہ سراً۔

حضرت امام بخاری نے اپنے اس رسالہ میں بہت سی ایسی روایتیں ذکر کی ہیں جن کا ان کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور جن میں مطلق قرأت کا ذکر ہے سورہ فاتحہ کا ان میں کوئی مذکور ہی نہیں مگر امام بخاری بلا تکلف ان روایتوں کو ذکر کرتے جاتے ہیں، امام بخاری نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا أ فی کل صلوٰۃ قرأۃ کیا ہر نماز میں قرأت ہے تو آپ نے فرمایا نعم ہاں ہر نماز میں قرأت ہے۔ اب اس روایت کا قرأت فاتحہ خلف الامام سے کیا تعلق ہے، مگر امام بخاری اس طرح کی روایتوں کو بھی ذکر کرتے ہیں اور زبردستی ان سے اپنے مذہب قرأت فاتحہ خلف الامام کی تائید حاصل کرتے ہیں۔

حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب جیسا کہ معلوم ہے یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، مگر وہ اپنے اس رسالہ میں ایسی روایتیں بھی لیتے ہیں جن سے سورہ فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہوتا ہے، مثلاً اس روایت کو دیکھیں۔

ابوعالیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مکہ میں پوچھا کہ کیا میں نماز میں قرأت کیا کروں؟ تو انھوں نے فرمایا انی لاستحی من رب ھذا البیت ان اصلی صلوٰۃ لا اقرأ فیھا ولو بام الکتاب یعنی میں اس گھر کے رب سے شرم کھاتا ہوں کہ کوئی نماز پڑھوں اور اس میں قرآن نہ پڑھوں، اگرچہ وہ سورہ فاتحہ کیوں نہ ہو۔

اس روایت سے نماز میں مطلق قرآن پڑھنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ بطور خاص سورہ فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اور اس روایت میں یہ بھی نہیں ہے کہ یہ پڑھنا مقتدی کے لئے ہے کہ امام کے لئے کہ تنہا نماز پڑھنے والے کیلئے مگر امام بخاری رحمہ اللہ

اپنی فقاہت سے اس کو بھی اپنے مذہب کی دلیل سمجھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔

عن یحییٰ البکاء[1] سئل ابن عمر عن القرأۃ خلف الامام فقال ما کانوا یرون باسًا ان یقرأ بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ۔ یعنی یحییٰ البکاء فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو قرأت خلف الامام کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ لوگ اپنے جی میں سورہ فاتحہ پڑھنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔

اس روایت سے کیا سورہ فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے؟ بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر صحابہ کرام سورہ فاتحہ پڑھتے ہی نہیں تھے، اور اگر پڑھتے بھی تھے تو اسکو واجب نہیں سمجھتے تھے، اس طرح کی روایتوں کو ذکر کر کے معلوم نہیں امام بخاری کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، مجھے بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ امام بخاری کو صرف حدثنا حدثنا کہنے کا فن تو آتا تھا مگر انکو دین میں تفقہ سے کچھ بہت زیادہ حصہ نہیں ملا تھا جس کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکے کہ کون سی روایت اس کے مطلب کیلئے مفید ہے اور کون سی مضر اور کس روایت سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور کون سی روایت اباحت اور جواز کو بتلاتی ہے جو اتنی موٹی موٹی باتوں کا بھی احادیث سے پتہ نہیں چلا سکے اس کو دین میں فقاہت سے کیا نسبت ایسے مجرد قسم کے محدثین کو دین کے معرکہ خیز مسائل میں دخل اندازی سے

---

(۱) تعجب ہے کہ امام بخاری نے یحییٰ البکا کی روایت کو کیسے قبول کیا، یہ شخص انتہائی درجہ کا ضعیف راوی ہے، ائمہ جرح و تعدیل اسکی روایتوں کو مردود قرار دیتے ہیں، ابو ذرعہ فرماتے ہیں کہ لیس بقوی نسائی فرماتے ہیں، وہ متروک الحدیث ہے، دارقطنی فرماتے ہیں "ضعیف"، ابن حبان فرماتے ہیں اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے، ابن معین فرماتے ہیں وہ گنتی کے قابل نہیں ہے۔ دیکھو میزان الاعتدال ص ۴۰۹ ج ۳ و تقریب لابن حجر امام بخاری ایسی ضعیف و متروک راویوں کی روایت کا سہارا لیتے ہیں۔ فسبحان اللہ ما اعظم شانہ۔

گریز کرنا چاہئے تھا

یادش بخیر، حضرت امام بخاری باہیں قابلیت و تفقہ، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جب منہ آتے ہیں تو ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ جن صاحب کی فہم کا حال یہ ہو کہ انکو اس کا بھی ادراک نہ ہو سکے کہ کون سی روایات ان کے مذہب کی موید ہیں اور کون سی روایتیں ان کیلئے مضر ہیں، کن روایتوں سے کسی چیز کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور کن روایتوں سے محض اباحت و جواز کا اثبات ہوتا ہے، انکو حوصلہ ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے خلاف جنبش قلم کریں اور اپنا زور آزمائی دکھلائیں اور وہ بھی بلا تحقیق اور خلاف واقعہ باتوں سے۔

اس رسالہ میں بھی امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کو بخشا نہیں ہے، موقعہ ملا ہے تو ان کو اپنے قلم کا نشانہ ضرور بنایا ہے، بلکہ بالقصد والارادہ انھوں نے اس کا موقع نکالا ہے، چنانچہ اپنے اس رسالہ میں لکھتے ہیں کہ

وقال بعض الناس یجزیه آیة آیة فی الرکعتین الاولیین بالفارسیة ولا یقرأ فی الاخریین۔ (صـ)

یعنی بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں فارسی زبان میں ایک ایک آیت کا پڑھنا کافی ہے، اور آخر کی دو رکعتوں میں کچھ نہ پڑھے۔

جب امام بخاری بعض الناس کہتے ہیں تو عموماً اس سے انکی مراد حضرت امام ابوحنیفہ کی ذات ہوتی ہے، بخاری کی یہ اصطلاح اہل علم میں بہت مشہور ہے، بخاری شریف میں بھی بعض الناس کہہ کر انھوں نے مذہب ابوحنیفہ اور امام ابوحنیفہ پر ضرب کاری لگانے کی کوشش کی ہے۔

یہاں بعض الناس سے مراد حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی ہے۔ محشی نے حاشیہ میں امام ابوحنیفہ کے نام کی صراحت بھی کر دی ہے، اس عبارت میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی ہے، وہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ سے اس طرح کی کوئی بات بسند صحیح یا غیر صحیح قطعاً ثابت

نہیں ہے، اگر میری یہ بات غلط ہے تو کوئی بھی بخاری کا حمایتی اٹھے اور سند صحیح سے امام
ابوحنیفہ سے اس بات کو ثابت کرے

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اسی طرح کی غیر ذمہ دارانہ باتوں میں سے ایک
بات وہ ہے جس کو انھوں نے اپنے اسی رسالہ میں نقل کیا ہے۔

اہل علم کو معلوم ہے کہ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ
عنہ کے مخصوص ترین تلامذہ میں سے تھے اور ان کے علوم کے امین، فقہ وحدیث میں ان کا
مقام معلوم کرنا ہو تو حافظ ذہبی کا تذکرہ دیکھو، امام ذہبی نے صحابہ کرام کے بعد کبار تابعین
کا ذکر شروع کیا ہے تو پہلے نمبر پر ان کا ذکر کیا ہے، امام ذہبی فرماتے ہیں۔۔ کان فقیھا
اماما بارعا طیب الصوت بالقرآن ثبتا فیما ینقل صاحب خیر وورع کان
یشبه ابن مسعود فی ھدیه ودله وسمته وفضله ۔ یعنی علقمہ فقیہ،
بلند مرتبہ امام، قرآن بہترین آواز میں پڑھنے والے تھے، احادیث کے بیان کرنے میں ثبت
(انتہائی درجہ احتیاط سے بیان کرنے والے) تھے، صاحب خیر وصاحب ورع تھے، چال ڈھال
عادت وسیرت اور فضل وکمال میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے مشابہ تھے۔

نیز فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ صحابہ کرام کو چھوڑ کر
حضرت علقمہ کے پاس کیوں آتے ہیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے بہت سے صحابہ کرام کو
دیکھا ہے کہ وہ حضرت علقمہ سے علمی سوالات کرتے ہیں اور ان سے فتویٰ معلوم کرتے ہیں۔

صرف اتنے سے اندازہ لگائیے کہ حضرت علقمہ کا دین اور علم میں کیا مقام تھا، مگر چونکہ
حضرت علقمہ کے واسطہ ہی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علم ابراہیم نخعی تک اور
ان سے حضرت حماد تک اور ان سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور تمام فقہاء کوفہ تک پہونچا ہے
اور کوفہ والوں کی فقہ سے حضرت امام بخاری کو بیزاری ہے، اس وجہ سے انھوں نے حضرت علقمہ
جیسے شخص کو بھی نہیں بخشا اور ان کے بارے میں اسی کتاب میں خدا کا خوف کھائے بغیر یہ لکھ مارا
کہ علقمہ اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں یہ مروی ہے کہ ان لوگوں نے قرآن سے سورہ فاتحہ کو مٹادیا

تھا (یعنی نکالدیا تھا) امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ ویروی ایضاً عنھم انھم محوا فاتحۃ الکتاب من المصحف۔ اس کا ترجمہ وہی ہے جو اوپر میں نے کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہتے وقت امام بخاری کے ذہن سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد بالکل محو ہوگیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ۔ آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے، امام بخاری نے حضرت علقمہ کی شان میں یہ غلط بات اسلئے کہی کہ ان کا مذہب قرأت خلف الامام کا نہیں تھا، تو اب امام بخاری یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت علقمہ وغیرہ تو سورہ فاتحہ ہی کے دشمن تھے اس کو وہ امام کے پیچھے پڑھیں گے کیا انھوں نے تو اس کو قرآن ہی سے نکالدیا تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ان کے حاسدوں نے بہت سی خلاف واقعہ باتوں کو ان کے زمانہ میں مشتہر کرنا شروع کردیا تھا، جو بعد میں رواج پاتی چلی گئیں اور اس کی تحقیق کئے بغیر کہ حضرت امام کی طرف ان باتوں کی نسبت صحیح بھی ہے یا نہیں، بہت سے بزرگوں نے انکو اپنی کتابوں میں نقل کرنا شروع کردیا، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کا شکار ہوئے، اللہ انکی اور ہم سب کی زلات کو معاف کرے۔

ان چند باتوں سے آپ نے معلوم کرلیا ہوگا کہ امام بخاری کے رسالہ جزء قرأت خلف الامام کی حقیقت کیا ہے، اور وہ کتنا قابل بھروسہ اور تحقیقی اور اپنے مقصد میں کتنا کامیاب رسالہ ہے۔

میں اسی مختصر تحریر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں، پورے رسالہ پر تبصرہ کرنا اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے۔

اطلاعاً عرض ہے کہ اگر کسی کو میری بات سے اختلاف ہے تو اس کیلئے زمزم کے صفحات حاضر ہیں وہ آئے اور اپنی تحقیق پیش کرے۔

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری قسط ۲

بریلوی مذہب پر ایک نظر

حضور ہر جگہ موجود ہیں

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں :

" اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ جائکم میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں " جاء الحق صفحہ ۱۲۳

فائدہ :- بلکہ آپ یوں کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام مسلمانوں کے پاس بھی ہیں جو ابھی عالم وجود میں نہیں آئے ہیں اسلئے کہ خطاب تو قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے۔

ناظرین کرام ! ہم سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ ہی ہر جگہ موجود ہے۔ مگر بریلوی مذہب میں آنحضور بھی ہر جگہ موجود ہیں تو اب اللہ و رسول میں فرق کیا رہا۔ بریلوی حضرات اس غلو کو محبت رسول سے تعبیر کرتے ہیں۔

بہت سی مخلوق ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

یہی مفتی صاحب لکھتے ہیں :

" اور ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہونا بہت سی مخلوقات کو کیا گیا ہے ماننا پڑے گا
کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرما ہوئی " منہ۱۵ جاء الحق

فائدہ :- آپ ذرا مفتی صاحب موصوف سے پوچھیں کہ پھر آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کیا رہی اور یہ آپ کا وصف کمال کہاں ہوا ، کاش مفتی صاحب ان بہت سی مخلوقات کا پتہ بھی بتلاتے ۔

آنحضور ایک ہی وقت میں کروڑہا جگہ

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں :

" اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی کروڑہا جگہ ایک ہی وقت میں تمام قبور میں پیش کیے جاتے ہیں " مقیاس حنفیت ص ۲۷۷

آنحضور فوق الارض بھی حاضر و ناظر اور تحت الارض بھی اور آپ کو ایسا ہی سمجھنا ایمان کی کسوٹی ہے

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں :

" ایک ہی وقت میں ۔ آنحضور ۔ روئے زمین پر بھی حاضر و ناظر ہیں ۔ جو اپنے زائرین کو مختلف مقامات پر زیارت سے شرف فرمار ہے ہیں ، اور تحت الارض بھی کروڑہا ملکوں میں بلا امتیاز زیارت کروا رہے ہیں اور خواص کو بلا نوم و بلا مراقبہ بالمشافہ زیارت سے سرفراز فرما رہے ہیں ، جیسے قبور میں اہل قبور کے واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا اور آپ کی پہچان پر فلاح کا دار و مدار ہے ، اسی طرح فوق الارض بھی ہر اہل ایمان کے واسطے آپ کو حاضر و ناظر سمجھنا ایمان کی کسوٹی ہے "

فائدہ :- خیر یہ ایمان کی کسوٹی ہے یا کفر و شرک کی یہ تو مولوی صاحب جانیں ۔

یہ کڑوریا ملکوں والی بات تو مولوی صاحب کی ہے ۔ بہت دلچسپ ناظرین کی معلومات میں اس سے یقیناً اضافہ ہوا ہوگا ۔

اور سنئے مولوی صاحب کیا فرما رہے ہیں۔

"اب عالم برزخ میں بھی آپ کا حاضر وناظر ہونا عالم دنیا میں بھی اور عالم ملکوت میں اور لامکان میں بھی اور روضۂ اطہر پہ جانے والوں کو بھی سوال وجواب دے ہیں فرماتے ہیں اور جنت پہ تخت نشین بھی ہیں اور ہر مقام پہ سونے والے اولیاء کرام کو بھی اپنی زیارت سے شرف فرماتے ہیں" کتاب مذکور ص ۲۷۷

فائدہ:۔

بشر کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　محمد کا رتبہ خدا سے ملائیں

نہ توحید میں فرق اس سے آئے　　نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

ابلیس اپنی جگہ سے تمام روئے زمین کے انسانوں کو دیکھتا ہے

صوفی اللہ دتہ لکھتے ہیں :

"یہی حال ابلیس لعین کا ہے کہ اپنی جگہ سے تمام روئے زمین کے انسانوں کو دیکھتا ہے اور ہر ایک کے حال کے مطابق وسوسے ڈالتا ہے یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے " تنویر الخواطر ص ۴۴

فائدہ :۔ صوفی صاحب کا یہ لکھنا کہ شیطان اپنی جگہ سے تمام روئے زمین کے انسانوں کو دیکھتا ہے ، قرآن مجید پر افتراء اور بہتان ہے خیر اس کا انجام تو صوفی صاحب بھگتیں گے ہم کو تو بریلوی حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جان فدا کرنے والو ذرا بتلاؤ کہ جب سارا روئے زمین ابلیس کی نگاہ میں بھی ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا کہاں سے آپ کیلئے باعث کمال ہوا ۔ آپ کے صوفی صاحب نے تو اللہ و رسول اور ابلیس سب کو معاذ اللہ برابر کر دیا ۔ یہی صوفی صاحب لکھتے ہیں :

" اب رہی دوسری صورت کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ خاص سے سب کا

مشاہدہ فرماتے ہیں یہ بھی نقلاً وعقلاً جائز اور ممکن ہے دلائل نقلیہ تو یہ ہیں کہ قرآن مجید میں ابلیس اور اس کے بارے میں آیا ہے۔ انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لاترونھم بیشک ابلیس اور اس کا قبیلہ اس حیثیت سے تمہیں دیکھتا ہے کہ تم ابھی نہیں دیکھ سکتے یعنی ابلیس اپنے مقام سے ہی تمام روئے زمین کے انسانوں کو دیکھتا ہے۔ (ص ۱۱۴)

فائدہ :۔ دیکھا آپ نے دعویٰ تو یہ کیا جا رہا ہے کہ آنحضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور دلیل میں وہ آیت پیش کی جا رہی ہے جو ابلیس لعین کے متعلق ہے اور ان صوفی صاحب کو شرم نہ آئی کہ آنحضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ ابلیس لعین پر قیاس کر رہے ہیں، کوئی صاحب ایمان اس کو گوارا بھی کر سکتا ہے اور رہا صوفی صاحب کا شیطان کی حاضری و ناظری اور اس کے ہر جگہ سے دیکھنے کیلئے اس آیت کا پیش کرنا تو یہ بیچارے کی مریض ذہنیت اور جہالت کی دلیل ہے خود آیت کا ترجمہ بتلا رہا ہے کہ صوفی صاحب بیچارے معصوم عن العلم ہیں۔

کسی بھی کافر و مسلم کو عذاب قبر نہیں

صوفی صاحب مذکور لکھتے ہیں :

"جس قبر میں آپ رونق افروز ہوئے ہیں بوقت سوال منکر نکیر وہ شخص ہرگز معذب نہیں بلکہ اس کو ارشاد ہوتا ہے سو جا جیسے دولہن سوتی ہے" (ص ۱۲۵)

فائدہ :۔ حدیث سے ثابت ہے کہ قبر میں جب نکیرین سوال کرتے ہیں تو یہ بھی پوچھتے ہیں من ھذا الرجل یہ آدمی یعنی آنحضور کون ہیں مسلم اپنے عقیدہ کے مطابق جواب دیتا ہے اور کافر اپنے عقیدہ کے مطابق، پھر کافر کیلئے جہنم کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور مسلم کیلئے جنت کا لیکن بریلوی حضرات کے یہاں نہ کافر کو عذاب ہوتا ہے اور نہ مسلم کو اسلئے کہ ان کا تو یہ پختہ عقیدہ ہے کہ آنحضور ہر جگہ ہیں اور ہر قبر میں بنفس نفیس تشریف فرما ہوں، کافر کی قبر میں بھی آپ تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اسلئے بقول صوفی صاحب وہ بھی عذاب قبر سے مامون ہوتا ہے۔

غوث کے بغیر زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے

احمد رضا خاں صاحب سے پوچھا گیا، غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے؟ ارشاد ہوا بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ (مـ)

فائدہ:۔ قرآن تو کہتا ہے کہ زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ تھامے ہوئے ہے مگر بریلوی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ غوث کے بغیر زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔

آنحضور اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں۔

"پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں ہر چند آنحضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں۔" (شمول الاسلام مـ)

فائدہ:۔ عجیب بات ہے بریلوی حضرات اور ان کے اعلیٰ حضرت آنحضور کو ایک طرف مختار کل بھی مانتے ہیں اور دوسری طرف اتنا عاجز بھی کہ اپنے چچا جیسے انسان کو بھی ایمان پر آمادہ نہ کر سکے، لہٰذا یہ عقیدہ ہی غلط کہ آنحضور مختار کل ہیں۔

پیغمبروں وغیرہ سے مدد چاہنا

مولانا احمد رضا خاں صاحب سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ یا ولی اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں اور پیغمبروں اور ولی اللہ سے مدد چاہنا جائز ہے یا نہیں اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جائز ہے جب کہ انہیں بندہ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انہیں باذن الٰہی والمدبرات امرًا سے جانے مانے اور اعتقاد کرے، بے حکم خدا

ذرہ نہیں ہل سکتا اور اللہ عزوجل کے دیئے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا ایک حرف نہیں سن سکتا پلک نہیں ہلا سکتا اور بیشک سب مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے۔ (احکام شریعت ص ۱۲۰/۵۷۳)

غیر اللہ سے مدد چاہنا بریلوی مذہب میں جائز ہے اگرچہ مسلمان پنجوقتہ نماز میں یہی پڑھتے ہیں ایاک نعبد و ایاک نستعین، جس کا اعلیٰحضرت ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ مگر یہاں اعلیحضرت بریلویوں کے معروف عقیدہ کیخلاف بات کہہ گئے۔

سب چیزیں حلال ہیں

مفتی احمد یار خاں صاحب فرماتے ہیں:

" خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔ اللہ نے زمین کی تمام چیزیں ہمارے لئے پیدا فرمائیں۔ جب تمام چیزیں ہمارے لئے پیدا ہوئیں تو سب چیزیں حلال ہی ہیں۔ جنھیں رب تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے وہ اس عارضہ سے حرام ہوں گی۔" (ص ۳۹ راہ جنت)

سب حرام چیزوں کا بیان قرآن میں ہے

مفتی احمد یار خان صاحب وقد فصل لکم ما حرم علیکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں

" اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے حرام چیزوں کا تفصیل وار بیان فرمایا۔ حلال چیزیں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں جو حرام نہیں وہ حلال ہے۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔" (راہ جنت ص ۳۶)

فائدہ:- پہلی عبارت سے معلوم ہوا کہ صرف وہی چیزیں حرام ہیں جسے اللہ نے حرام کیا حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول بھی جس چیز کو حرام قرار دیں وہ بھی اسی طرح

سے حرام ہے جس طرح اللہ کی حرام کردہ چیز ہے ۔

دوسری عبارت سے معلوم ہوا کہ حرام چیزوں کا تفصیل وار بیان قرآن میں ہے اور جن چیزوں کا بیان قرآن میں نہیں ہے وہ حلال ہیں اس لئے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے تو گویا چوہا، بلی گدھا وغیرہ بھی بریلوی حضرات کے یہاں حلال ہیں اسلئے کہ ان کی حرمت کا بیان کہیں قرآن میں نہیں ہے ۔

نوٹ :۔ راہ جنت مفتی احمد یار خاں صاحب کے لڑکے مفتی اقتدار احمد صاحب کے نام سے شائع ہوئی ہے ۔ مگر اصل مصنف باپ ہیں بیٹے کا نام محض دکھاوے کا ہے ۔

عرس میں ڈھول سارنگیاں وغیرہ بجانا حرام ہے

مولانا احمد رضا خاں صاحب سے سوال کیا گیا کہ عرس میں ڈھول سارنگی وغیرہ بجانا گناہ ہے یا نہیں ؟ اس کا جواب دیتے ہیں ۔

" ایسی قوالی حرام ہے ، حاضرین سب گناہ گار ہیں ، اور ان سب کا گناہ عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے ، قوالوں کا بھی گناہ عرس کرنے والوں پر بغیر اس کے کی عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا پورا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ وجہ یہ ہے کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا ان کے لئے اس نے گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انھیں سنایا اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول اور سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا وہ نہ کرتا تو نہ بلاتا تو یہ کیوں کر آتے بجاتے لہذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ۔ (احکام شریعت ص۲۲ ، ص۲۳)

فائدہ :- ذرا اعلیٰ حضرت بریلوی کے اس فتویٰ کو عرس کرنے والے اور مزارات پر طبلہ اور سارنگی بجوانے والے بریلوی حضرات غور سے دیکھیں، اعلیٰ حضرت کا اردو ادب ذرا گاڑھے قسم کا ہوتا ہے۔ یہ عبارت اس کا ایک نمونہ ہے۔

حضور کا علم غیب محدود ہے

مولانا ارشد القادری لکھتے ہیں :

"قدما مفسرین نے ارشاد فرمایا ہے کہ جن آیتوں یا حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا ثبات کیا گیا ہے، وہاں علم غیب سے مراد محدود اور عطائی علم غیب ہے جو ایک بندے کا صحیح منصب ہے" (کتاب علم غیب ص۲۸)

اسی کتاب میں لکھتے ہیں :

"حضور کے لئے علم غیب عطائی محدود کا ثبوت بھی درست ہے"

فائدہ :- اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم نہیں تھا بلکہ محدود اشیاء کا علم تھا جو بریلوی مسلک کے خلاف ہے۔

غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا حرام ہے

مولانا احمد رضا خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ۔ خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر خدا کیلئے ذبح کرے ..... پھر لکھتے ہیں۔ " ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت و اعانت بقصد عبادت غیر ہی کرتا ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں" ص۴۴

فائدہ :- مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ قبروں وغیرہ پر جو غیر اللہ کیلئے جانور ذبح کیا جاتا ہے یہ شرک و کفر ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

غیر مقلد عالم مولانا محمد جوناگڈھی کا کچھ ذکر خیر

مکرمی حضرت مولانا زادت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب والا کے مضامین نگاہوں سے گزرتے رہتے ہیں۔ زمزم پرچہ کا مطالعہ پابندی سے کرتا ہوں۔ الحمدللہ آپ کے قلم کے ذریعہ غیر مقلدیت کی حقیقت آشکارا ہوتی جارہی ہے اور حق کا نور پھیلتا جارہا ہے۔

جناب والا ادھر کچھ دنوں سے ہندوستان میں غیر مقلدین کے کچھ ادارے مولانا محمد جوناگڈھی کی کتابوں کی بڑی سرگرمی سے اشاعت کر رہے ہیں، برائے کرم مولانا جوناگڈھی کی شخصیت اور انکی کتابوں کی حقیقت سے ہمیں واقف کرائیں۔ عین کرم ہوگا۔

والسلام

ذوالفقار بہرائچی مقیم جوگیشوری ممبئی

زمزم ! مولانا محمد جوناگڈھی کا ایک رسالہ دلائل محمدی ہے، وہ پاکستان کا مطبوعہ میرے پاس ہے، اس میں مولانا کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سنہ ۱۸۹۰ء میں جوناگڈھ کاٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے، دہلی میں تعلیم حاصل کی، پھر دہلی میں مدرسہ محمدیہ قائم کیا جس کے مولانا ہی صدر مدرس تھے، ان کے بارے میں لکھا ہے،

" قدرت نے تصنیف وتالیف کا بڑا پاکیزہ ذوق عطافرمایا تھا "

اور لکھا ہے :

" توحید وسنت کے ہر محاذ سے دین حق کی حمایت کی اور شرک وبدعات کے تمام قلعوں پر زبان وقلم کے گولے برسائے "

اور لکھا ہے :

آپ کے قلم حق رقم سے جو شاہکار علمی اور تحقیقی رسائل اور اعلیٰ کتابیں مرتب ہو کر شائع ہوئیں وہ اردو زبان میں دینی علوم کا بڑا قابلِ فخر سرمایہ ہیں جس کے باراحسان سے اردو دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

آپ ایک رسالہ " اخبار محمدی " کے نام سے نکالتے تھے، آپ پچاس سال کی عمر میں ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں حرکتِ قلب بند ہوجانے سے وفات پا گئے، انتقال وطن جوناگڈھ ہی میں ہوا۔

یہ تو ہے مولانا جوناگڈھی کی مختصر سوانح، آپ کے حالات لکھنے والے نے لکھا ہے کہ قدرت نے آپ کو تصنیف وتالیف کا بڑا پاکیزہ ذوق عطافرمایا تھا۔ اور پھر لکھتا ہے کہ آپ کفر وشرک کے قلعوں پر گولے برساتے رہے، آپ کا پاکیزہ ذوق کیسا تھا اس کا اندازہ انکی کتابیں پڑھنے والوں کو خوب ہے، اپنی زبان وقلم سے فقہ حنفی اور احناف کے خلاف مغلظات کے آبشار زندگی بھر بہاتے رہے، غیر مقلدین میں ایسے گندہ قلم اور گندے زبان والے دوچار ہی گذرے ہیں، اسی مغلظات کا آبشار بہانے کو صاحب سوانح نے کفروشرک کے قلعے پر گولے برساتے رہے " سے تعبیر کیا ہے اسلئے کہ جوناگڈھی کے نزدیک تقلید شرک ہے، اور مقلدین مشرک ہیں۔

رہا آپ کی علمی وتحقیقی شان تو اس کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے، اپنے رسالہ " ہدایہ پر ایک نظر " میں انھوں نے ہدایہ کے سو ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن کے بارے میں موصوف کا خیال ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، اسمیں کا ایک مسئلہ یہ ہے۔

ینظر الرجل من ذوات محارمه الی الوجه والرأس والصدر والساقین والعضدین۔

اس کا ترجمہ موصوف نے یہ کیا ہے۔

یعنی آدمی اپنی ذی محرم رشتہ دار عورت کے چہرے اور سر اور سینے اور رانوں اور بازوؤں کو دیکھ سکتا ہے۔" صہ ۱۵

ہدایہ کی عبارت میں ساقین کا لفظ ہے۔ خط کشیدہ عربی لفظ دیکھیں، اس کا ترجمہ دونوں پنڈلیاں، ہوگا۔ ساق کے معنی عربی میں پنڈلی کے ہوتے ہیں، مگر ہدایہ کی غلطیاں نکالنے والے یہ غیر مقلد قابل مولوی صاحب اس کا ترجمہ" ران" کر رہے ہیں، ران کیلئے عربی میں" فخذ" کا لفظ آتا ہے نہ کہ ساق کا۔

قابلیت کا عالم تو یہ ہے کہ لفظ ساق اور لفظ فخذ میں جناب کو فرق سمجھ میں نہیں آتا ہے اس پر وہ صاحب ہدایہ کی غلطیاں نکالنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ یہ ہے موصوف کی علمی وتحقیقی شان۔

دوسری بات یہ ہے کہ جناب والا کو ہدایہ کا یہ مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف نظر آتا ہے۔ تو صحیح مسئلہ کیا ہے جو مذہب غیر مقلدین میں قرآن وحدیث کے موافق ہے، اگر کسی غیر مقلد میں حوصلہ ہے تو وہ صحیح مسئلہ پیش کر کے مولانا جوناگڑھی کی صداقت کو ثابت کرے ہاں ذرا کوئی غیر مقلد قرآن کی وہ آیت اور وہ حدیثیں بھی پیش کرے جس سے ہدایہ کا مذکورہ مسئلہ غلط ثابت ہوتا ہو، ساق کا ترجمہ ران کر کے موصوف محقق صاحب ہدایہ کیخلاف طوفان برپا کرنے کا ارادہ کئے ہوئے تھے مگر ہدایہ کا مسئلہ اپنی جگہ پر صحیح رہا اور خود موصوف کی تحقیقی وعلمی شان کی حقیقت ظاہر ہوگئی۔

(۲) اسی کتاب میں ہدایہ سے ایک مسئلہ یہ لکھا ہے۔

نبیذ العسل والتین ونبیذ الحنطة والذرة والشعیر حلال اور

اس کا یہ فاضلانہ ترجمہ کیا ہے۔

یعنی شہد کی، انجیر کی، گیہوں کی، جوار کی اور جو کی شراب حلال ہے۔ ص۱۶

عبارت میں لفظ نبیذ آیا ہے، اس کا ترجمہ شراب کرنا انتہائی درجہ کی حماقت اور جہالت ہی نہیں بلکہ بے دینی اور حد کفر تک پہونچانے والی بات ہے، اردو میں شراب کا مفہوم ہر عام و خاص جانتا ہے، نبیذ کا ترجمہ شراب کر کے اس غیر مقلد نے اپنی حماقت و جہالت کا ہی نہیں بلکہ اپنی بد دینی کا بھی اظہار کیا ہے۔ نبیذ عربی میں اس شربت کو کہا جاتا ہے جو کھجور، منقیٰ، شہد، گیہوں اور جو سے تیار کیا جاتا ہے۔ مجمع البحار میں ہے۔

"النبیذ" مایعمل من الاشربۃ من التمر والزبیب والعسل والحنطۃ والشعیر۔ یعنی نبیذ ان شربتوں کو کہتے ہیں جو کھجور، منقیٰ، شہد، گندم اور جو سے تیار کیا جاتا ہے۔ نبیذ کو عام طور پر عرب بطور لذیذ اور مقوی غذا کے استعمال کرتے تھے، خود حضورؐ نے اور آپؐ کے صحابہ نے نبیذ کا استعمال کیا ہے، جس شربت کو حضورؐ نے حلال سمجھا ہو اور اسکو پیا ہو، صحابہ کرام اس کا استعمال کرتے رہے ہوں اس کو اردو والا شراب بنا کر اس غیر مقلد نے اپنا ایمان خراب کیا ہے، اگر اس نے تعمداً ایسا کیا ہے تو اس سے اس کی بد دینی و بے ایمانی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ و مرغوب اور استعمال کی جانے والی چیزوں کو حرام قرار دینا حد کفر تک پہونچانے والی بات ہے۔

اب رہا یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نبیذ کا استعمال کیا ہے کہ نہیں تو سنئے، مسلم شریف میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لقد سقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقدحی ھذا الشراب کلہا العسل والنبیذ والماء واللبن۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ) یعنی میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس پیالہ سے ہر طرح کا مشروب پلایا ہے۔ شہد بھی نبیذ بھی پانی بھی اور دودھ بھی۔

مسلم شریف ہی کی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کنا ننبذ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سقاء یوکی اعلاہ ولہ عزلاء ننبذہ غدوۃ فیشربہ عشاء وننبذہ عشاء فیشربہ غدوۃ (رواہ مسلم مشکوٰۃ)

یعنی ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سوراخ والے چمڑے کی جھولی میں جس کا اوپر کا حصہ باندھ دیا جاتا تھا نبیذ بناتے تھے صبح کو نبیذ بناتے تھے اسے آپ رات میں پیتے تھے اور رات کو نبیذ بناتے تھے اسے آپ صبح میں پیتے تھے۔

اور مسلم شریف ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شروع رات میں نبیذ بنائی جاتی تھی تو اس کو آپ صبح میں پیتے تھے پھر اسکو آنے والی رات میں پیتے تھے اور پھر اسی کو دوسرے دن بھی پیتے تھے اور پھر دوسری رات بھی پیتے تھے اور پھر تیسرے روز عصر تک اس میں سے پیتے تھے، اس کے بعد بھی اگر کچھ بچ جاتی تو خادم کو پلا دیتے تھے یا پھر بہانے کا حکم فرماتے تھے۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات تین روز تک اسی ایک نبیذ کا آپ استعمال فرماتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی تین روز تک بھی نبیذ میں نشہ نہیں پیدا ہوتا ہے، اسلئے کہ نشہ پیدا ہو جانے کے بعد اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

بہرحال نبیذ جب تک کہ اس میں نشہ نہ پیدا ہو مطلقاً حلال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ محبوب مشروب تھا، اسکو حرام قرار دینا اور اس پر اردو کے مفہوم والے شراب کا لفظ استعمال کرنا انتہائی درجہ جہالت اور بددینی کی بات ہے بلکہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ایسے شخص کا ایمان ہی خطرہ میں ہے۔

جب آدمی پر غیر مقلدیت کا نشہ چڑھتا ہے تو وہ اسی قسم کا ہذیان بکتا ہے اور اپنا ایمان کھوتا ہے، اور نبیذ کو اردو والی شراب بناتا ہے۔

(۳) اسی کتاب میں ہدایہ کا یہ مسئلہ لکھا ہے۔

عصیر العنب اذا طبخ حتی ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ حلال وان اشتد۔

اور اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اور انگور کی شراب جس میں انگور کا شیرہ پکنے میں دو تہائی جل گیا ہو اور ایک تہائی رہ گیا ہو وہ حلال ہے۔

ذرا کوئی اس قابل سے پوچھے کہ عصیر العنب کا ترجمہ انگور کی شراب اردو وعربی کی

کس لغت میں ہے، ہدایہ اور صاحب ہدایہ کی دشمنی نے دماغ خراب کر رکھا ہے کہ اس کو عصیر اور خمر کا فرق سمجھ میں نہیں آتا۔ عصیر العنب کا ترجمہ تو انگور کا شیرہ یا عرق ہم نے جانا تھا اور یہ غیر مقلد قرآن وحدیث کے سمجھنے والے قابل صاحب اس کا ترجمہ انگور کی شراب کر رہے ہیں، اس جہالت اور حماقت کے باوجود صاحب ہدایہ پر آنکھیں دکھاتے ہیں، اگر ہدایہ کا یہ مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو صحیح مسئلہ قرآن وحدیث والا کیا ہے؟ ذرا کوئی غیر مقلد بتلائے تو سہی، غیر مقلدیت نام ہی ہے اکابر واسلاف کے خلاف طوفانِ بدتمیزی پیدا کرنے کا، زندگی بھر یہ صاحب جن کا نام محمد جوناگڈھی تھا، اور جن کے قلم سے جیسا کہ آپ نے معلوم کیا علمی شاہکار اور تحقیقی رسائل اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں نکل کر شائع ہوئی ہیں، یہی کھیل کھیلا کرتے رہے تا آنکہ اسی کھیل میں مر گئے اور جوناگڈھ میں دفن ہو گئے۔

ایک ہی کتاب کے ان تین نمونوں سے آپ نے جوناگڈھی صاحب کی قابلیت کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ اور یہ صاحب کس کردار کے تھے اس کو آپ نے معلوم کر لیا ہوگا۔

یہ جوناگڈھی کتنا بڑا جاہل فتنہ پرور، فقہ حنفی کا دشمن اور شر انگیز تھا۔ میں سوچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں اس نے علم کے نام پر علم کو کتنا رسوا کیا ہے، میں آپ کو بتلا نہیں سکتا مثلاً یہ لکھتا ہے کہ حنفی فقہ کی کتابوں میں صحابہ کرام کو غیر فقیہ لکھا گیا ہے، اور اس نے غیر فقیہ کا مطلب بتلایا ہے۔ بیوقوف، کم فہم، بے سمجھ، بات کو بخوبی نہ سمجھنے والا، اس نے اپنے رسالہ سراج محمدی میں صلا پر یہ عنوان قائم کیا ہے۔

حنفیوں نے صحابہ کی بڑی توہین کی ہے:

پھر لکھتا ہے:

حنفی مذہب فقہ کے اصول کی کتاب اصول شاشی بحث ثانی میں ہے۔ کابی هریرة وانس بن مالك یعنی صحابہ میں غیر فقیہ (بے سمجھ کم فہم، بات کو بخوبی نہ سمجھنے والے تھے) جیسے ابو ہریرہ اور انس بن مالک، حضرت عقبہ اور دیہات کے رہنے والے کل صحابہ کو غیر فقیہ بے سمجھ لکھا ہے۔ حضرت معبد خزاعی کو نور الانوار میں بھی یہی لکھا ہے، پس ان چاروں بزرگوں کا

تونام لے کر انھیں بے وقوف کہا گیا ہے، اور مدینہ شریف کے ارد گرد کے تمام لوگوں کو یہی لقب دیا گیا۔ (سراج محمدی ص۹)

آپ اس عبارت میں غور فرمائیں یہ شخص کس قدر بد زبان اور بد لگام اور فقہ حنفی کا دشمن اور جاہل ہے۔ اس کی یہ دشمنی اس کی عبارت مذکورہ بالا کی ہر ہر سطر سے ٹپک رہی ہے۔ اس غیر مقلد نے اپنے عنوان میں دعویٰ تو اتنا بڑا کیا مگر دلیل جو ذکر کی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں، احناف کی کتابوں کا نام لیا ہے مگر انکی عبارتیں پیش کرنے سے جان چرا رہا ہے، اسلئے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ جو کچھ بک رہا ہے سب جھوٹ ہے، حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور اس نے غیر فقیہ کا ترجمہ بیوقوف اور بے سمجھ کر کے تو اپنے علم کی لٹیا ڈبو دی ہے اس غیر مقلد کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ شرع و دین کی اصطلاح میں فقیہ اور غیر فقیہ کا کیا مطلب ہوتا ہے، غیر مقلدین صرف شرارت کرنا جانتے ہیں، جھوٹ بولنا بڑی ہانک ہانکنا علماء و فقہاء کی شان میں گستاخی کرنا روافض کی طرح ان کا بھی دین اور ایمان ہے اور اس پر دعویٰ کریں گے کہ ہم قرآن و حدیث کو ماننے والے لوگ ہیں۔

موصوف کی جو کتاب بھی اٹھاؤ اس کا جو رسالہ بھی پڑھو سب میں جہالت و حماقت کا ایک طومار نظر آتا ہے۔ مثلاً اس کا ایک رسالہ شمع محمدی ہے، اس میں اس نے اپنی دانست میں ہدایہ کے خلافِ شرع مسائل کو جمع کیا ہے، اس رسالہ میں ہدایہ کی یہ عبارت نقل کرتا ہے۔ ومن نحر ناقة اوذبح بقرة فوجد فی بطنها جنينا ميتا لم يوكل اشعر اولم يشعر۔ اور اس عبارت کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

یعنی جس نے اونٹنی یا گائے کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکلا تو اسے نہ کھایا جائے۔ خواہ ذبح کرنے والے کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ (ص۲۹ شمع محمدی مطبوعہ کراچی)

"اشعر اولم یشعر" کا ترجمہ خواہ ذبح کرنے والے کو اس کا علم ہو یا نہ ہو" کر کے اس نے ثابت کر دیا کہ اس شخص کو علم سے کوئی واسطہ نہیں تھا، نہایت جاہل غیر مقلد تھا، جو لوگ اسکو بڑا قابل سمجھتے ہیں ان سے کوئی پوچھے کہ عربی کے اس جملہ کا جو موصوف نے ترجمہ کیا ہے

کیا وہ صحیح ہے، درجہ عربی اول و دوم کا کوئی طالب علم بھی ایسی جہالت کا مظاہرہ نہیں کریگا

اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ اشعر اولم یشعر " یعنی پیٹ میں سے جو مرا بچہ نکلا ہے

اس کا بال اگا ہو یا نہ اُگا ہو۔

اور یہ غیر مقلد قابل اس کا ترجمہ کرتا ہے کہ ذبح کرنے والے کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔

اس قابلیت پر غیر مقلدیت کا نشہ چڑھا ہے، تقلید سے عار ہے، مجتہد بننے کا شوق ہے

اور صاحب ہدایہ کے مسائل کو قرآن وحدیث کے خلاف ثابت کرنے کا حوصلہ ہے، اگر کوئی

اس قابل سے پوچھے کہ ہدایہ کا یہ مسئلہ قرآن کی کس آیت یا کس حدیث کے خلاف ہے

تو دن میں موصوف کو تارے نظر آنے لگیں گے۔ مردار کھانا ہو سکتا ہے کہ غیر مقلدین کے

مذہب میں جائز ہو مگر قرآن میں تو صاف صاف اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ قرآن سے جو بات

ثابت ہے اس کو قرآن کے خلاف بتلانا کتنی بڑی جہالت ہے، اور جو چیز قرآن میں حرام

ہے اسکو حلال بتلانا کتنی بڑی دینی جسارت ہے۔ اور اشعر اولم یشعر کا ترجمہ جانے

یا نہ جانے کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

موصوف کا آٹھ صفحات کا ایک رسالہ ہے جس کا نام انھوں نے دلائل محمدی رکھا ہے

اس میں ہدایہ کی شرح فتح القدیر سے ایک عبارت نقل کی ہے جس کا شروع کا حصہ یہ ہے۔

لو کان الی فی ھذا الشیٔ الخ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں " یعنی اس مسئلہ میں فیصلہ یہ ہے " (1)

لو کان الی فی ھذا الشیٔ کا ترجمہ اس مسئلہ میں فیصلہ یہ ہے کیسا فاضلانہ ترجمہ ہے،

اس قسم کی قابلیت کے نمونے صرف غیر مقلدوں کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جن کو اجتہاد کا

نشہ چڑھا رہتا ہے۔ اور جو بڑے بڑے فقہاء اور علماء کو اپنی جوتیوں میں رکھتے ہیں۔

ان موصوف صاحب کی ایک خوبی یہ ہے کہ بات اگر اپنے مطلب کی ہوتی ہے تو کمزور

سے کمزور احادیث بھی ان کے یہاں اعلیٰ درجہ کی صحیح بن جاتی ہے، اور اگر بات خلافِ مطلب

ہو تو بخاری و مسلم کی روایتوں کو بڑی آسانی سے مردود قرار دے دیا جاتا ہے، اپنے رسالہ

---

(1) اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے، اگر اس بارے میں مجھے کچھ کہنے کا حق ہوتا۔

نکاح محمدی میں اس نے بخاری و مسلم کی ان تمام روایتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے جن سے ایک مجلس کی تین طلاق تین قرار پاتی ہیں ۔ اور اس نے اہلحدیث کے فضائل میں ایک حدیث لکھی ہے ، جس کا ترجمہ اس نے اس طرح کیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اہل حدیث جناب باری میں پیش ہونگے اور ان کے بکثرت درود لکھنے پڑھنے کی وجہ سے ان سے جناب باری عزوجل فرمائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ ۔ (ص۵ سراج محمدی)

اس حدیث کو پڑھ کر میں حیران رہ گیا کہ کس بے شرمی سے یہ شخص ایک جعلی اور موضوع حدیث پیش کر رہا ہے ۔ ناظرین حیران ہوں گے کہ صحیح حدیث یہ صحیح حدیث کی رٹ لگانیوالے کس طرح جعلی اور موضوع حدیث اس بے تکلفی سے " اہلحدیث " ہونے کی فضیلت کو ثابت کریں گے ؟ مگر میں بتلاتا ہوں کہ حقیقت یہی ہے کہ یہ حدیث جعلی اور موضوع ہے ، خود غیر مقلد عالم شوکانی نے اپنی کتاب الفوائد المجموعۃ میں اس کو جعلی بتلایا ہے ، خطیب نے اس کو موضوع کہا ہے ، امام ذہبی نے اور سیوطی نے بھی اس کو موضوع بتلایا ہے ، غرضیکہ یہ حدیث من گھڑت ہے مگر ہمارے علامہ صاحب ایسے بے شرم واقع ہوئے ہیں کہ اہلحدیث ہونے کی فضیلت کو اسی جعلی اور موضوع حدیث سے ثابت کر رہے ہیں ۔

موصوف نے اپنے رسالہ میں جتنی بھی حدیثیں ذکر کی ہیں ، ان میں سے زیادہ تر کا حال اسی قسم کا ہے ۔ مگر اس اللہ کے بندہ نے کہیں بھی یہ نہیں بتلایا ہے کہ یہ حدیث جعلی موضوع اور من گھڑت ہے ، علماء حدیث لکھتے ہیں کہ باطل حدیث کا بیان کرنا حرام ہے ، اور جس نے اسکے باطل ہونے کو ظاہر نہیں کیا اس نے حرام کام کیا ۔ اسی حرام کاری میں موصوف جونا گڑھی اپنی کتابوں اور رسالوں میں عام طور پر مبتلا نظر آتے ہیں ۔

انکی ایک کتاب طریق محمدی ہے اس میں اس غیر مقلد نے حضرت عمرؓ کے بارے میں جو کچھ بکا ہے ، کسی اہل سنت سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ، موصوف کتاب و سنت کے عشق میں ڈوبے ہوئے فرماتے ہیں ۔

"پس آؤ سنو بہت صاف صاف موٹے موٹے ایسے مسائل ہیں کہ حضرت فاروق
اعظم نے ان میں غلطی کی ہے ..... فی الواقع ان مسائل کے دلائل سے حضرت
فاروق بے خبر تھے" صـ۲۱
خلیفۂ راشد حضرت فاروق اعظم کی شان میں اس طرح کے الفاظ کا بے باکانہ استعمال ایک
رافضی اور ایک شیعہ ہی کر سکتا ہے۔
ان صاحب پر حدیث کی محبت کا ایسا بھوت سوار ہے کہ وہ جوش میں آکر حدیث کو
بھی قرآن کا مثل بتلاتے ہیں، اسی کتاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

اسی طرف اشارہ ہے اوپر والی حدیث میں کہ مجھے جہاں قرآن دیا گیا وہیں
ایک چیز اسی جیسی اور دی گئی، یعنی حدیث جو خود بھی وحی تھی مثل کلام اللہ کی
وحی کے۔ صـ۵۳

آپ خط کشیدہ عبارت کو دیکھیں اس نے اس عبارت میں حدیث کو قرآن ہی کی جیسی
وحی قرار دیا ہے۔ کیا یہ بات کسی پڑھے لکھے آدمی کی ہو سکتی ہے۔
ان کی جرأت اور جہالت کا عالم یہ ہے کہ وہ قرآن کی آیتوں کا ترجمہ کرنے میں نہایت
درجہ آزاد ہیں، قرآنی آیتوں کا ترجمہ کرنے میں ذرا بھی احتیاط نہیں برتتے، ترجمہ صحیح ہو رہا ہے
یا غلط بس کسی طرح سے قرآن و حدیث کے نام پر اپنا مطلب حاصل ہونا چاہیئے۔ قرآن کی
آیتوں کا ترجمہ وہ کس انداز سے کرتے ہیں اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو، اسی رسالہ طریق محمدی میں
النبی اولی بالمومنین من انفسہم کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ مومنوں کو اللہ کے یہ نبی اپنی جانوں
سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ صـ۴۲ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ انفسہم میں جو ضمیر ہے اسکو مومنو
نے النبی کی طرف لوٹایا ہے۔ اور موصوف غایت درجہ جہالت کی وجہ سے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ
انفسہم میں ھم، ضمیر جمع کی ہے وہ النبی جو کہ واحد کا لفظ ہے، اس کی طرف کیسے لوٹے گی؟
اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے: "پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں"
دیکھو دونوں ترجموں میں کتنا فرق ہے۔ یہ صحیح ترجمہ اس قرآن سے میں نے نقل کیا ہے

جو غیر مقلدوں نے سعودیہ سے شائع کرایا ہے، چونکہ سعودیہ والا ترجمہ دوسروں کے ترجمے چرایا ہوا ہے اس وجہ سے مولانا جوناگڈھی نے وہاں ترجمہ صحیح کیا ہے، اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہند نے یہ کیا ہے، نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے۔

حدیثوں کا معنی و مطلب بیان کرنے میں تو یہ صاحب ایسا کرتب دکھاتے ہیں کہ توبہ بھلی اللہ کے رسول کی احادیث کے ساتھ اس قسم کی حرکتیں غیر مقلدین ہی سے صادر ہو سکتی ہیں جن کے پاس علم کم اور جہالتوں اور حماقتوں کا سرمایہ زیادہ رہتا ہے۔ حدیث پاک کے ساتھ مولانا جوناگڈھی کی کرتب بازی کا یہ نمونہ ملاحظہ کریں۔

اللہ کے رسول کی مشہور حدیث ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔

اس حدیث کا ترجمہ اور مطلب بیان کیا جاتا ہے۔

میرے بعد بڑے بڑے اختلاف ہوں گے بہت سی فرقہ بندیاں ہوجائینگی تم اس وقت میری حدیثوں کو مضبوط تھام لینا انھیں دانتوں سے پکڑ کر رکھنا اور میرے چاروں خلیفوں کے قدم بقدم چلنا خبردار اس کے بعد جو نئی راہیں نکلیں ان میں سے کسی کو اختیار نہ کرنا وہ سب کی سب راہیں گمراہی کی ہونگی۔

(طریق محمدی ص۲۵)

اس میں ایک کرتب تو یہ کیا ہے کہ علیکم بسنتی میں سنتی کا ترجمہ حدیثوں سے کیا ہے، جب کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میری سنت کو لازم پکڑنا، اس میں حدیثوں کی بات تو چھوڑیے حدیث ہی کا ذکر نہیں ہے، ذکر تو سنت کا ہے، مگر غیر مقلدوں کو چونکہ سنت سے چڑھ ہے اس وجہ سے ترجمہ میں زبردست خیانت کا ارتکاب کیا گیا ہے، یا پھر اس جاہل کو پتہ ہی نہیں ہے کہ ہر حدیث سنت نہیں ہوا کرتی ہے، حدیث میں ہے کہ حضور نے ایک ایک دفعہ بھی وضو میں اعضاء کو دھویا، یہ حدیث تو ہے مگر ایک دفعہ دھونا وضو کی سنت نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ کا بال خم دار تھا، یہ حدیث ہے تو ہے مگر سنت نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ جب آپ چلتے تو آپ کا قد سب سے دراز معلوم ہوتا تھا۔ حدیث تو ہے مگر سنت نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی، یہ حدیث تو ہے مگر سنت نہیں ہے، اسی طرح سے سیکڑوں نہیں ہزاروں حدیثیں ہونگی مگر ان کو سنت نہیں کہا جائے گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثوں کو لازم پکڑنے کا کیوں حکم فرمائیں گے؟ پورے ذخیرہ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میری حدیثوں کو یا حدیث کو لازم پکڑو۔ آپ نے ایسے موقع پر ہمیشہ سنت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

دوسری جہالت اور دوسرا کرتب موصوف کا یہ ہے کہ انھوں نے دانتوں سے پکڑنے کا تعلق حضور کی حدیثوں سے جوڑا ہے جب کہ اس کا تعلق خلفائے راشدین کی سنت سے ہے، تیسرا کرتب یہ کیا ہے کہ وسنة الخلفاء الراشدین کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ میرے چاروں خلیفہ کے قدم بقدم چلنا، یہ بالکل غیر مقلدانہ اور جاہلانہ ترجمہ ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو بھی لازم پکڑنا۔ یعنی حضورؐ نے اپنے بعد جس طرح اپنی سنت کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح خلفاء راشدین کی بھی سنت کو اختیار کرنے اور لازم پکڑنے اور مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے، مگر غیر مقلدوں کو خلفاء راشدین کی سنتوں سے چڑھ ہے اس وجہ سے یہ گھپلا والا ترجمہ کرکے اپنی صحابہ دشمنی کا اور جہالت کا ثبوت موصوف جوناگڈھی نے فراہم کیا ہے۔ تیسرا کرتب موصوف نے یہ دکھایا ہے کہ آخر کی عبارت جو موصوف نے لکھی ہے اس کا حدیث میں دور دور تک نشان نہیں ہے۔ اتنی عبارت کا اضافہ اپنی طرف سے کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا ہے، یعنی حضورؐ پر تہمت جڑی ہے کہ آپ نے جو بات نہیں فرمائی تھی اس کو حضور کی بات بتلایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک وسنة الخلفاء الراشدین کا مزید جو مطلب بیان کیا ہے اسے پڑھ کر تو بے ساختہ قہقہہ مارنے کو جی چاہتا ہے۔ فرمایا جاتا ہے۔

خلفا کی روش کو ہرگز نہیں چھوڑنی چاہئے، جس طرح وہ مسائل شرعیہ صرف قرآن و حدیث سے لیا کرتے تھے...... اسی طرح ہمیں بھی منظور نظر اور راحت دل و جگر صرف قرآن

وحدیث ہی کو سمجھنا چاہئے۔ ص۲۱

دیکھئے اب یہاں سنت کا نہ خلفاء کی روشن ہوگیا، اور اس جملہ کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ شیطانی وحی سے زیادہ نہیں ہے، کسی محدث کو اس حدیث پاک کا یہ مطلب سوجھا ہوگا۔ چونکہ موصوف کے نزدیک دین صرف قرآن وحدیث کا نام ہے اس وجہ سے حدیث پاک کا یہ تحریفی اور مجرمانہ اور غیر مقلدانہ مطلب بیان کیا جارہا ہے، تاکہ خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرنے سے جان چھوٹے، صحابہ کرام سے اور خلفائے راشدین سے پیچھا چھڑانا رافضیوں کا کام ہے، اور غیر مقلدین کی روش بھی رافضیوں والی ہے۔

موصوف رافضیت اور ظاہریت کے جراثیم کا ملغوبہ زندگی بھر بنے رہے، اسی کتاب کے صفحہ ۲۶ پر فرماتے ہیں کہ اہلحدیث فقہ کی کتابوں کو نہیں مانتے وہ احکام شرع کا دارومدار قرآن وحدیث پر ہی رکھتے ہیں۔ جوناگڈھی کی یہ بات پکار پکار کر بتلا رہی ہے کہ موصوف میں رافضیت وظاہریت کا جرثومہ پورے طور پر حلول کرچکا تھا۔ فقہ کا انکار کرنا رافضیوں کا کام ہے، اجماع کا انکار کرنا بھی رافضیوں کا کام ہے، صحابہ کرام کی سنت کا انکار کرنا بھی رافضیوں کا کام ہے۔ قیاس کا انکار کرنا ظاہریوں اور رافضیوں کا کام ہے۔

میرا خیال ہے کہ آپ کو جوناگڈھی صاحب کا علمی قد معلوم ہوگیا ہوگا، اور یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ موصوف کی علمی وتحقیقی شان کی حقیقت کیا ہے، اور ان کی کتابوں اور رسالوں میں کون سی روح بھری ہے اسلئے میرے نزدیک کم پڑھے لکھے لوگوں کو موصوف کی کتابوں کو ہاتھ بھی لگانا مناسب نہیں ہے۔

میرے اس مضمون کو پڑھ کر بعض لوگ یہ سمجھیں گے کہ میں نے موصوف کو جاہل اور علم ودین کے میدان میں اپاہج بتلانے میں مبالغہ سے کام لیا ہے، یا ان کیلئے ہم نے اپنی اس تحریر میں سخت الفاظ استعمال کئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جو بھی ان کی کتابوں کو پڑھے گا اس کا خیال موصوف جوناگڈھی کے بارے میں میرے خیال سے مختلف نہیں ہوگا۔

محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

کیا بندہ کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ اس کو اس کے گناہ سے نقصان نہ پہونچے!

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری دام ظلہ

سلام مسنون!

صوفیا کے طبقہ میں بعض لوگوں کا کہنا سنا گیا ہے کہ بعض اولیاء اللہ کا مقام اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ وہ گناہ بھی کریں تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ براہ کرم اس کی حقیقت کیا ہے، معلوم کرائیں۔

والسلام

جنید اختر ہگلی کرناٹک

زمزم! ولایت کا سب سے اونچا مقام انبیاء کو حاصل ہوتا ہے، اور تمام انبیاء میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود گناہ سے ہر وقت خائف رہا کرتے تھے، یہی حال تمام انبیاء کرام کا تھا کہ وہ خدا کے حکم کے خلاف کام کرنے سے پناہ مانگتے تھے، انبیاء سے ذرا سا بھی لغزش ہوتی تو اللہ کی طرف سے فوراً ان کو متنبہ کیا جاتا، حضرت نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کا بیٹا طوفان کی نذر ہو گیا ہے، تو اللہ سے کہا کہ پروردگار تیرا وعدہ تھا کہ جو میرے اہل سے ہونگے وہ ڈوبنے سے محفوظ رہیں گے، یہ بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اس کو گناہ کے زمرہ

میں شمار کیا جائے، مگر اس پر بھی اللہ کی طرف سے ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تمہارا لڑکا ولد صالح نہیں تھا اس وجہ سے اس کو اپنے اہل میں سے تم کو شمار نہیں کرنا چاہئے تو نوح علیہ السلام نے فوراً کہا۔ رب انی اعوذبک ان اسئلک ما لیس لی بہ علم والا تغفر لی وترحمنی اکن من الخاسرین۔

میرے رب میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے اس بات کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اگر تو نے مجھے بخش نہیں دیا اور میرے اوپر رحم نہیں کیا تو میں گھاٹے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون کی ڈاڑھی پکڑ لی تو بعد میں کہا کہ قال رب اغفر لی ولاخی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الراحمین۔ اے میرے رب میری مغفرت کر دے اور میرے بھائی کی، اور ہمیں تو اپنی رحمت میں داخل کر دے تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو گھونسہ مارا وہ مر گیا تو ندامت کا اظہار کیا اور اس بلا ارادہ قتل پر اللہ سے مغفرت طلب کی اور کہا۔ اے رب میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے۔

منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھی تو اللہ کی طرف سے ممانعت آگئی کہ آپ کو منافقوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے۔

غزوۂ تبوک میں منافقین جنگ سے بچنا چاہتے تھے انھوں نے مختلف بہانے بنائے اور آنحضورؐ سے جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہی آپؐ نے انکو اجازت دیدی اللہ کو آپ کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا اور یہ آیت آپ کو متنبہ کرنے کیلئے نازل ہوئی عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقوا وتعلم الکاذبین۔ اللہ نے آپ سے معاف کر دیا کہ آپ نے انکو اجازت دی، آپ کو اجازت اس وقت دینی چاہئے تھی جب کہ ان میں سے سچوں اور جھوٹوں کا آپ پتہ چلا لیتے۔

غرض رسولوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ مقام حاصل نہیں تھا کہ آپ جو
چاہیں کریں اور جس طرح چاہیں رہیں، خداوندی احکام کے تمام انبیاء اور آپ صلی اللہ
علیہ وسلم بھی پابند تھے اور عام افرادامت سے زیادہ اس کا خیال رکھنے والے تھے ۔
تو جب نبیوں کو یہ مقام حاصل نہیں تو پھر کوئی ولی اس کا مقام خواہ کتنا بھی بلند
ہو اسکو یہ مقام کیسے حاصل ہو سکتا ہے ۔
صوفیائے کرام کی طرف یہ بات منسوب کرنا بالکل غلط ہے، کوئی اللہ کا ولی اور
کوئی تصوف کی صحیح راہ اختیار کرنے والا اس طرح کی بات اپنے منہ سے نہیں نکالے گا ۔
ہاں یہ بات درست ہے کہ بعض اللہ والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا قلب اتنا
پاک اور مجلیٰ اور ان کا باطن اتنا ستھرا اور ان کا نفس ریاضت و مجاہدہ کے بعد اتنا
پاکیزہ ہو جاتا ہے کہ ان سے گناہ کا صدور بہت کم ہوتا ہے، اور گناہ ہو بھی جاتا ہے تو
انھیں فوراً خدا کی طرف سے توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے جس سے اس گناہ کا اثر ختم ہو جاتا ہے
بلکہ ان کو اپنے اس گناہ پر اتنی ندامت ہوتی ہے، ان کا آنسو اتنا بہتا ہے، انکو غم اتنا
لاحق ہوتا ہے کہ یہ گناہ بھی ان کے لئے رفع درجات کا سبب بن جاتا ہے اور ان کی سیئات
حسنات سے بدل جاتی ہیں۔ قرآن میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ہے۔ اولٰئک یبدل
اللہ سیأتھم حسنات یعنی اللہ ان کی سیأت کو حسنات سے بدل دیتا ہے۔
اور یہی معنی ہے اس کا کہ بندہ کو کبھی وہ درجہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کے عمل کا گناہ
اس کو نقصان نہیں دیتا۔

محمد ابوبکر غازی پوری

طٰہٰ شیرازی

محمد ۱۰ جمل مفتاحی

خمارِ سلفیت

آنحضورؐ سے متوارث و منقول نماز میں رفع یدین نہیں

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی ، علامہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ ہماری جماعت اہلحدیث کے بہت بڑے عالم تھے نا ؟

باپ ۔ جی بیٹا ، وہ مجدد سلفیت تھے ، بعض لوگ ان کو شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب دہلوی سے بھی بڑا عالم اور سلفی سمجھتے ہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی نواب صاحب نے آنحضورؐ سے متواتر نماز کی جو کیفیت ذکر کی ہے وہ ان کے بیان کے مطابق یہ ہے ۔

" مصلی وضو کر کے اپنی شرم گاہ چھپا کر کھڑا ہو ، (کیا وضو کے وقت شرم گاہ کھلی رکھے گا ؟) اور قبلہ رخ ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو اخلاص کے ساتھ نماز پڑھے ، زبان سے اللہ اکبر کہے ، سورہ فاتحہ کے ساتھ سوائے تیسری اور چوتھی رکعت کے قرآن کی کوئی سورت بھی ملائے پھر رکوع کرے اور اتنا جھکے کہ اپنی انگلیوں کے سرے سے اپنے گھٹنے کو چھولے اطمینان سے رکوع کرنے کے بعد اطمینان سے کھڑا ہو پھر سجدہ کرے یہ ایک رکعت ہوئی پھر ہر دو رکعت پر بیٹھے اور تشہد پڑھے اور نماز کے آخر میں آنحضور پر درود پڑھے اور دعا مانگے پھر سلام پھیرے "

اباجی، نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز کا یہ طریقہ بتلا کر فرماتے ہیں:
فهذه صلوٰة النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی
نماز ہے۔
وصلوٰة الصحابة والتابعين وهی التی توارثوا انها مسمی الصلوٰة
اور یہی صحابہ و تابعین کی نماز ہے اور نماز کے نام سے جو متوارث عبادت وہ یہی ہے۔
(دیکھو الروضۃ الندیہ)

باپ۔ بیٹا نواب صاحب کا فرمان بالکل صحیح ہے، تمہیں اشکال کیا ہے؟
بیٹا۔ اباجی، مجھے اشکال صرف یہ ہے کہ ہم اہلحدیث لوگ جو نماز پڑھتے ہیں اس میں رفع یدین بھی کرتے ہیں، کوئی تین جگہ کرتا ہے اور کوئی چار جگہ، مگر نواب صاحب نے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین والی نماز ذکر کی ہے، اس میں رفع یدین کا کہیں ذکر ہی نہیں، تو کیا ہم اہلحدیث لوگوں کی نماز آنحضورؐ اور صحابہ و تابعین والی نہیں ہے

باپ۔ بیٹا۔ نواب صاحب بہت محقق عالم ہیں، انھوں نے جو نماز کا طریقہ ذکر کیا ہے اس میں صرف انھیں چیزوں کا ذکر کیا ہے جو نماز میں ضروری ہیں، اور جن کے بغیر نماز میں نقصان پیدا ہوتا ہے۔
بیٹا۔ اباجی، ہمارے علماء تو کہتے ہیں کہ رفع یدین نہ کرنے سے بھی نماز میں نقصان پیدا ہوتا ہے اور بلا رفع یدین والی نماز خلاف سنت ہے۔
اباجی، نواب صاحب کی بات کہیں غیر تحقیقی تو نہیں؟
باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

علم و دیانت کی بات ہے یا فریب ہے ؟

بیٹا ۔ ابا جی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ ابا جی نواب صاحب کے اس فرمان وردت بالمتشابہ من قولہ تعالیٰ وذکر اسم ربہ فصلیٰ کا ذرا وضاحت سے مطلب بیان فرمادیں ۔

باپ ۔ بیٹا ۔ نواب صاحب اصل میں حنفیہ کی خبر لینا چاہتے ہیں ، وہ کہتے ہیں کہ احادیث میں نماز شروع کرنے کا جو کلمہ ہے وہ صرف اللہ اکبر ہے ۔ احناف کے یہاں اللہ اکبر کے علاوہ دوسرے کلمات جیسے اللہ اعظم ، اللہ اجل وغیرہ سے بھی نماز ہوجاتی ہے احناف نے اس مسئلہ میں ان تمام احادیث کو رد کر دیا ہے جس میں اس کا بیان ہے کہ نماز اللہ اکبر سے شروع کی جائے گی ۔ اور جو ان کا استدلال قرآن کی آیت وذکر اسم ربہ فصلیٰ سے ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے کسی بھی نام سے نماز شروع کی جاسکتی ہے تو نواب صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت متشابہ ہے یعنی اس کی مراد اور اس کا معنی واضح نہیں ہے احناف نے ایسی غیر واضح آیت سے صحیح احادیث کو رد کر دیا ہے ۔

بیٹا ۔ ابا جی مگر نواب صاحب کی یہ بات بالکل غلط ہے ، اور ان کا اعتراض سراسر باطل ہے میں نے ایک دفعہ نہیں بارہا احناف کی مسجد میں نماز پڑھی ہے ۔ وہ ہمیشہ اللہ اکبر ہی کہہ کر نماز شروع کرتے ہیں ، وہ تو ان احادیث پر عمل کرتے ہیں اور نواب صاحب فرماتے ہیں کہ احناف نے ان احادیث کو رد کر دیا ہے ، یہ کتنا بڑا جھوٹ اور فریب ہے ۔

باپ ۔ بیٹا مگر احناف کا مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی نماز میں اللہ اکبر کی جگہ دوسرا کلمہ مثلاً اللہ اعظم کہہ دے تب بھی نماز ہو جائے گی ۔

بیٹا ۔ اباجی ۔ قرآن میں صاف صاف ارشاد ہے وثیابک فطہر یعنی نماز کے لئے کپڑوں کو پاک کرو، اور ہمارے نواب صاحب فرماتے ہیں کہ اگر نجس کپڑے میں بھی نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی ۔ یہاں تو نواب صاحب نے قرآن ہی کے فرمان کو رد کر دیا ہے ۔

اباجی ، حدیث میں آتا ہے کہ عورتوں کی نماز بلا اوڑھنی کے نہیں ہوتی ، اور نواب صاحب کا فرمان ہے کہ بلا ستر چھپائے بھی نماز ہو جائے گی ، نواب صاحب نے یہاں صحیح اور صریح حدیث کو رد کر دیا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا، آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو ؟

بیٹا ۔ اباجی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہمارے بڑے بڑے علماء بھی فریب سے کام کیوں لیتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ کیوں دیتے ہیں، لوگوں کو وہ صحیح بات کیوں نہیں بتلاتے ۔

باپ ۔ تو احناف کا یہ مسئلہ نہیں ہے ، ان کی کتابوں میں یہی لکھا ہے جو نواب صاحب فرماتے ہیں۔

بیٹا ۔ احناف کا صحیح مسئلہ یہ ہے کہ ان کے یہاں بھی سنت یہی ہے کہ نماز اللہ اکبر سے شروع کی جائے گی ۔ احناف کی تمام مساجد میں اسی پر عمل بھی ہے ، البتہ اگر کسی نے اللہ اکبر کی جگہ اللہ اعظم وغیرہ بھی کلمہ کہہ دیا تو اس سے بھی نماز ہو جائے گی مگر بہر حال ترک سنت کا وہ شخص مرتکب ہوگا ۔ جس طرح نواب صاحب کے یہاں اگرچہ سنت یہی ہے کہ نماز پڑھنے والا ستر پوش ہو اور طہارت کے ساتھ نماز پڑھے لیکن اگر کسی نے ننگے ہو کر اور نجس کپڑے پہن کر نماز پڑھی تو اس کی نماز ہو جائے گی ۔ اگرچہ اس نماز کو سنت والی نماز نہیں کہیں گے ۔

اباجی ۔ کتاب وسنت کا نام لے کر فریب دینا لوگوں کو گمراہ کرنا اور صحیح بات چھپانا ، پورا مسئلہ نہ بتلانا یہ بھی ہم اہلحدیثوں کا شعار ہے کیا ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

⁂